سالانہ نمبر ۲۰۲۶ء

روزنامہ

الفضل

انٹرنیشنل

اُغۡزُوۡا بِاسۡمِ اللّٰہِ وَفِی سَبِیۡلِ اللّٰہِ:
اللہ کے نام کے ساتھ جنگ کرنا اور اللہ کی راہ میں کرنا

وَلَا تَغُلُّوۡا: اور خیانت نہ کرنا

وَلَا تَغۡدِرُوۡا: اور بدعہدی نہ کرنا

وَلَا تَجۡبُنُوۡا: اور بزدلی اختیار نہ کرنا

وَلَا تَمۡثُلُوۡا: اور مُثلہ نہ کرنا

وَلَا تَقۡتُلُوۡا ... اَصۡحَابَ الصَّوَامِعِ:
اور کسی پادری (مذہبی راہنما) کو قتل نہ کرنا

وَلَا تَقۡتُلُوۡا وَلِیۡدًا، وَلَا امۡرَأَۃً، وَلَا شَیۡخًا کَبِیۡرًا:
اور کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا

وَلَا تَعۡقِرُنَّ شَجَرَۃً:
اور (بلاوجہ) کوئی درخت نہ کاٹنا

مُحَمَّدٌ

حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اسوۂ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ

مدیر اعلیٰ: حافظ محمد ظفراللہ عاجزؔ جلد ۳۳ ۲۰تا۲۶؍ جولائی ۲۰۲۶ء ۵تا۱۱؍ صفر ۱۴۴۸ ہجری قمری ۲۰تا۲۶؍ وفا ۱۴۰۵ ہجری شمارہ ۱۷۲تا۱۷۷

آنحضرت ﷺ انسان کامل تھے۔
آپؐ نے اذنِ الٰہی سے دفاعی جنگیں لڑیں لیکن ان جنگوں میں بھی ہمیں آپ کا پاکیزہ اسوہ دکھائی دیتا ہے

☆… آنحضرت ﷺ نے جتنی بھی جنگیں کیں ان میں سب سے قابل ذکر امر یہ ہے کہ میدان جنگ میں صورتحال کیسی بھی رہی ہو، ہر جنگ میں آپؐ کی ثابت قدمی اور جرأت کی کوئی مثال نہیں ملتی

☆… غزوات میں حضور ﷺ کا دشمنوں سے حسن سلوک بھی مثالی تھا

☆… آپؐ کے پاکیزہ اسوہ سے دوسرے مذاہب کا احترام بھی نظر آتا ہے جس سے مذہبی رواداری کی فضا پیدا ہوتی ہے

☆… آپؐ رَحۡمَۃٌ لِّلۡعٰلَمِیۡن تھے۔ آپؐ سب سے زیادہ عفو و درگزر کا سلوک فرمانے والے تھے

☆… ہمیں چاہئے کہ حضور ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ پر چلنے کی بھرپور کوشش کریں

اسلام آباد یوکے
02-07-2026

پیارے قارئین روزنامہ الفضل انٹرنیشنل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ کہ روزنامہ الفضل انٹرنیشنل کو جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر ''حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول ﷺ اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ'' کے عنوان سے سالانہ نمبر شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ آمین

میں اس حوالے سے چند ضروری باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ انسان کامل تھے۔ آپ نے اذنِ الٰہی سے دفاعی جنگیں لڑیں لیکن ان جنگوں میں بھی ہمیں آپ کا پاکیزہ اسوہ دکھائی دیتا ہے۔ کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے صحابہ سے محبت اور شفقت کا سلوک فرما رہے ہیں تو کہیں آپؐ ہمیں ان کی مختلف رنگ میں تربیت فرماتے نظر آتے ہیں۔ کبھی آپ اپنے صحابہ کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں سخت جسمانی مشقت والے کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تو کہیں صحابہ کے بھوک کی حالت میں کاموں کے دوران آپ خود بھی بھوکے رہ کر ان کے ساتھ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ کسی مخلص صحابی کی طرف سے کھانے کی دعوت ملتی ہے تو اپنے ساتھیوں کا بھی خیال رکھتے ہیں اور میزبان سے پوچھ کر سب کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ پھر آپؐ اہم معاملات میں صحابہؓ سے مشاورت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ احد سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا ہم کو شہر میں ٹھہر کر مقابلہ کرنا چاہئے یا باہر نکل کر۔ آپؐ کا اپنا خیال یہی تھا کہ دشمن کو حملہ کرنے دیا جائے تا کہ جنگ کی ابتداء کا بھی وہی ذمہ دار ہو اور مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس کا مقابلہ آسانی سے کر سکیں لیکن وہ نوجوان مسلمان جن کو بدر کی جنگ میں شامل ہونے کا موقع نہیں ملا تھا انہوں نے اصرار کیا کہ ہمیں شہادت سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی بات مان لی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور آپؐ خود بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو آپؐ نے جنگی لباس پہن رکھا تھا۔

لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم آپؐ کی رائے کی مخالفت کریں۔ آپؐ جو مناسب سمجھیں اس کے مطابق عمل فرمائیں۔ اگر آپؐ شہر سے نکل کر مقابلہ پسند نہیں فرماتے تو یہیں رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نبی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ ہتھیار لگانے کے بعد اس وقت تک انہیں اتارے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جتنی بھی جنگیں کیں ان میں سب سے قابل ذکر امر یہ ہے کہ میدان جنگ میں صورتحال کیسی بھی رہی ہو، ہر جنگ میں آپ کی ثابت قدمی اور جرأت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔جس وقت بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے تھے اس وقت بھی آپ ایک چٹان کی طرح وہاں موجود نظر آتے رہے۔ جنگ حنین کا ذکر کرتے ہوئے حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب تمام لوگ منتشر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تنہارہ گئے اور دشمن آپ کی طرف بڑھنے لگا تو ایسے میں آپ اکیلے ہی دشمن کی طرف بڑھتے چلے گئے اور بلند آواز میں کہتے جارہے تھے کہ میں ابن عبد المطلب ہوں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! جب جنگ شدت اختیار کر جاتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آ جایا کرتے تھے اور سب سے زیادہ بہادر وہی سمجھا جاتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے قریب رہتا تھا۔

غزوات میں حضور ﷺ کا دشمنوں سے حسن سلوک بھی مثالی تھا۔قریش مکہ کو بدر کے میدان میں ایک حوض سے پانی کی ضرورت پڑتی ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھا توصحابہ انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آپ نے فرمایا نہیں ان کو پانی لینے دو۔تو یہ ہے اعلیٰ معیار آنحضرت ﷺ کے اخلاق کا کہ باوجود اس کے کہ دشمن نے کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کے بچوں تک کا دانہ پانی بند کیا ہوا تھا۔لیکن آپؐ نے اس سے صَرف نظر کرتے ہوئے دشمن کی فوج کے سپاہیوں کو پانی لینے سے نہ روکا۔ کیونکہ یہ اخلاقی ضابطوں سے گری ہوئی حرکت تھی۔

پھر آپ کے پاکیزہ اسوہ سے دوسرے مذاہب کا احترام بھی نظر آتا ہے جس سے مذہبی رواداری کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ فتح خیبر کے دوران توراۃ کے بعض نسخے مسلمانوں کو ملے۔ یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہماری کتاب مقدس ہمیں واپس کی جائے۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہود کی مذہبی کتابیں ان کو واپس کر دو۔ (السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 49)

باوجود اس کے کہ یہودیوں کے غلط رویے کی وجہ سے ان کو سزائیں مل رہی تھیں آپؐ نے یہ برداشت نہیں فرمایا کہ دشمن سے بھی ایسا سلوک کیا جائے جس سے اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

پھر آپؐ رَحۡمَۃٌ لِّلۡعَالَمِین تھے۔ آپؐ سب سے زیادہ عفو و درگزر کا سلوک فرمانے والے تھے۔ اس کا بہترین نمونہ فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے۔ مکہ والوں نے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ پر بے انتہا ظلم کئے تھے لیکن یہ مجسّم رحمت خدا کا سب سے پیارا جب فاتح مکہ بنتا ہے تو شہر بھر میں یہ کہہ کر عام معافی کا اعلان فرما دیتا ہے کہ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ۔یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اسوہ اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ کے یہ چند نمونے ہیں۔ہمیں چاہئے کہ حضور ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ پر چلنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام
خاکسار
(دستخط)مرزا مسرور احمد
خلیفۃ المسیح الخامس

ارشادِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جس نے ایسے آدمی کو قتل کیا جس سے معاہدہ ہو، اس نے جنت کی خوشبو نہ سونگھی بحالیکہ جنت کی خوشبو تو ایسی ہے کہ چالیس برس کی مسافت پر بھی محسوس ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجزیۃ والموادعۃ حدیث نمبر ۳۱۶۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مصروفیات



مورخہ ۶؍ تا ۱۹؍جولائی ۲۰۲۶ء کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی گوناگوں مصروفیات میں سے چند ایک کی جھلک ہدیہ قارئین ہے:

☆...**۸؍جولائی بروز بدھ:** حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج دوپہر بارہ بجے اپنے دفتر سے باہر تشریف لاکر مکرمہ منصورہ شاہدہ صاحبہ اہلیہ مکرم حکیم محمد امین صاحب مرحوم (Farnborough۔یوکے) کی نمازِ جنازہ حاضر اور چھ مرحومین کی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

☆...**۱۰؍جولائی بروز جمعۃ المبارک:** حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج مسجد مبارک، اسلام آباد یوکے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو ایم ٹی اے کے مواصلاتی رابطوں نیز یوٹیوب اور دیگر میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعہ ساری دنیا میں سنا اور دیکھا گیا۔ (خلاصہ خطبہ جمعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں الفضل انٹرنیشنل ۱۳؍جولائی ۲۰۲۶ء)

☆... حضور انور نے آج شام کو اسلام آباد کے مختلف حصوں کا راؤنڈ فرمایا اور اس موقع پر موجود بچوں میں چاکلیٹس تقسیم فرمائیں۔

☆...**۱۱؍جولائی بروز ہفتہ:** حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج دوپہر بارہ بجے اپنے دفتر سے باہر تشریف لاکر مکرم صفدر حسین عباسی صاحب ابن مکرم مظفر حسین عباسی صاحب مرحوم (کارکن رقیم پریس۔یوکے) کی نمازِ جنازہ حاضر اور چار مرحومین کی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

☆... حضور انور نے آج بعد نماز عصر پانچ نکاحوں کا اعلان فرمایا اور ان کے بابرکت ہونے کے لیے دعا کروائی۔ (تفصیلات اسی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

☆...**۱۵؍جولائی بروز بدھ:** حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج دوپہر بارہ بجے اپنے دفتر سے باہر تشریف لاکر مکرمہ اقبال احمد صاحبہ اہلیہ مکرم نذیر احمد صاحب مرحوم (لندن) کی نمازِ جنازہ حاضر اور چھ مرحومین کی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

اس عرصہ کے دوران حضورِ انور نے متعدد دفتری و ذاتی ملاقاتیں فرمائیں۔ دفتری ملاقات کی سعادت پانے والے احباب نے اپنے پیارے امام سے متفرق امور کی بابت ہدایات اور راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق پائی۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْ اِمَامَنَا بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَکُنْ مَعَہٗ حَیْثُ مَا کَانَ وَانْصُرْہُ نَصْرًا عَزِیْزًا

☆...☆...☆

کلام امام الزّماں علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ’’ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کر کے ہرگز تلوار نہیں اُٹھائی بلکہ ایک زمانہ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھایا اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپ کے اصحاب بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ دُکھ اُٹھاؤ اور صبر کرو، ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا۔ اُن کے بچے اُن کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ وہ آگ اور پانی کے ذریعہ سے عذاب دیئے گئے۔ مگر وہ شر کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیرخوار بچے ہیں۔ کون ثابت کرسکتا ہے کہ دنیا میں تمام نبیوں کی اُمتوں میں سے کسی ایک نے بھی باوجود قدرت انتقام ہونے کے خدا کا حکم سن کر ایسا اپنے تئیں عاجز اور مقابلہ سے دستکش بنالیا، جیسا کہ انہوں نے بنایا؟ کس کے پاس اِس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسا گروہ ہوا ہے، جو باوجود بہادری اور جماعت اور قوت بازو اور طاقت مقابلہ اور پائے جانے تمام لوازم مردی اور مردانگی کے پھر خونخوار دشمن کی ایذا اور زخم رسانی پر تیرہ برس تک برابر صبر کرتا رہا؟‘‘

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۰)

اعلاناتِ نکاح

مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری یہ اطلاع دیتے ہیں کہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۱۱؍جولائی ۲۰۲۶ء بعد نمازِ عصر مسجد مبارک اسلام آباد میں درج ذیل پانچ نکاحوں کا اعلان فرمایا:

☆...عزیزہ لبینہ نفیسہ جاوید بنت مکرم عبدالمومن جاوید صاحب (یوکے) ہمراہ مکرم نغمان احمد مرزا صاحب (واقفِ نو) ابن مکرم رشید احمد مرزا صاحب (یوکے)

☆...عزیزہ خنساء احسن بنت مکرم محمد احسن صاحب (یوکے) ہمراہ مکرم عبدالباری مغل صاحب (واقفِ نو) ابن مکرم عبدالغفار مغل صاحب (یوکے)

☆...عزیزہ فِزرا اظہر بنت مکرم عبدالنور اکبر صاحب (کینیڈا) ہمراہ مکرم عاطف بلال صاحب ابن مکرم عارف حمید صاحب (یوکے)

☆...عزیزہ صبیحہ رحمان بھٹی (واقفۂ نو) بنت مکرم عطاء الرحمان بھٹی صاحب (یوکے) ہمراہ مکرم Sebastijan Ernst صاحب ابن مکرم Matej Ernst صاحب (سلووینیا)

☆...عزیزہ مسائرہ باسمہ دین بنت مکرم عبدالعلی دین صاحب (یوکے) ہمراہ مکرم ذیشان احمد چغتائی صاحب ابن مکرم اعجاز احمد چغتائی صاحب (یوکے)

اللہ تعالیٰ یہ اعزاز طرفین کے لیے مبارک فرمائے اور نئے رشتے کے بندھن میں بندھنے والوں کو دین و دنیا کے ثمرات سے نوازے۔ آمین

☆...☆...☆

اداریہ

حقیقی امن دینے والے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ادارہ الفضل کو جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۶ء کے موقع پر اپنا سالنامہ بعنوان ''حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول ﷺ اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ'' شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ الحمد للہ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ دوسری جانب ایجادات اور مواصلاتی ذرائع کی ترقی نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج بنادیا ہے جہاں پل پل کی خبر لمحہ بھر میں اکنافِ عالم میں پھیل جاتی ہے۔ اس وجہ سے جہاں بھی کسی قوم یا ملک پر زیادتی یا ظلم ہو رہا ہو تو وہ چھپانے سے بھی نہیں چھپ پاتا۔ ظالم کا ظلم کسی نہ کسی طرح بے نقاب ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح پر دنیا کا امن متاثر ہوتا ہے۔

لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔ جہاں ظلم کی اشاعت بے دریغ ہو رہی ہے وہاں خدا تعالیٰ کے نور کا پیغام بھی اسی طرح دنیا کے ہر کونے میں متلاشیانِ حق کے لیے مہیا ہو رہا ہے۔ خلافت خامسہ کے دَورِ سعید میں ہم اس بات کو قطعی یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام احمدیت کا پیغام دنیا کے ہر کنارے تک پہنچ گیا ہے۔ یہی وہ دَور ہے جس میں چاہے کوئی قطب شمالی پر ہو یا قطب جنوبی پر اس زمانے کے حصنِ حصین کا پیغام انسان سے صرف ایک کلک کے فاصلے پر موجود ہے۔ یہی وہ زندگی بخش پیغام ہے جو دنیا میں جنگ کی فضا کو ختم کرنے اور امن وامان قائم کرنے کا موزوں نسخہ ہے۔ امن است در مکانِ محبت سرائے ما۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: ''اس وقت دنیا میں ہم عام طور پر یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ امن کے خواہشمند ہیں لیکن امن ان کو میسر نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اتنی مختلف الانواع مخلوق ہے کہ جب تک کسی ایک قاعدہ کے ماتحت امن کا حصول نہ ہو، اُس وقت تک سب لوگ مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسانوں میں ہزاروں اختلافات پائے جاتے ہیں، ایک دوسرے کے مفاد مختلف ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے جذبات مختلف ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں ان متضاد خواہشوں اور متضاد ضرورتوں کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن کس طرح ہوسکتا ہے؟ ایسے متضاد اور مخالف خیالات کی موجودگی میں تبھی امن قائم ہوسکتا ہے جب ساری دنیا ایک ایسی ہستی کی تابع ہو جو امن دینے کا ارادہ رکھتی ہو اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی امن میسر نہیں آ سکتا۔ ... پس درحقیقت امن اُس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب دنیا پر ایک ایسی بالا ہستی ہو جو امن کی متمنی ہو اور جو دوسروں کو امن دینا چاہتی ہو اور ایسے قوانین نافذ کرنا چاہتی ہو جو امن دینے والے ہوں اور وہی شخص حقیقی امن دینے والا قرار پا سکتا ہے جو اس ہستی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ یہ امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ انسان ہیں جن کے ذریعہ دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام امن دینے والا بھی ہے۔ چنانچہ سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے جو نام گنائے گئے ہیں ان میں سے ایک نام یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ کے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تُو لوگوں کو توجہ دلا اُس خدا کی طرف جو بادشاہ ہے، پاک ہے اور السَّلٰمُ یعنی دنیا کو امن دینے والا اور تمام سلامتیوں کا سرچشمہ ہے۔ ...

حقیقی امن تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اوپر ایک بالا ہستی ہے جو میرے لئے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ ساری دنیا کیلئے امن چاہتی ہے اور جو میرے ملک کے لئے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ سارے ملکوں کیلئے امن چاہتی ہے اور اگر میں صرف اپنے لئے یا صرف اپنی قوم کیلئے یا صرف اپنے ملک کیلئے امن کا متمنی ہوں تو اس صورت میں مجھے اس کی مدد، اس کی نصرت اور اس کی خوشنودی کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب یہ عقیدہ دنیا میں رائج ہو جائے تبھی امن قائم ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

پس اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ارادوں کو پاک وصاف کر دیا اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ جب تک ارادے درست نہ ہوں اُس وقت تک کام بھی درست نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں اس وقت جتنے فساد اور لڑائیاں ہیں سب اسی وجہ سے ہیں کہ انسانوں کے ارادے صاف نہیں۔ وہ منہ سے جو باتیں کرتے ہیں ان کے مطابق اُن کی خواہشات نہیں اور ان کی خواہشات کے مطابق اُن کے اقوال وافعال نہیں۔ آج سب دنیا کہتی ہے کہ لڑائی بُری چیز ہے لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے خلاف کوئی لڑے تو یہ بُری بات ہے لیکن اگر ان کی طرف سے جنگ کی ابتداء ہو تو یہ کوئی بُری بات نہیں سمجھی جاتی اور یہ نقص اسی وجہ سے ہے کہ لوگوں کی نظر ایک ایسی ہستی پر نہیں جو سلام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں جہاں تک ہمارا فائدہ ہے ہم ان باتوں پر عمل کریں گے مگر جب ہمارے مفاد کے خلاف کوئی بات آئے گی تو اسے رد کر دیں گے۔ پس یہی عقیدہ حقیقی امن کی طرف دنیا کو لا سکتا ہے کہ دنیا کا ایک خدا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ امن سے رہیں۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہو گا تو اُس وقت ہماری خواہشات خود غرضی پر مبنی نہیں ہونگی بلکہ دنیا کو عام نفع پہنچانے والی ہونگی، اس وقت ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ فلاں بات کا ہمیں فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان، بلکہ ہم یہ دیکھیں گے کہ ساری دنیا پر اس کا کیا اثر ہے۔'' (آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور امن عالم، انوار العلوم جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۴تا۱۹۶)

اللہ تعالیٰ دنیا کو توفیق دے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پہچان کر آپؐ کے جھنڈے تلے آجائے اور دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن کا قیام ممکن ہو۔

الفضل کے سالانہ نمبر کے لیے امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ازراہ شفقت ایک انتہائی بصیرت افروز پیغام عنایت فرمایا جس پر ادارہ تہ دل سے حضورِ انور کا شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم اپنے پیارے امام سے اسی طرح فیض پاتے رہیں۔

اسی طرح تمام مضمون نگار، شعرائے کرام اور الفضل کے ٹیم ممبران بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کسی بھی طرح اس کی اشاعت میں اپنا کردار ادا کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزا

فہرست مضامین

۶۰ویں جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۶ء کے موقع پر شائع کیا جانے والا الفضل انٹرنیشنل کا سالانہ نمبر بعنوان **''حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اسوۂ رسول ﷺ اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ''** ۸۰/صفحات پر مشتمل ہے۔

اس سالانہ نمبر کے لیے الفضل انٹرنیشنل کے چھ شماروں

(جلد ۳۳ شمارہ ۱۷۲تا۱۷۷، مورخہ ۲۰تا۲۶/جولائی) کو یکجا کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے کی اس کاوش کو قبول فرماتے ہوئے اسے افادۂ عام کا موجب بنائے۔ آمین

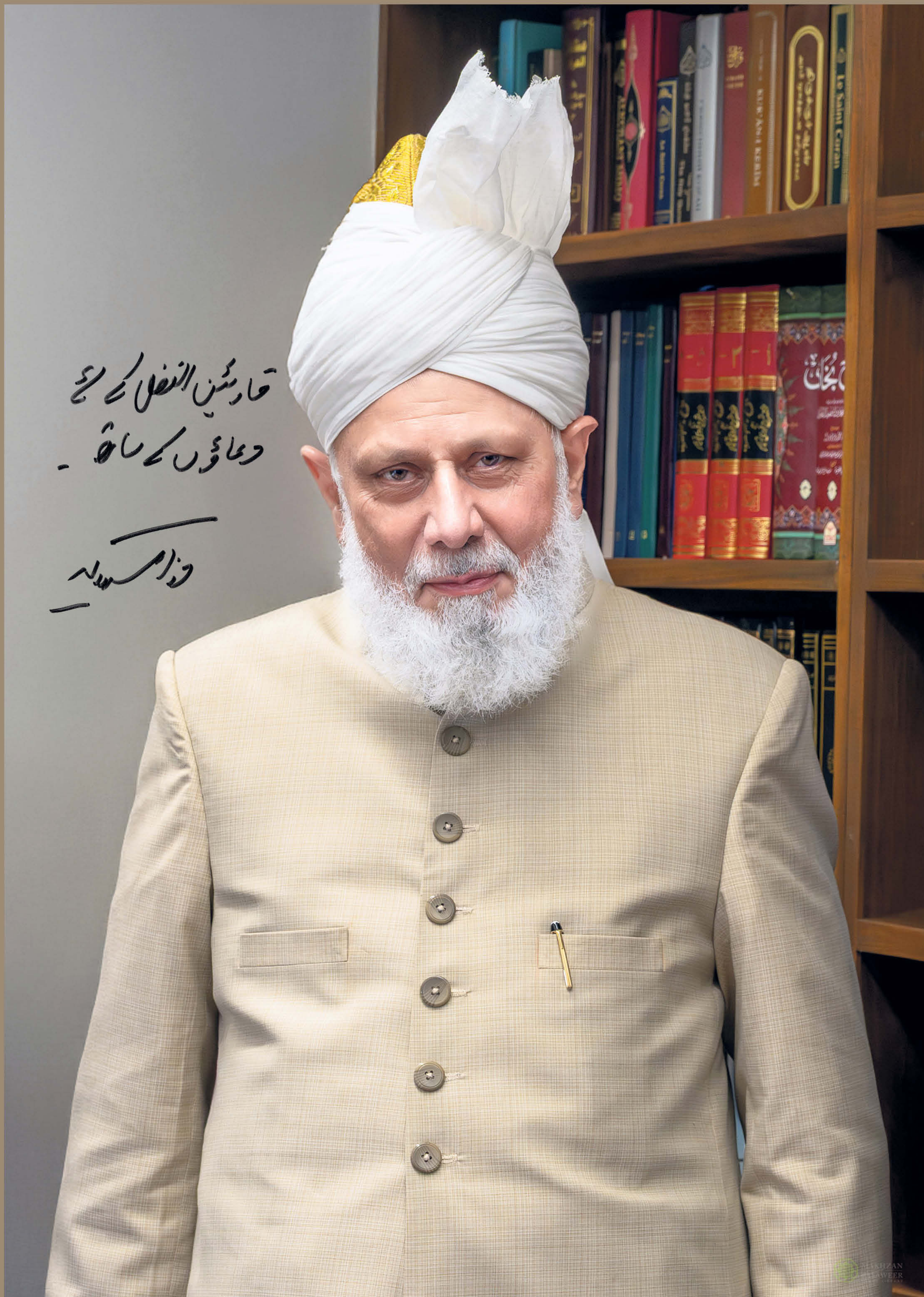
(مدیر)

جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر الفضل انٹرنیشنل کا خصوصی ویب پیج

https://live.alfazl.com

لائیو کوریج کرے گا۔ قارئین الفضل اس میں شمولیت کے لیے اپنی آرا، تجاویز، اعلاناتِ دعا اور پیغامات بذریعہ واٹس ایپ / ٹیلی گرام نمبر +447566234466 پر یا بذریعہ ای میل sm@alfazl.com پر بھجوا سکتے ہیں

(ادارہ الفضل انٹرنیشنل)



حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خوبصورت تصویر آپ کے بابرکت پیغام اور دستخط کے ساتھ الگ سے A4 سائز کے کاغذ پر شائع کر کے خریداران الفضل انٹرنیشنل کو تحفۃً بھجوائی جا رہی ہے)

خطبہ جمعہ ۳/جولائی ۲۰۲۶ء

آپؑ کی عطا ایک دریائے بیکراں تھی اور آپؑ کا ہاتھ ابرِ گوہر بار تھا۔ برستا تھا اور سیراب کر جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ رمضان کے مہینے میں بہت بڑھ جاتا تھا۔ اور مخفی در مخفی طریقوں سے حضورؑ حاجت مندوں کو دیتے رہتے تھے۔ اور قیمتی سے قیمتی چیز دوسرے کو دے دینے میں آپؑ کو کبھی تأمّل نہ ہوتا تھا... کوئی موقع ایسا آپؑ کو پیش نہیں آیا کہ آپؑ سے کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپؑ نے نہ دیا ہو۔ یا آپؑ نے کسی کی حاجت کو محسوس کر کے بغیر اس کے سوال یا درخواست کے اس کی مدد نہ کی ہو۔ آپؑ کریم ابن کریم ابنِ کریم تھے (روایت حضرت یعقوب علی عرفانی صاحبؓ)

حضرت صاحبؑ بڑی مہربانی فرماتے اور ہمیشہ ہنستے ہوئے ملتے اور کبھی خالی ہاتھ آنے نہ دیتے...

ہمیشہ حضرت صاحبؑ سے محبت اور مروّت ہی دیکھی ہے (روایت پنڈت موہن لال)

آپؑ کو کسی چیز کے قیمتی ہونے سے غرض نہیں تھی۔ آپؑ نے تو اپنے اخلاق کے اعلیٰ ظرف دکھانے تھے

علاج کے باوجود جب میری بیوی کی حالت نازک ہوگئی تو آپؑ نے فرمایا: دنیا کے جتنے ہتھیار تھے وہ تو ہم نے چلا لیے۔ اب ایک ہتھیار باقی ہے اور وہ دعا ہے۔

تم جاؤ مَیں دعا سے اس وقت سر اٹھاؤں گا جب اسے صحت ہو گی (روایت حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ)

جب دوائی (تریاقِ الٰہی) تیار ہوئی تو حضورؑ نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اسے تقسیم کیا اور ایک حَبَّہ یعنی ایک دانہ بھی کسی سے نہیں لیا۔

کچھ نہیں لیا بلکہ باہر سے طلب کرنے والوں کو رجسٹرڈ پارسل بھی اپنے خرچ سے بھجواتے تھے (ایک روایت)

جو ہم کسی کو دے دیا کرتے ہیں واپس نہیں لیتے (حضرت مسیح موعودؑ)

حضور علیہ السلام کو ایک دفعہ مَیں نے دیکھا کہ کُرتے کی جھولی میں بہت سے روپے لائے اور بغیر شمار مُلّا احمد نور کی جھولی میں ڈال دیے (ایک روایت)

میرے والد صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کہ بچوں کو کھانے کی تکلیف ہے۔ اس پر حضورؑ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ کھانا بچوں کو گھر سے ملا کرے گا۔ چنانچہ کئی ماہ تک کھانا حضورؑ کے اپنے گھر سے ہمیں آتا رہا اور کبھی کبھی حضورؑ گھر سے آم اور مٹھائی وغیرہ بھی کھانے کے لیے بھیجتے رہے (ایک روایت)

حضرت صاحبؑ کی یہ عام عادت تھی کہ روپیہ خادموں کو بھی گن کر نہیں دیتے تھے۔ پورا اعتماد اور اعتبار رکھتے تھے۔ جہاں تک مجھے رہنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی کسی خادم سے حضرت صاحبؑ نے حساب نہیں مانگا بلکہ جب کوئی مانگتا حضرت صاحبؑ اسے دے دیتے (ایک روایت)

آخر عمر تک مجھ سے کبھی حساب نہیں مانگا اور نہ کبھی ناراض ہوئے (روایت حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ)

حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپؑ سے کچھ قرض لیا۔ جب انہوں نے اس روپیہ کو حضرتؑ کی خدمت میں واپس بھیجا تو حضرتؑ نے ناپسند فرمایا اور واپس کر کے فرمایا کہ آپ ہمارے روپیہ کو اپنے روپیہ سے الگ سمجھتے ہیں؟

جب سے حضرت اقدسؑ نے بعثت کا اعلان کیا اور لوگوں کو یہ بھی علم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کو بشارت دی ہے کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' لوگ علی العموم آپؑ سے کپڑوں کا سوال کرتے تھے اور آپؑ کبھی کسی کو جواب نہیں دیتے تھے اور بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی تھی کہ آپؑ کے بدن پر ہی کپڑے رہ جاتے تھے اور سب دے دیے جاتے

حضرت صاحبؑ کی سخاوت کا کیا کہنا۔ مجھے کبھی آپؑ کے زمانہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

جو ضرورت ہوتی بلا تکلّف مانگ لیتا اور حضورؑ میری ضرورت سے زیادہ دے دیتے اور خود بخود بھی دیتے رہتے (ایک روایت)

یہ ہیں اپنے آقاؐ کی کامل اتباع کے نمونے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی شفقتوں، عنایتوں اور جُود و سخا کے ایمان افروز واقعات

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 03؍جولائی 2026ء بمطابق 03؍وفا 1405 ہجری شمسی بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۞ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۞

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۞

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقتوں اور جُود و سخا کے کچھ واقعات پیش کروں گا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ لکھتے ہیں کہ

آپؑ کی عطا ایک دریائے بیکراں تھی اور آپؑ کا ہاتھ ابرِ گوہر بار تھا۔ یعنی موتی برسانے والے بادل تھے۔ برستا تھا اور سیراب کر جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ رمضان کے مہینے میں بہت بڑھ جاتا تھا۔ اور مخفی در مخفی طریقوں سے حضورؑ حاجت مندوں کو دیتے رہتے تھے۔ اور قیمتی سے قیمتی چیز دوسرے کو دے دینے میں آپؑ کو کبھی تامّل نہ ہوتا تھا۔

یہ حالت آپؑ کی زندگی کے تمام حصوں میں پائی جاتی ہے۔ بعثت اور ماموریت سے پہلے بھی یہ اپنی شان میں جلوہ گر ہے۔ چنانچہ میاں غفَارَا صاحب (عبد الغفار) کشمیری... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احسان اور مروّت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنا بیان دیتے ہیں کہ جب ان کی شادی ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں دو قیمتی زیور ان کی مدد کے لیے دے دیے۔ یہ آپؑ کی بعثت کے زمانے سے پہلے کی بات ہے جبکہ آپؑ ایک گوشہ نشین کی صورت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت شیخ صاحبؓ لکھتے ہیں کہ یہ ایک اکیلی مثال نہیں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

کوئی موقع ایسا آپؑ کو پیش نہیں آیا کہ آپؑ سے کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپؑ نے نہ دیا ہو۔ یا آپؑ نے کسی کی حاجت کو محسوس کر کے بغیر اس کے سوال یا درخواست کے اس کی مدد نہ کی ہو۔ آپؑ کریم ابنِ کریم تھے۔

(ماخوذ از سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ سوم صفحہ 312) (ماخوذ از سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ دوم صفحہ 290) (فیروز اللغات صفحہ 52)

حضرت والدہ بشیر احمد صاحب بھٹی بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا محمود احمدؓ کی شادی کے موقع پر ایک میراثی عورت ڈھول لے کر حضورؑ کے گھر آ گئی اور بجانا شروع کر دیا جس سے اس کی غرض کچھ لینے کی تھی کیونکہ شادی کا موقع تھا۔ یہ وہاں رواج ہے عام طور پر۔ جب حضورؑ نے ڈھول کی آواز سنی تو فوراً اس طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ یہ نہ بجائے اور بند کراؤ اور جو کچھ یہ مانگتی ہے اس کو دے دو۔ چنانچہ اس کو چار پانچ روپے دے دیے گئے۔ پھر وہ کہنے لگی کہ سردی کا مہینہ آ گیا ہے اور مجھے سردی لگتی ہے۔ تب اسے ایک رضائی بھی آپؑ نے دلوا دی لیکن ڈھول بند کروا دیا۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 441)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ''سب سے اوّل یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ آپؑ کو کسی قسم کے خاص لباس کا شوق نہ تھا۔ آخری ایام کے کچھ سالوں میں آپؑ کے پاس کپڑے سادے اور سِلے سلائے بطور تحفہ کے بہت آتے تھے۔ خاص کر کوٹ، صدری اور پائجامہ قمیض وغیرہ جو اکثر شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری ہر عید بقرعید کے موقعہ پر اپنے ہمراہ نذر لاتے تھے وہی آپؑ استعمال فرمایا کرتے تھے مگر علاوہ ان کے کبھی کبھی آپؑ خود بھی بنوا لیا کرتے تھے۔ عمامہ تو اکثر خود ہی خرید کر باندھتے تھے۔ جس طرح کپڑے بنتے تھے

اور استعمال ہوتے تھے اُسی طرح ساتھ ساتھ خرچ بھی ہوتے جاتے تھے یعنی ہر وقت تبرک مانگنے والے طلب کرتے رہتے تھے۔بعض دفعہ تو یہ نوبت پہنچ جاتی کہ آپؑ ایک کپڑا بطور تبرک کے عطا فرماتے تو دوسرا بنوا کر اس وقت پہننا پڑتا اور بعض سمجھدار اس طرح بھی کرتے کہ مثلاً ایک کپڑا اپنا بھیج دیا اور ساتھ عرض کر دیا کہ حضور اپنا اترا ہوا تبرک مرحمت فرما دیں۔‘‘

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ 2 صفحہ 416 روایت 447)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ ’’میرے پاس ایک چھوٹی سی حمائل ہوا کرتی تھی‘‘ چھوٹا قرآن شریف تھا ’’جس کا خط بھی بہت واضح تھا اور وہ مجھے بہت پسند تھی مگر ایک شخص نے سوال کیا تو مَیں نے اسے دے دیا تا کہ سوال ردّ نہ ہو۔‘‘

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 138)

حضرت قریشی شیخ محمد صاحبؓ جو چٹھی رساں تھے پوسٹ آفس میں، قادیان کے رہنے والے تھے کہتے ہیں کہ ’’ایک دفعہ مَیں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بہت سے منی آرڈر برائے تقسیم لے کر گیا اور ان کی رقومات حضورؑ کو تقسیم کرنے کے بعد شہر میں ڈیلوری کا کام کرتا رہا۔ جب چار بجے کے قریب ڈاکخانہ واپس پہنچا اور پوسٹ ماسٹر کو تقسیم شدہ منی آرڈروں کی واپسی دینے لگا تو حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ مَیں نے غلطی سے چھ روپے کسی جگہ زائد تقسیم کر دیے ہیں۔ بڑی تشویش ہوئی کیونکہ حضورؑ کو جو رقم تقسیم کی گئی تھی وہ ہی ایک کثیر رقم تھی اس لیے پوسٹ ماسٹر نے جس کا نام اللہ دِتّا تھا اور جو ایک متعصب غیر احمدی تھا اُس نے کہا کہ بہتر ہے کہ تم جا کر مرزا صاحب سے دریافت کرو۔ میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ حضورؑ کو پھر سے جا کر تکلیف دوں مگر اس کے بار بار کے اصرار پر مَیں حضورؑ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ حضور! آج مَیں نے غلطی سے کسی جگہ چھ روپے زائد تقسیم کر دیے ہیں۔حضورؑ نے فرمایا کہ میاں! مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ رقم کس قدر وصول کی گئی تھی اور مَیں تو اب اس میں سے کچھ خرچ بھی کر چکا ہوں‘‘ یعنی کہ دے دیے لوگوں کو ’’مگر خیر تم غریب آدمی ہو مَیں یہ رقم تمہیں دے دیتا ہوں مگر آئندہ احتیاط سے کام کیا کرو کیونکہ تم غریب ہو۔ اس واقعہ سے حضورؑ کے اخلاق حسنہ، سخاوت اور غربا پروری کا پتہ چلتا ہے۔‘‘

(روایات اصحاب احمد جلد 5 صفحہ 337-338)

حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب نے مجھ سے ’چشمہ مسیحی‘ کا ایک نسخہ طلب کیا۔ مَیں نے کہا حضرت صاحبؑ نے فرمایا ہے کہ اتنے نسخے دفتر میں موجود ہونے چاہئیں کیونکہ بعض اوقات گورنمنٹ طلب کرتی ہے۔ نسخے منگوا لیتی ہے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس لیے اب کوئی نسخہ زائد نہیں ہے جو آپ کو دیا جائے۔ آپ حضرت صاحبؑ سے اجازت لے کر لے سکتے ہیں تو مولوی صاحب نے حضورؑ کی خدمت میں لکھا کہ خط کا خلاصہ یہ تھا کہ دفتر میں نسخہ چشمہ مسیحی کے صرف بیس نسخے باقی ہیں اور مجھے ایک نسخے کی ضرورت ہے۔ اگر حرج نہ ہو تو ایک نسخہ مجھے دے دیا جائے۔حضور علیہ السلام نے کہا کہ آپ ایک نسخہ لے لیں تو اسی پہ تحریر لکھ دی، دستخط کر دیے۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 479)

یہاں جہاں صحابہؓ کی صاف گوئی کا بھی پتہ لگتا ہے کہ کس طرح انہوں نے بتا دیا کہ اتنے نسخے ہیں اور مجھے چاہیے اور دفتر تو یہ کہتا ہے لیکن اگر نوازش ہو تو مل جائے۔ یہ ان کی صاف گوئی تھی۔ اور آپؑ کی عنایت کا بھی یہاں پتہ چلتا ہے کہ گو کہ ریزرو کے طور پر رکھے ہوئے تھے کہ کسی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی لیکن آپؑ نے سوالی کا سوال ردّ نہیں کیا۔

حضرت اقدسؑ کے پاس کبھی کبھی پنڈت موہن لال جو اس وقت ایک زیرک نوجوان تھا لیکھرام صاحب کا کوئی رقعہ وغیرہ لے کر چلا جاتا۔ چونکہ حضرت اقدسؑ کے خاندان کے ساتھ موہن لال کے قدیم تعلقات چلے آتے تھے۔حضرت اقدسؑ پنڈت موہن لال صاحب کو بھی جب وہ جاتے خالی ہاتھ نہ آنے دیتے تھے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور دے دیتے تھے پھل وغیرہ یا شکر جو نہایت عمدہ آتی تھی۔ اس زمانے میں ایک خاص تحفہ ہوتا تھا۔ پنڈت موہن لال نے جن کے خاندان کے ساتھ یہ شیخ یعقوب علی صاحبؓ کہتے ہیں میرے بھی دوستانہ مراسم تھے اور ان کے باپ کے وقت سے چلے آتے تھے مجھ سے ان ایام کے واقعات کو دوہراتے ہوئے ہمیشہ کہا کہ

حضرت صاحبؑ بڑی مہربانی فرماتے

اور ہمیشہ ہنستے ہوئے ملتے اور کبھی خالی ہاتھ آنے نہ دیتے۔

ایک دفعہ حضرت صاحبؑ نے مجھے نہایت عمدہ سیب دیے۔ مَیں لے کر گیا۔ پنڈت لیکھرام کا بھی معمول ہو گیا تھا کہ جب میں واپس جاتا تو ضرور پوچھتا کیا لائے ہو؟ مَیں نے جب کہا کہ سیب لایا ہوں تو اس نے گویا للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا کہ لاؤ لاؤ مَیں بھی کھاؤں۔ پنڈت موہن لال کہتے ہیں کہ مَیں نے ان کو ہنسی سے کہا کہ دشمن کے گھر کی چیز تم کو نہیں کھانی چاہیے۔تم تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے دشمن ہو، باتیں کرتے ہو، تم کیوں مانگ رہے ہو ان کے گھر کی چیز؟ تو اس نے جھٹ میرے ہاتھ سے سیب لے لیا اور کھانا شروع کر دیا۔ چھین لیا اور کھانا شروع کر دیا۔غرض یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے

ہمیشہ حضرت صاحبؑ سے محبت اور مروّت ہی دیکھی ہے۔

(ماخوذ از حیات احمدؑ از یعقوب علی عرفانی صاحبؓ جلد 2 حصہ دوم صفحہ 186، 187)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں: ’’حضور کے پاس مُشک ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ذکر کیا کہ حضور! مجھے مُشک چاہیے۔حضورؑ نے ڈبیہ میرے سامنے کر دی کہ اس میں سے جتنا چاہیں لے لیں۔ مَیں نے اس میں سے تھوڑا سا اٹھایا۔ مسکرا کر فرمایا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے اور پھر تولہ ڈیڑھ تولہ کے قریب مُشک خود حضورؑ نے مجھے دے دی۔‘‘

(اصحابِ احمد جلد 4 صفحہ 213)

یہ بہت قیمتی چیز ہے۔ مُشک آج بھی قیمتی ہے اور دوائیوں وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے لیکن

آپؑ کو کسی چیز کے قیمتی ہونے سے غرض نہیں تھی۔

آپؑ نے تو اپنے اخلاق کے اعلیٰ ظرف دکھانے تھے۔

آپؑ کا

دوستوں کے لیے درد اور عطا کا ایک واقعہ

حکیم مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میری بیوی کو بچہ تولد ہوا اور اس کے ساتویں دن مغرب کے قریب بیوی کو تشنج کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ کیونکہ ان دنوں میں یہ وبا پھیلی ہوئی تھی اس لیے اس کی طرف بہت توجہ ہو گئی۔ کہتے ہیں مَیں مغرب کے بعد حضرت صاحبؑ کی خدمت میں دوڑا گیا اور ان سے عرض کی کہ یہ حالت ہے میری بیوی کی۔ آپؑ نے فرمایا: یہ تو بڑی خطرناک مرض کا پیش خیمہ ہے۔تم فوراً اس کو دس رتّی ہینگ دے دو۔ دوائی بتائی ہینگ کی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے اطلاع دو۔ مَیں عشاء کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مرض میں ترقی ہو گئی ہے۔ مرض بجائے کم ہونے کے بڑھ گیا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ دس رتّی کونین دے دو۔ ایک گھنٹہ کے بعد پھر مجھے اطلاع دو۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ میں سو گیا ہوں۔ بے تکلّف مردانہ سیڑھیوں سے آواز دو۔ ایک گھنٹے کے بعد مَیں پھر گیا اور عرض کیا کہ کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ دس رتّی مُشک دے دو۔ مَیں نے عرض کیا کہ اس وقت مُشک کہاں سے لاؤں؟ حضورؑ ایک مٹھی بھر کر مُشک کی لے آئے اور فرمایا کہ دس رتّی ہو گی۔ مَیں نے عرض کیا: حضور! یہ زیادہ ہے۔ فرمایا: لے جاؤ۔ پھر کام آئے گی۔ مَیں نے وہ لے لی اور دس رتّی مریضہ کو دے دی۔ ایک گھنٹے بعد پھر گیا اور عرض کیا کہ مرض میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ دس تولہ اب کسٹرائیل دے دو۔ مختلف دوائیاں بدلتے رہے۔ مَیں نے آ کر دس تولہ کسٹرائیل دے دیا۔ اس کے بعد اس کو بہت سخت قے ہوئی اور قے اس مرض میں آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ قے کے بعد اس کا سانس اکھڑ گیا۔ گردن پیچھے کو کھنچ گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا آ گیا اور زبان بند ہو گئی۔ مَیں پھر بھاگ کر سیڑھیوں پر چڑھا۔ حضورؑ نے میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا اور فرمایا کیوں خیر ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ اب تو حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ سانس اکھڑ گیا ہے۔ گردن کھنچ گئی ہے۔ یہ تشنج کی کیفیت ہے (meningitis) جسے کہتے ہیں۔ آنکھوں میں روشنی نہیں۔ زبان بند ہو گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

دنیا کے جتنے ہتھیار تھے وہ تو ہم نے چلا لیے۔ اب ایک ہتھیار باقی ہے اور وہ دعا ہے۔تم جاؤ مَیں دعا سے اس وقت سر اٹھاؤں گا، کیا شفقت ہے آپؑ کی، کہ جب اسے صحت ہو گی۔

تو کہتے ہیں کہ مَیں یہ سن کر واپس لوٹ آیا اور بیوی سے کہا کہ

اب تجھے کیا فکر ہے؟ اب تو ٹھیکیدار نے خود ٹھیکہ لے لیا ہے۔

کہتے ہیں اس وقت رات کے دو بج چکے تھے۔ مَیں گھر آیا اور مریضہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چارپائی پر جاکر سو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہا ہے کہ مَیں اب دعا کروں گا تو چلو میرا تو اب کوئی کام نہیں۔ کہتے ہیں صبح کو کسی برتن کی آہٹ سے میری آنکھ کھلی۔ جب مَیں نے دیکھا تو میری پائنتی کی طرف میری بیوی کچھ برتن درست کر رہی تھی۔ مَیں نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگی:

آپ تو سو رہے تھے اور مجھے دو گھنٹے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فضل کر دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

(ماخوذ از سیرت احمدؑ از قدرت اللہ سنوری صاحب صفحہ 170-172)

اس واقعہ میں دوستوں کے لیے درد اور عطا دونوں کے اعلیٰ ترین معیار کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ''قادیان میں نِہال سنگھ نامی ایک بانگرو''، بیوقوف ''جٹ تھا۔ اپنے ایام جوانی میں وہ کسی فوج میں ملازم بھی تھا اور پنشن پاتا تھا۔ اس کا گھر جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے دیوان خانہ سے دیوار بدیوار ہے'' ساتھ جڑا ہوا تھا۔ ''یہ سلسلہ کا بہت بڑا دشمن تھا اور اس کی تحریک سے حضرت حکیم الامت'' حضرت خلیفہ نور الدین حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ ''اور بعض دوسرے احمدیوں پر ایک خطرناک فوجداری جھوٹا مقدمہ دائر ہوا تھا اور ہمیشہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر احمدیوں کو تنگ کیا کرتا تھا اور گالیاں دیتے رہنا تو ایک معمول تھا۔ عین ان ایام میں جبکہ مقدمات دائر تھے اس کے بھتیجے سنتا سنگھ کی بیوی کے لیے مُشک کی ضرورت پڑی اور کسی دوسری جگہ سے یہی نہیں کہ مُشک ملتا نہ تھا بلکہ یہ بہت قیمتی چیز تھی وہ اس حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر گیا اور مُشک کا سوال کیا'' اسی شخص نے جو مخالف تھا۔ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے پکارنے پر فوراً ہی تشریف لے آئے اور اسے ذرا بھی انتظار میں نہ رکھا۔ اس کا سوال سنتے ہی فوراً اندر تشریف لے گئے اور کہہ گئے کہ ٹھہرو مَیں ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے کوئی نصف تولہ کے قریب مُشک لاکر اس کے حوالہ کر دی۔''

(سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ دوم صفحہ 295، 296) (فیروز اللغات صفحہ ۱۷۵)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ یہ لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب طاعون اس ملک میں پھیلی تو اللہ تعالیٰ کی وحی اور علم کے ماتحت ایک دوائی تیار کرنی شروع کی جس کا نام حضورؑ نے ''تریاق الٰہی'' رکھا اور اس دوائی کا کوئی مقرر نسخہ نہ تھا بلکہ جس جس طرح پر اللہ تعالیٰ کی وحی خفی نے ہدایت کی آپؑ اس کے اجزاء مہیا کرتے تھے اور عُرفی اصول کے مطابق یعنی طب کا جو عام رائج اصول ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اجزاء کے وزن اور پیمانے کو اسی اصل علم الٰہی کے ماتحت کر دیا تھا۔ جس جس طرح ہوتا تھا اتنا آپ ڈالتے جاتے تھے۔ اس دوائی میں کئی ہزار کے تو جواہرات ڈالے گئے اور بہت سی قیمتی ادویات ڈالی گئیں۔

جب یہ دوائی تیار ہوئی تو حضورؑ نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اسے تقسیم کیا اور ایک حَبَّہ یعنی ایک دانہ بھی کسی سے نہیں لیا۔ کچھ نہیں لیا بلکہ باہر سے طلب کرنے والوں کو رجسٹرڈ پارسل بھی اپنے خرچ سے بھجواتے تھے۔

ڈاکٹر صادق صاحب نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ کسی شخص نے دو تین ماشہ تریاق طلب کیا تو آپؑ نے اسے بہت سی مقدار ڈبیہ میں بند کر کے رجسٹری کروا کے روانہ کر دی۔ عرفانی صاحبؓ لکھتے ہیں کہ خود خاکسار نے بھی عرض کیا تو بہت بڑی مقدار مجھے عطا فرمائی۔ تریاق ہی کے متعلق حضورؑ کا یہ طرز عمل نہ تھا بلکہ ادویات کے متعلق تو حضورؑ کا اسوہ یہ تھا کہ بعض اوقات تمام بوتل ہی حوالہ کر دیتے تھے اور بعض اوقات آپؑ نے نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجے کا مُشک اپنے تلخ دشمنوں کو دے دیا۔ جس کا ایک واقعہ کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

(ماخوذ از سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ دوم صفحہ 309، 310)

حضرت شیخ محمد نصیب صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک دفعہ ہمیں کستوری کی ضرورت پڑی۔ قادیان میں ان دنوں ملنی محال تھی۔ حضرت صاحبؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

آپؑ نے ضرورت سے بہت زیادہ عطا فرمائی۔''

(روایات اصحاب احمد جلد 5 صفحہ 446)

منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ بیان کرتے ہیں: ''ایک دوست نے بہت محنت، کوشش اور صرفِ کثیر کر کے کسی شخص سے ایک کُشتہ کا نسخہ حاصل کیا اور کشتہ بنا کر حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا اور نسخہ بھی دے دیا۔ ایک اَور دوست نے مجھے کہا کہ وہ نسخہ حاصل کیا جائے مگر وہ دوست کسی کو بتاتے نہیں تھے۔ مَیں حضرت صاحبؑ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ فلاں دوست نے کوئی کشتہ حضورؑ کو دیا ہے فرمانے لگے... وہ شیشی پڑی ہوئی ہے وہ لے لو۔ مَیں نے عرض کیا اس کا نسخہ؟ حضورؑ نے فرمایا: وہ بھی'' وہاں ہی ساتھ ہی'' پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ کشتہ معہ نسخہ کے مَیں لے آیا اور اس دوست کو دکھایا کہ دیکھو تم نہیں بتاتے تھے مَیں لے آیا ہوں، یہ ہے۔ وہ حضورؑ کی خدمت میں جاکر عرض کرنے لگا کہ حضورؑ نے وہ دے دیا ہے۔ فرمانے لگے: وہ ہم سے لے گیا۔'' آیا تھا مانگنے ہم نے دے دیا۔ پھر ''حضورؑ نے مجھے یہ بھی فرمایا کہ مرزا صاحب (یعنی حضورؑ کے والد صاحب مرحوم) کی بیاض ہمارے پاس ہے'' تمہیں نسخے چاہئیں ناں تو اپنے والد کی بیاض مَیں تمہیں دیتا ہوں ''اس میں بہت عمدہ نسخے ہیں وہ بھی آپ لے لیں۔ پھر مجھے اس بیاض کے لینے کا خیال نہ رہا گو حضورؑ نے عنایت فرمانا چاہی تھی۔''

(اصحابِ احمد جلد 4 صفحہ 214-215)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اپنے ایک خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں: بباعث حمل کچھ عرصہ سے میرے گھر میں ایسی تکلیف ہے کہ گھر میں کھانا تیار ہو نہیں سکتا۔ روٹی تندور پر پکوا لی جاتی ہے مگر ہانڈی کے واسطے دقّت ہے۔ اس واسطے عرض پرداز ہوں کہ کچھ عرصہ لنگر سے سالن کھانا لگوا دیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے جو لنگر کے انچارج تھے میاں نجم الدین صاحبؓ انہیں لکھ کر ہدایت یہ فرمائی کہ مفتی صاحب کو دو وقت لنگر سے عمدہ سالن دے دیا کریں اور یہ تاکید ہے۔

(ماخوذ از ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 281)

حضرت محمد اسماعیل صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک وفد نصیبین بھیجنے کا قصد کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات دریافت کرنے کے متعلق۔ اس میں مرزا خدا بخش صاحب اور مولوی قطب الدین صاحب تھے اور تیسرے ممبر یہ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب میاں جمال الدین صاحب تھے۔ قرعہ اندازی سے یہ سب مقرر ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے کپڑوں وغیرہ کی تیاری کے لیے تینوں صاحبوں کو پچاس پچاس روپے دیے۔ اور پھر حضورؓ نے ایک جلسہ الوداع کیا۔ بعض وجوہات کی وجہ سے بہرحال بعد میں یہ وفد روک دیا گیا۔ جب وفد کا جانا رک گیا تو کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے پچاس روپے حضورؑ کی خدمت میں واپس پیش کیے۔ حضور نے فرمایا:

جو ہم کسی کو دے دیا کرتے ہیں واپس نہیں لیتے۔

جب والد صاحب واپس گھر آئے تو کہتے ہیں یہ واقعہ انہوں نے مجھے سنایا۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 2 صفحہ 140)

حضرت ملک غلام حسین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ 1894ء یا 1895ء کے جلسہ سالانہ کی بات ہے اور حسام الدین صاحب سیالکوٹی کھانا پکانے اور کھانے کے بڑا شوقین تھے، اس وقت جلسے پہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت صاحبؑ کی خدمت میں شب دیگ کی بڑی تعریف کی۔ عرض کی کہ حضور شب دیگ نہایت لذیذ پکتی ہے۔ شب دیگ میں مختلف گوشت بھی ہوتے ہیں اور اس میں مختلف پھل اور سبزیاں وغیرہ بھی ڈالی جاتی ہیں اور ساری رات پکائی جاتی ہے۔ حضرت صاحبؑ نے مجھے بلایا اور فرمایا شاہ صاحب جو کچھ پسند کریں جس قدر اشیاء چاہیں ان کے لیے مہیا کر دو۔ چنانچہ گوشت یہاں مل جاتا تھا یہاں سے لیا گیا اور شلجم بٹالہ سے منگوائے گئے۔ شام کے قریب قریباً چار دیگیں رکھ دی گئیں اور چاول بھی وہاں دکان سے جو مشہور دکان تھی وہاں سے دو اڑھائی من اچھے چاول لیے اور صبح مہمانوں کو سید حسام الدین صاحب کی منشاء کے مطابق کھانا کھلایا گیا۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 30)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحبؓ نے مجھے تحریر لکھ کے دی ہے کہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ کے لیے چندہ ہو کر نہیں جاتا تھا۔ یعنی باقاعدہ چندے کا انتظام نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے پاس سے ہی خرچ صَرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب

صاحب مرحومؓ نے، وہ انچارج تھے لنگر کے انہوں نے آ کر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لیے کوئی سامان نہیں ہے۔ یعنی خرچ ختم ہوگیا ہے، پیسے ختم ہو گئے ہیں۔ جنس ختم ہوگئی ہے۔ اب مہمانوں کے لیے کوئی کھانے کا سامان نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ بیوی صاحبہ سے کوئی زیور لے کر جو کفایت کر سکے یعنی حضرت اماں جانؓ سے زیور لو جو کفایت کر سکے، کافی ہو فروخت کر کے سامان کر لو۔ چنانچہ زیور فروخت کیا گیا یا رہن رکھ کر میر صاحبؓ روپیہ لے آئے اور مہمانوں کے لیے سامان بہم پہنچا دیا۔ دو دن کے بعد پھر کہتے ہیں کہ میر صاحبؓ نے رات کے وقت میری موجودگی میں کہا کہ کل کے لیے پھر کچھ نہیں ہے۔ دو دن تو گزر گئے اس زیور کے بیچنے سے اب باقی کیا کریں؟ فرمایا کہ ہم نے برعایت ظاہری اسباب کے انتظام کر دیا تھا۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا ہم نے دے دیا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں ہے جس کے مہمان ہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر آنے والے لوگ ہیں یہ اللہ کے مہمان ہیں وہ خود اب انتظام کر دے گا۔ کہتے ہیں اگلے دن آٹھ یا نو بجے صبح جب چٹھی رسان آیا تو حضورؑ نے میر صاحبؓ کو اور مجھے بلایا اور چٹھی رساں کے ہاتھ میں دس پندرہ کے قریب منی آرڈر ہوں گے جو مختلف جگہوں سے آئے ہوئے تھے۔ سو سو پچاس پچاس روپیہ کے اور اس پر لکھا تھا کہ ہم حاضری سے معذور ہیں مہمانوں کے صَرف کے لیے روپے بھیجے جاتے ہیں۔ وہ آپؑ نے وصول فرما کر توکّل پر تقریر فرمائی۔ کہتے ہیں اس وقت اَور بھی چند آدمی وہاں تھے۔ وہاں فرمایا کہ جیسا کہ ایک دنیا دار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جب چاہوں گا نکال لوں گا اس سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے فوراً خدا تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔

(ماخوذ از سیرت المہدی جلد 2 حصہ 4 صفحہ 97-98 روایت 1124)

تو آپؑ نے بھی جب یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اس کی خاطر آئے ہیں۔ پھر دعا بھی یقیناً آپؑ نے کی ہوگی اور توکّل بھی کامل تھا اور اللہ تعالیٰ نے پھر انتظام فرما دیا۔

حضرت میاں رحمت اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ”حضورؑ فرمایا کرتے تھے کہ قحط اور وباء اکٹھے ہو رہے ہیں پھر بھی لوگ توبہ نہیں کرتے۔ بھوک سے مر جاتے ہیں۔ اس کے تین سال بعد سخت طاعون ملک میں پھیل گئی۔ قحط کے دنوں میں حضورؑ فرمایا کرتے تھے کہ حدیثوں میں اِس کا ذکر آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں قحط پڑے گا۔ نبی کریمؐ کا فرمودہ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور دوسری طرف مولوی صاحب خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ غلہ جس قدر ہو سکے مہیا کیا جاوے اور لنگر کا انتظام اس وقت حضورؑ کے ہاتھ میں تھا۔“ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انتظام ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ قحط کا خطرہ تھا، خوف تھا۔ اس لیے آپؑ نے کہا جنس وغیرہ کا انتظام پہلے کر و اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کے سپرد یہ کام کیا کہ فوراً خرید لیں۔ حضورؑ نے مولوی صاحب کو فرما دیا اور حضورؑ کے حکم سے مولوی صاحبؓ نے تیس بوری لنگر خانہ کی مجھ سے خرید کی۔ چندہ کی قلّت تھی اور جس قدر زیور گھر میں موجود تھا سب فروخت کر دیا“ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے۔ ”سات سو روپیہ گندم خریدنے کے لیے مولوی صاحب کو دیا“ سات سو روپے اس زمانے میں بڑی رقم تھی۔ ”حضرت مولوی صاحب نے میاں نجم الدین صاحب مرحوم کو گندم خریدنے کے لیے گاؤں میں روانہ کر دیا۔“ کہتے ہیں کہ اس کے ”ہمراہ مرزا اسماعیل صاحب بھی گئے۔ غلہ لیا گیا اور بیکانیر“ بھارت کی ریاست راجھستان کا ایک علاقہ ہے سے ”اجڑ کر ہمارے ملک میں آ گئے۔“ وہاں قحط بہت پڑ گیا تھا وہاں سے لوگ آ گئے ”اور روٹی روٹی کی آواز ہر طرف سے آیا کرتی تھی۔ حضورؑ نے حکم دیا کہ لنگر میں ہر وقت آٹا پکتا رہے اور روٹی تیار رہے۔ میاں نجم الدین صاحب کو فرمایا کہ روٹی مانگنے والے کو روٹی دی جاوے اور کوئی بھی خالی ہاتھ نہ جائے۔ چند روز میں غلہ ختم ہو گیا“ جو خریدا تھا۔ ”پھر حضورؑ نے تقریر فرمائی جس کے الفاظ یہ تھے کہ یہ وقتی بات ہے ہمیشہ نہ ایسی قربانی کرنی پڑتی ہے نہ ایسا اجر ملا کرتا ہے۔ یہ مومنوں کے لیے خاص دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اللہ تعالیٰ دوستوں کو توفیق دے۔ اس تقریر پر کچھ روپیہ اکٹھا ہو گیا اور کچھ باہر سے آیا اور غلہ خرید کیا گیا۔ غرض اسی طرح یہ سلسلہ قحط کے دنوں میں جاری رہا۔“ جو لوگ آتے تھے قحط زدہ ان کو فوراً کھانا مہیا کیا جاتا تھا ”اور حضورؑ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے فلاں اخبار میں دیکھا کہ کسی ملک میں اتنے بچے بھوک سے مر گئے اور اتنے آدمی مر گئے۔ غلہ ملتا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے کہ غلہ نہیں ملتا اور بارہا ذکر کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرما دے اور سخت گھبراہٹ سے میاں نجم الدین سے پوچھتے اور مولوی صاحبؓ سے غلہ کے بارہ میں ذکر کرتے تھے۔“

(روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 72-73) (بیکانیر: ویکیپیڈیا)

آج کل بھی دنیا کے بعض ملکوں میں یہ حالات ہیں۔ بڑی مشکل ہے۔ قحط سالی ہے۔ غلہ نہیں ملتا یا مہنگائی ہے خرید نہیں سکتے۔ غربت سے، بھوک سے لوگ مر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جہاں جہاں پتہ لگتا ہے جماعت ان کی مدد کے لیے رقمیں بھی بھیج دیتی ہے اور ضروریات بھی پورا کرتی ہے اور اس میں لوگ بھی اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی مزید توفیق دے کہ ان غریبوں کی مدد کے لیے، قحط زدہ لوگوں کی مدد کے لیے مزید کوشش کرتے رہیں۔

حضرت قاضی نور محمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے زمانے کی بات ہے۔ کہتے ہیں میرے ہم جماعت تھے، خاکسار کو ان کے ساتھ دار المسیح میں رات کو پڑھنے کا موقع ملتا رہا۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت تو وعظ کی آواز ہمارے کانوں تک بخوبی پہنچتی تھی مگر افسوس اس میں سے کوئی یاد نہیں۔ لنگر کے آٹے کے واسطے عموماً مُلّا احمد نور جایا کرتے تھے اور گدھے پر جب آٹا آتا تو خاکسار کو آٹے کی بوری اٹھا کر دار المسیح میں پہنچانے کا موقع بھی اللہ تعالیٰ بخشتا۔ اور

حضور علیہ السلام کو ایک دفعہ مَیں نے دیکھا کہ کُرتے کی جھولی میں بہت سے روپے لائے اور بغیر شمار مُلّا احمد نور کی جھولی میں ڈال دیے۔

بغیر گنے پیسے دے دیے کہ لنگر خانہ کا کیونکہ انتظام ہے، جاؤ اور خرید کے لاؤ چیزیں تا کہ لنگر کا انتظام چلتا رہے۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 75)

حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میرا گلا ایسا بند ہوا کہ آواز نکلنی بند ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ... کو فرمایا چراغ کے گلے کا علاج کریں۔ کیا سبب ہے کہ اس کی آواز نہیں نکلتی۔ حضرت مولوی صاحبؓ علاج فرماتے رہے لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر ایک موقع پر ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر بُوڑے خان صاحب لاہور اکٹھے ہوئے تو ان کے سامنے بھی حضورؑ نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ لڑکے کی آواز بند ہے؟ اس پر ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے میرا گلا دیکھ کر کہا کہ حضور حکم دیں تو اس کے گلے اندر سے کاٹ لیے جاویں“ یعنی لگتا ہے ٹانسلز کی وجہ سے ہوگی ”اور اس طرح کرنے سے آواز کھل جائے گی۔ حضورؑ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا“ اور خاموش ہو گئے۔ کہتے ہیں: ”پھر چند دنوں کے بعد حضورؑ نے فرمایا کہ چراغ! اب ہم تیرا علاج کریں گے اور اسی وقت دیکھ کر فرمایا کہ ہم تیرے لیے نسخہ تیار کریں گے۔ خدا کی حکمت ہے کہ اسی دن امرتسر کا ایک عطار آک کے پتوں کا اچار والا مرتبان لایا۔ حضورؑ نے کھول کر دیکھا اور فرمایا: یہ تیرا علاج ہے۔“ آپؑ نے پہلے فرمایا کہ نسخہ تیار کروں گا پھر اسی طرح ایک نسخے بنانے والے نے یا اچار بنانے والے نے جو حکمت کا کام بھی کرتا تھا وہ آک کے پتوں کا اچار لے کر آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ تمہارا علاج ہے۔ ”کھانے کے وقت پھلکے پر دو تین پتے رکھ کر مجھے دے دیتے تھے۔ وہ بہت مزیدار تھا اور حضورؑ نے بھی اس میں تناول فرمایا۔“ کہتے ہیں: ”مجھے اس سے آرام آ گیا اس پر حضورؑ نے وہ سارا مرتبان مجھے دے دیا کہ تم کھا لو۔ چنانچہ مَیں نے وہ کھایا اور مجھے بالکل صحت ہو گئی۔“

(روایات اصحاب احمد جلد 2 صفحہ 72)

حضرت مرزا افضل بیگ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں قادیان پہلی دفعہ 1898ء میں آیا۔ میرے والد مرزا فضل بیگ صاحب مختار عدالت نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل کر دیا اور بورڈنگ میں چند طالب علم تھے۔ اس وقت بورڈنگ کے لڑکوں کے کھانے پینے کا انتظام لنگر خانہ کے ساتھ تھا۔ کھانے کے متعلق کچھ شکایت پیش آئی تو

میرے والد صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کہ بچوں کو کھانے کی تکلیف ہے۔ اس پر حضورؑ نے از راہ شفقت فرمایا کہ کھانا بچوں کو گھر سے ملا کرے گا۔ چنانچہ کئی ماہ تک کھانا حضورؑ کے اپنے گھر سے ہمیں آتا رہا اور کبھی کبھی حضورؑ گھر سے آم اور مٹھائی وغیرہ بھی کھانے کے لیے بھیجتے رہے۔“

(روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 167)

خواجہ عبدالرحمان صاحب کشمیری نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بتایا کہ ''حافظ حامد علی صاحب مرحوم ان سے بیان کرتے تھے کہ

جب حضورؑ کے پاس کہیں سے روپیہ آتا تھا تو حضورؑ مجھے بلا لیتے اور بلا گنتی روپیہ دے دیتے۔ اور فرماتے تھے کہ اس وقت روپیہ لے لو، نہ معلوم پھر کب ہاتھ میں آئے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے ''خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ حامد علی صاحب مرحوم حضرت صاحبؑ کے خاص خادم تھے جنہیں حضرت صاحبؑ گھر کی ضروریات اور مہمانوں وغیرہ کی مہمانی کے لیے روپیہ دیا کرتے تھے۔''

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ 3 صفحہ 529، 530 روایت 530)

حضرت خان صاحب سید غلام حسین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک بار حضورؑ نے مجھے قادیان سے بھیجا کہ بٹالہ سے ایک پارسل ریل کا لے کر آؤ۔ بلٹی آئی ہے اور پانچ روپیہ بھی مجھے دیے۔'' ٹرین کے ذریعے سے بلٹی آئی تھی وہ بٹالے سے لے آؤ۔ ''پارسل انگوروں کی ٹوکری تھی جس پر صرف چار آنہ خرچ لگا۔ جب میں نے وہ ٹوکری لا کر پیش کی تو حضورؑ نے ٹوکری کا ٹاٹ چاک کر کے دونوں ہاتھوں سے انگور نکال کر پہلے مجھے دیے کہ یہ آپ کا حصہ ہے۔

مَیں نے بقایا رقم پونے پانچ روپیہ واپس کرنے چاہے تو حضورؑ یہ فرماتے ہوئے ٹوکری کو اٹھا کر اندر لے گئے کہ ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔

اُس وقت میری عمر کہتے ہیں پندرہ سال تھی۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 5 صفحہ 120)

حضرت منشی قاضی محبوب عالم صاحبؓ کہتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب پشاور میں مل کر وکالت کیا کرتے تھے۔ دونوں شریک تھے یعنی آپس میں ان کا مشترکہ کام تھا۔ مولوی محمد علی صاحب قادیان آگئے اور خواجہ صاحب وہاں ہی رہے۔ اب حضرت صاحب علیہ السلام پر مقدمات جو تھے غالباً کرم الدین کے مقدمات کا ذکر ہے کہ ان کی پیروی کے لیے خواجہ صاحب پشاور سے آئے۔ حضرت اقدس علیہ السلام مبارک مسجد میں تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے نہایت رونی شکل بنا کر عرض کیا کہ حضور! خدا اور رسول ہی جانتا ہے کہ کس طرح یہاں پہنچا ہوں۔ بیوی کا زیور گروی رکھوا کر کرایہ کے لیے رقم حاصل کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ بہت بری مالی حالت ہے۔ حضرت صاحبؑ فرمانے لگے خواجہ صاحب! آپ کو روپے کی ضرورت ہے؟ آئیے! پھر حضرت صاحبؑ اندر گئے اور خواجہ صاحب بھی ہمراہ گئے۔ ایک ٹرنک کھولا اور دو تین بُوک ہاتھ سے بھر کر۔ اس میں Coin ہوں گے خواجہ صاحب کی جھولی میں ڈال دیے اور فرمایا خواجہ صاحب بس کہ اَور چاہئیں؟ خواجہ صاحب نے کہا بس حضور اب تو بہت ہو گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے وہ روپیہ بعد میں مسجد مبارک میں گنا تو قریباً تین سو روپیہ تھا۔ خواجہ صاحب دوسرے دن گورداسپور چلے گئے۔ حضرت صاحبؑ نے وہ روپیہ اَن گنت ہی ان کی جھولی میں ڈالا اور

حضرت صاحبؑ کی یہ عام عادت تھی کہ روپیہ خادموں کو بھی گن کر نہیں دیتے تھے۔ پورا اعتماد اور اعتبار رکھتے تھے۔ جہاں تک مجھے رہنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی کسی خادم سے حضرت صاحبؑ نے حساب نہیں مانگا بلکہ جب کوئی مانگتا حضرت صاحبؑ اسے دے دیتے۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 277)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ خواجہ صاحب پر شفقت کا یہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''خواجہ کمال الدین صاحب جو آج سلسلہ سے منقطع ہو چکے ہیں'' یعنی جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں ''اور محسن باپ کی اولاد سے بیر اور دشمنی رکھتے ہیں'' یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پہ احسان کیے تھے اور ان کی اولاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ان سے اُن کو دشمنی ہے، ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں اور جود وعطاء کے بہت بڑے تجربہ کار ہیں۔'' ان کو تو بہت تجربہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نوازشوں کا۔ ''بیش قرار رقوم انہوں نے لیں اور باوجود لینے کے کبھی اقرار نہیں کیا'' لینے کے بعد بھی کبھی بتایا نہیں اور نہ احسان کا شکریہ ادا کیا ''اور اپنی خدمات کی ڈینگ مارتے رہے۔'' یہی کہتے رہے کہ مَیں سلسلے کی بہت بڑی خدمت کر رہا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ ''مَیں اسے محسن کشی اور احسان فراموشی سمجھتا ہوں۔ جن ایام میں گورداسپور میں مولوی کرم دین کے مقدمات ہو رہے تھے ایک دفعہ دوران مقدمہ میں انہوں نے حضرتؑ کو خط دکھایا جو انہیں اپنے گھر پشاور سے آیا تھا اس میں خرچ کی تنگی کا ذکر تھا۔ حضرتؑ نے فوراً پانچ سو روپیہ نقد ان کو دے دیا اور پھر ماہانہ ایک سو روپیہ ماہوار دیتے رہے۔ خاص طور پر احباب نے حضرتؑ کی تحریک پر بہت بڑی رقم اخراجات مقدمہ کے لیے بھیجی تھی جو خواجہ صاحب کے پاس رہتی تھی۔ حضرت صاحبؑ نے کبھی حساب نہیں مانگا۔ اس قسم کے مالی سلوک اور عطاء کے علاوہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے ایک قیمتی کوٹ جو افغانی طرز کا تھا لائے۔ خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر مانگ لیا کہ حضور! یہ کوٹ مجھے عنایت کر دیں کہ مَیں پہن کر عدالت میں داخل ہوا کروں اور اس کی برکت سے فریق مخالف کے وکیل اور عدالت میں میرا رعب ہو۔ حضورؑ نے ہنس کر یہ کامدار قیمتی چوغہ خواجہ صاحب کو دے دیا۔''

(سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ سوم صفحہ 311-312)

گذشتہ خطبہ میں بھی ذکر ہوا تھا کہ ایک کوٹ لائے تھے پوستین کا یعنی leather کا بنا ہوا، اچھی اعلیٰ قسم کے چمڑے کا۔ آج کل بھی لیدر (leather) کا جو لباس ہے بڑا قیمتی سمجھا جاتا ہے اس زمانے میں بھی تھا۔ وہ کوٹ بھی آپؑ نے خواجہ صاحب کے مانگنے پر ان کو دے دیا۔

شیخ حامد علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ

''آخر عمر تک مجھ سے کبھی حساب نہیں مانگا اور نہ کبھی ناراض ہوئے

بلکہ ایک دفعہ میں لاہور گیا۔ مولوی نور الدین صاحبؓ نے سات سو کی ہنڈی روانہ کی تھی وہ لے کر گیا۔'' پیسے تھے کوئی منی آرڈر تھا یا واؤچر تھا۔ ''کچھ اسباب لایا'' سامان بھی خریدا۔ ''تقریباً پچاس روپے واپس لایا۔'' جو اس میں سے سامان خریدنے کے بعد بچ گئے۔ ''اس کا حساب میں نے حضرت صاحبؑ کو دیا۔ آپؑ نے فرمایا: مَیں نے کب حساب مانگا ہے۔''

(ماخوذ از سیرت احمدؑ از قدرت اللہ سنوری صاحب صفحہ 59)

حضرت شیخ احمد الدین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بندے کو حکم دیا کہ تم امرتسر میاں نبی بخش صاحب رفوگر کے پاس جاؤ اور ایک خط لکھ کر دیا کہ یہ ان کو دے دینا۔ جو چیزیں وہ خرید کر دے دیں وہ جلدی لے آنا اور کل تک واپس آ جانا۔ دوسرے دن مَیں کچھ دیر سے پہنچا۔ حضورؑ کا ایک خادم میاں کرم داد صاحب تھا۔ ان کو حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور احمد دین کو امرتسر بھیجا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ خیر تو ہے پتہ کرو۔ راستے میں میاں کرم داد صاحب کو مَیں مل گیا۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت صاحبؑ تیرا بہت فکر کر رہے ہیں۔ جب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو پہلے ہی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ مَیں نے عرض کیا کہ حضور! کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس طرح میرا حال دریافت کرنے سے میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ میرا حال آپؑ نے پوچھا ہے۔ مَیں نے ایک حساب کا کاغذ اور کچھ پیسے واپس دینے چاہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کاغذ کیسا ہے؟ مَیں نے ادب سے عرض کی ان چیزوں کا حساب ہے اور یہ پیسے باقی ہیں۔ بہت محبت سے فرمایا کہ

ہمارا اور آپ کا کیا حساب ہے۔ یہ پیسے تم اپنی ضرورت میں خرچ کر لو۔

مَیں بہت خوش ہوا۔

(ماخوذ از روایات اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 95-96)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ لکھتے ہیں کہ

''حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپؑ سے

کچھ قرض لیا۔ جب انہوں نے اس روپیہ کو حضرتؑ کی خدمت میں واپس بھیجا تو حضرتؑ نے ناپسند فرمایا اور واپس کر کے فرمایا کہ آپ ہمارے روپیہ کو اپنے روپیہ سے الگ سمجھتے ہیں؟''

(سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ سوم صفحہ 307)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ہی تحریر کرتے ہیں کہ

''جب سے حضرت اقدسؑ نے بعثت کا اعلان کیا اور لوگوں کو یہ بھی علم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کو بشارت دی ہے کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' لوگ علی العموم آپؑ سے کپڑوں کا سوال کرتے تھے اور آپؑ کبھی کسی کو جواب نہیں دیتے تھے اور بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی تھی کہ آپؑ کے بدن پر ہی کپڑے رہ جاتے تھے اور سب دے دیے جاتے تھے۔''

(سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی حصہ دوم صفحہ 290)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کہتے ہیں: '' آپؑ نے میر عباس علی صاحب کو براہین احمدیہ کی قیمت جو ان کے پاس آئے خرچ کر لینے کی اجازت دے دی۔ یہ وسعت حوصلہ اور فیاضی کا ایک معمولی ثبوت ہے۔''

(حیات احمدؑ از یعقوب علی عرفانی صاحبؓ جلد 2 حصہ دوم صفحہ 200)

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کہتے ہیں کہ

''مرزا نظام الدین صاحب اور مرزا امام الدین صاحب باوجودیکہ سخت مخالف تھے۔'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت مخالف تھے۔ یہ دونوں رشتہ دار بھی تھے لیکن مخالف تھے ''مگر ضرورت کے وقت جب کبھی انہوں نے سوال کیا تو حضورؑ اسے پورا کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ'' کہتے ہیں ''میرے سامنے مرزا نظام الدین صاحب نے پچاس روپے یا کچھ کم و بیش حضورؑ سے طلب کیے اور حضورؑ نے فوراً حافظ حامد علی کے ہاتھ بھجوا دیے۔''

(اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 215-216)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبد المحی صاحب عرب نے مجھ سے ایک روز حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ میں ہی ذکر کیا کہ

حضرت صاحبؑ کی سخاوت کا کیا کہنا ہے۔'' یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سخاوت کا کیا کہنا ہے۔ کہتے ہیں: ''مجھے کبھی آپؑ کے زمانہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ جو ضرورت ہوتی بلا تکلّف مانگ لیتا اور حضورؑ میری ضرورت سے زیادہ دے دیتے اور خود بخود بھی دیتے رہتے۔

جب حضورؑ کا وصال ہو گیا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ حالانکہ وہ اتنے سخی مشہور ہیں میری حاجت براری نہ کر سکے۔ آخر تنگ ہو کر مَیں نے ان کو لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ تو بن گئے مگر میری حاجات پوری کرنے میں تو ان کی خلافت نہ فرمائی۔ حضرت صاحبؑ تو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میری امداد کی'' لیکن کہتے ہیں کہ ''مگر خدا کی قسم! کہاں حضرت صاحبؑ اور کہاں یہ۔ ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔''

(سیرۃ المہدی جلد اول حصہ سوم صفحہ 545 روایت 562)

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں کسی غریب عورت نے کچھ چاول چرا لیے۔ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور شور پڑ گیا۔ حضرت مسیح موعود'' علیہ السلام ''اس وقت اپنے کمرے میں کام کر رہے تھے۔ شور سن کر باہر تشریف لائے تو یہ نظارہ دیکھا کہ ایک غریب خستہ حال عورت کھڑی ہے اور اس کے ہاتھ میں تھوڑے سے چاولوں کی گٹھڑی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو واقعہ کا علم ہوا اور اس غریب عورت کا حلیہ دیکھا تو آپؑ کا دل پسیج گیا۔ فرمایا: یہ بھوکی اور کنگال معلوم ہوتی ہے۔ اُسے کچھ چاول دے کر رخصت کر دو'' اور بھی دے دو ''اور خدا کی ستّاری کا شیوہ اختیار کرو۔''

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ یہ واقعہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ ''اس واقعہ پر کوئی جلد باز شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ بات تو چوری پر دلیری پیدا کرنے والی ہے'' کہ ایک چور ہے اس کو آپؑ دلیر بنا رہے ہیں ''مگر دانا لوگ سمجھتے ہیں'' عقلمند سمجھتا ہے ''کہ جب مال خود حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا تھا اور لینے والی عورت ایک بھوکوں مرتی کنگال عورت تھی تو یہ چوری پر اعانت نہیں بلکہ حقیقتاً اِطْعَامُ مِسْکِین میں داخل ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے حالات میں جبکہ چوری کرنے والا بہت غریب ہو اور انتہائی بھوک کی حالت میں کوئی کھانے کی چیز اٹھا لے تو اسے سارق نہیں گردانا بلکہ چشم پوشی سے کام لیا ہے۔''

(سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 64-65)

یہ ہیں اپنے آقاؐ کی کامل اتّباع کے نمونے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی عَبْدِکَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

☆...☆...☆

بقیہ: خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر جولائی ۲۰۲۶ء......از صفحہ نمبر ۱۴

حجۃ الوداع کے موقعے پر آنحضور ﷺ کی ایک دعا کا ذکر یوں ملتا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، اسی کی تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور لشکر کو اکیلے پسپا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں اللہ تعالیٰ اسے صابر شاکر لکھ لیتا ہے۔ پہلی یہ کہ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے بلند ہو اور اس کی پیروی کرے اور دوسری یہ کہ جو اپنی دنیا کے معاملے میں اُس کی طرف دیکھے جو اُس سے کم تر ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔

آپؐ نے فرمایا اس کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے، یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی نعمت کی تحقیر نہ کرو۔

فرمایا:

چار چیزیں ایسی ہیں جسے یہ عطا کر دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کر دی گئی۔ شکر گزار دل، ذکرِ الٰہی کرنے والی زبان، آزمائش کے وقت صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جو نہ اپنی عصمت و عفّت کے معاملے میں اور نہ شوہر کے معاملے میں اس سے خیانت کرے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام اوقات میں ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے سامنے اپنے شکر گزاری کے اعلیٰ ترین نمونے قائم فرمائے اور ہمیں شکر گزاری کی نصیحت فرمائی۔

خطبے کے اختتام پر حضورِ انور نے فرمایا کہ

اگلے جمعے سے ان شاء اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ سالانہ بھی شروع ہو رہا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ ہر طرح اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ موسم کی شدت، گرمی کی وجہ سے بعض خطرات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ ڈیوٹی دینے والے کارکنان جنہیں بعض دفعہ گرمی میں کھڑے ہو کر ڈیوٹی دینی پڑتی ہے، سخت ڈیوٹیاں بھی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بھی احسن رنگ میں اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆...☆...☆

آنحضور ﷺ کی بے مثل شکر گزاری

☆... سب سے بڑھ کر شکر گزاری کا نمونہ ہمارے آقا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے دکھایا

☆... ایمان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ آدھا صبر میں اور آدھا شکر میں ہے

☆... جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خیر و برکت عطا کرنا چاہتا ہے تو ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے اور انہیں شکر الہام کرتا ہے یعنی شکر ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے

☆... آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ بارش کے پہلے قطروں کو اپنے سروں پر لیتے اور آپؐ فرماتے کہ یہ ہمارے بلند و بالا رب کی طرف سے تازہ نعمت آئی ہے، یوں بارش پر شکر کیا کرتے

☆... آپؐ کھانا کھانے لگتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے، نیا کپڑا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، غرض کوئی موقع ایسا نہ تھا جب آپؐ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرتے اور حمد و ثنا بیان نہ کرتے

☆... چار چیزیں ایسی ہیں جسے یہ عطا کر دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کر دی گئی۔ شکر گزار دل، ذکرِ الٰہی کرنے والی زبان، آزمائش کے وقت صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جو نہ اپنی عصمت و عفّت کے معاملے میں اور نہ شوہر کے معاملے میں اس سے خیانت کرے

☆... اگلے جمعے سے ان شاء اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ سالانہ بھی شروع ہو رہا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے

خلاصہ خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ ۱۷؍جولائی ۲۰۲۶ء بمطابق ۱۷؍وفا ۱۴۰۵ہجری شمسی بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۱۷؍جولائی ۲۰۲۶ء کو مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ، یوکے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو مسلم ٹیلی وژن احمدیہ کے توسّط سے پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ جمعہ کی اذان دینے کی سعادت مولانا فیروز عالم صاحب کے حصے میں آئی۔

تشہد، تعوذ اور سورة الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس سے پہلے اس کے فائدے کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل یقیناً اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ بندہ اس کا شکر ادا کرے۔ ہر نبی نے اپنے ماننے والوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔

سب سے بڑھ کر شکر گزاری کا نمونہ ہمارے آقا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے دکھایا۔

آنحضور ﷺ کے اسی اسوہ، دعاؤں اور طریقے کا آج ذکر کروں گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

ایمان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ آدھا صبر میں اور آدھا شکر میں ہے۔

حضورانور نے فرمایا کہ اگر دیکھا جائے تو صبر بھی شکر کا ہی ایک پہلو ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا معاملہ سراسر خیر ہے اور یہ مومن کے علاوہ اور کسی کے لیے نہیں۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے ساتھ بندوں کی بھی شکر گزاری کا آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اس پر عمل ہو تو حقیقی اسلامی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو تھوڑے پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا بھی شکر ہے فرمایا جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے کوئی نیکی کی گئی اور اس نے اس کے کرنے والے سے کہا جزاک اللہ خیراً تو اس نے تعریف کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا کہ

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خیر و برکت عطا کرنا چاہتا ہے تو ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے اور انہیں شکر الہام کرتا ہے یعنی شکر ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے معاذ! بخدا مَیں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ مَیں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد ہر گز نہ چھوڑنا کہ تم کہو کہ اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے، اپنے شکر کے لیے اور اپنی عبادت کی خوبصورتی کے لیے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کو یہ دعا سکھائی کہ اے اللہ! مَیں ہر عمل میں تجھ سے ثبات طلب کرتا ہوں اور تجھ سے ہدایت کی پختگی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر مانگتا ہوں اور تیری عبادت کا حسن اور تجھ سے سچ بولنے والی زبان مانگتا ہوں، اور قلبِ سلیم میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے جو تُو جانتا ہے اور اس خیر سے جو تُو جانتا ہے اور تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ نماز میں کرنے کے لیے کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں اور سارا شکر تیرے لیے ہے اور ساری بادشاہی تیرے لیے ہے اور ساری مخلوق تیری ہے اور ہر معاملہ تیری طرف لوٹتا ہے ہم تجھ سے ہر طرح کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہر شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

پھر آپؐ کی ایک دعا یوں ملتی ہے کہ اے میرے ربّ! میری مدد کر اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما اور میرے لیے تدبیر کر اور میرے خلاف تدبیر نہ کر اور مجھے ہدایت دے اور میرے لیے میری ہدایت آسان کر دے اور میری مدد کر اس کے خلاف جس نے مجھ پر زیادتی کی۔ اے اللہ! مجھے اپنا شکر گزار بنا، اپنا ذکر کرنے والا، تجھ سے ڈرنے والا، تیرا فرمانبردار، تیری بہت اطاعت کرنے والا، تیری طرف بہت زیادہ جھکنے والا بنا، اے میرے ربّ! میری توبہ قبول کر، اور میری دعا قبول فرما اور میری حجت قبول کر اور میرے دل کو ہدایت دے اور میری زبان کو سیدھا کر، اور میرے دل سے کینہ دُور کر دے۔

پھر ایک اور دعا ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ مَیں تیرا بہت زیادہ شکر کروں اور کثرت سے تیرا ذکر کروں، اور تیری نصیحت کی پیروی کروں، اور تیرے تاکیدی حکموں کو یاد رکھوں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ یہ دعا انسان روز کرے تو غلط قسم کے خیالات بھی پیدا نہیں ہوں گے۔ غلط قسم کے کام بھی انسان نہیں کرے گا۔

آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ بارش کے پہلے قطروں کو اپنے سروں پر لیتے اور آپؐ فرماتے کہ یہ ہمارے بلند و بالا رب کی طرف سے تازہ نعمت آئی ہے، یوں بارش پر شکر کیا کرتے۔

بیت الخلا سے باہر تشریف لاتے تو آنحضور ﷺ یہ دعا کرتے کہ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مُضر چیز مجھ سے دُور کر دی اور مجھے تندرستی عطا کی۔

جب رات کو اپنے بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! تیرے نام سے ہی مَیں مرتا اور جیتا ہوں۔ جب آپؐ جاگتے تو دعا کرتے کہ سب حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں زندہ کیا بعد اس کے کہ ہمیں مارا اور اسی کی طرف ہم نے لوٹ کر جانا ہے۔

آپؐ کھانا کھانے لگتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے، نیا کپڑا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، غرض کوئی موقع ایسا نہ تھا جب آپؐ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرتے اور حمد و ثنا بیان نہ کرتے۔

آنحضور ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا جس کے پراگندہ بال تھے، آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے بالوں کو درست کرے۔ ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا اسے پانی میسر نہیں جس سے اپنے کپڑے دھولے۔

آپؐ نے فرمایا: جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ انسان پسند کرتا ہے کہ اُس کا لباس اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں! تکبر یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر جانے۔

جنگِ بدر کے موقعے پر کفار کی ہلاکت اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی فتح پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقعے پر آپؐ کی شکر گزاری کی دعاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ اس موقعے پر آپؐ نے حضرت امِ ہانیؓ کے گھر پر آٹھ رکعت چاشت کی نماز ادا کی۔

......باقی صفحہ ۱۳ پر......

غزوات کے دوران آنحضور ﷺ کا حُسنِ اخلاق

(ایچ۔ ایم۔ طارق)

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مکارم اخلاق کی یہی عظمت ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے نئے حسین جلوے دکھاتے نظر آتے ہیں۔ حالت امن ہو یا جنگ، مشکلات کے پہاڑ اور مصائب کے طوفان اس کوہِ استقامت کو ہلا نہیں سکے۔ فتوحات اور کامرانیوں کے نظارے اس کوہِ وقار میں ذرّہ برابر جنبش پیدا نہیں کر سکے

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے اور عام حالات میں جنگ وجدال سے منع کرتا ہے، تاہم جب دشمن حملہ آور ہو کر آجائے تو دوسرے فریق کو بھی اپنے دفاع کا مکمل حق حاصل ہے۔ بانیٔ اسلامؐ کو بھی ایسی دفاعی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔

نبی کریم ﷺ نے ایک سپاہی کے طور پر بھی غزوات میں حصہ لیا اور دفاعی جنگوں میں بطور جرنیل اپنے لشکر کی کمان کر کے بھی کامل نمونہ پیش فرمایا۔ جنگوں میں اکثر فتح پائی اور کبھی ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ بھی گئے۔ مگر ہمیشہ اور ہر حال میں آپؐ کے پاکیزہ اخلاق نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مکارم اخلاق کی یہی عظمت ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے نئے حسین جلوے دکھاتے نظر آتے ہیں۔ حالت امن ہو یا جنگ، مشکلات کے پہاڑ اور مصائب کے طوفان اس کوہِ استقامت کو ہلا نہیں سکے۔ فتوحات اور کامرانیوں کے نظارے اس کوہِ وقار میں ذرّہ برابر جنبش پیدا نہیں کر سکے۔ تکلّف اور تصنّع سے پاک ایسے کامل اور سچے اخلاق میں بلا شبہ خدائی شان جلوہ گر نظر آتی ہے اور ہر صاحب بصیرت انسان بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ اے آقا! تیرے روشن و تاباں چہرے میں ایسی شان اور عظمت ہے جو انسانی شمائل اور اخلاق سے کہیں بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کا طرۂ امتیاز ہمیشہ یہ رہا کہ آپؐ ہر امکانی حد تک فساد سے بچتے اور ہمیشہ امن کی راہیں اختیار کرتے تھے۔ مکّہ کا تیرہ سالہ دورِ ابتلا گواہ ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے سخت اذیتیں اور تکالیف اٹھائیں لیکن ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ جانی اور مالی نقصان اٹھائے اور برداشت کیے اور مقابلہ نہ کیا۔ اپنے مظلوم ساتھیوں سے بھی یہی کہا کہ اِنِّیۡ اُمِرۡتُ بِالۡعَفۡوِ فَلَا تُقَاتِلُوۡا کہ مجھے عفو کا حکم ہوا ہے۔ اس لیے تم لڑائی سے بچو۔ (سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب وجوب الجہاد)

پھر جب دشمن نے شہر مکّہ میں جینا دوبھر کر دیا اور آپؐ کے قتل کے منصوبے بنائے تو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے عزیز واقارب اور مال وجائیداد کی قربانیاں دے کر دکھی دل کے ساتھ وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا اور مدینہ میں پناہ لی۔ دشمن نے وہاں بھی چین کا سانس نہ لینے دیا۔

اہل مکّہ مسلمانانِ مدینہ پر حملہ آور ہونے لگے۔ تب ہجرتِ مدینہ کے ایک سال بعد اِذن جہاد کی وہ آیت اُتری جس میں مظلوم مسلمانوں کو اپنے دفاع اور مذہبی آزادی کی خاطر تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ (الحج:۴۰) وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جا رہی ہے اُن کو بھی (جنگ) کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ اس آیت اور اس سے اگلی آیات سے اسلامی جنگوں کی غرض و غایت ظاہر و باہر ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ جنگ کی ابتدا کفار کی طرف سے ہوئی۔ دوسرا یہ کہ مسلمان دین کی وجہ سے مظلوم ہو کر رہ گئے تھے۔ تیسرا کفار کا مقصد دین اسلام کو نابود کرنا تھا۔ چوتھا مسلمانوں کو محض خود حفاظتی اور اپنے دفاع کی خاطر تلوار اُٹھانی پڑی۔

اسلامی جنگوں میں ضابطۂ اخلاق

قرآن شریف نبی کریم ﷺ کے زمانے کی مستند ترین مسلّمہ دستاویز ہے، اس میں اسلامی جہاد کے آداب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۱) یعنی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ وَہُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (التوبہ:۱۳) کہ جنگ میں پہل کفار مکّہ کی طرف سے ہوئی تھی۔

اس کے باوجود مسلمانوں کو یہی حکم تھا کہ اگر دشمن اب بھی صلح کی خواہش کرے تو مصالحت کرلو۔ فرمایا: وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ (الانفال:۶۲) کہ اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کے لیے جھک جاؤ۔

نبی کریم ﷺ ان اصولی اسلامی احکام کی روشنی میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو یہ تعلیم دیتے رہے کہ دشمن سے مقابلے کی خواہش کبھی نہ کریں۔ خدا سے ہمیشہ عافیت اور امن وامان کے طالب ہوں۔ ہاں جب دشمن حملہ آور ہو اور اس سے مقابلہ ہو جائے تو پھر اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور جان لو کہ جنّت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف)

حضرت بُریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب کسی دستہ پر کوئی امیر مقرر فرماتے یا کوئی مہم بھجواتے تو اسے سب سے اہم ہدایت یہ فرماتے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنا۔ پھر فرماتے خدا کا نام لے کر اللہ کی راہ میں نکلا کرو۔ ان سے جنگ کرو جو اللہ کے منکر ہیں۔ جہاد کرو اور کسی قسم کی خیانت کے مرتکب نہ ہونا۔ بدعہدی نہ کرنا۔ دشمن کی نعشوں کا مُثلہ نہ کرنا (یعنی کان ناک وغیرہ اعضاء کاٹ کر بے حرمتی نہ کرنا)۔ بچوں کو قتل نہ کرنا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب تَأۡمِیرِ الۡإِمَامِ الۡاُمَرَاءَ عَلَی الۡبُعُوۡثِ وَوَصِیَّتِہِ إِیَّاھُمۡ بِآدَابِ الۡغَزۡوِ وَغَیۡرِھَا، حدیث نمبر ۴۲۲۷)

وہ مشرک جو فتح مکّہ کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما اور حالت جنگ میں تھے ان کے متعلق فرمایا: ''جب مشرکوں میں سے اپنے کسی دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کو تین باتوں میں سے کسی ایک کی طرف بلاؤ۔ ان میں سے کسی ایک بات کو بھی وہ قبول کر لیں تو ان پر حملے سے رُک جاؤ اول انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان پر حملہ کرنے سے گریز کرو۔ پھر ان کو اپنے وطن سے مسلمانوں کے دارالہجرت کی دعوت دیں اگر وہ اسے قبول کریں تو جو حقوق اور فرائض مہاجرین کے ہیں وہ ان کے ذمہ ہوں گے۔ اگر وہ ہجرت پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں بتاؤ کہ خانہ بدوش مسلمانوں کی طرح ان کے حقوق ہوں گے۔ مومنوں پر جو احکام لاگو ہیں وہی ان پر بھی ہوں گے۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے تو مالِ غنیمت وغیرہ سے حصہ پانے کے حقدار ہوں گے۔ اگر اس بات سے بھی انکار کریں تو ان سے اپنے مذہب پر قائم رہ کر اسلامی حکومت کی اطاعت کرتے ہوئے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ قبول کر لیں تو تم بھی اسے قبول کر کے حملہ سے رُک جانا لیکن اگر وہ ان تمام شرائط صلح سے انکاری ہوں تو پھر اللہ کا نام لے کر ان سے جنگ کرو۔'' (صحیح مسلم؛ کتاب الجہاد، باب تَأۡمِیرِ الۡإِمَامِ الۡاُمَرَاءَ عَلَی الۡبُعُوۡثِ وَوَصِیَّتِہِ إِیَّاھُمۡ بِآدَابِ الۡغَزۡوِ وَغَیۡرِھَا)

رسول کریم ﷺ نے یہاں تک تفصیلی ہدایات دیں کہ سفر جہاد پر جاتے ہوئے راستے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اگر رات کو تم پر کوئی شب خون مارے تو اذان کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کرو اور راستے کے درمیان میں نماز نہ پڑھو۔ نہ ہی اس پر پڑاؤ کرو۔'' (مسند احمد بن حنبل؛ الجزء ۳، صفحہ ۳۰۵، طبعۃ القاہرۃ)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عائذ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''عام طور پر لوگوں سے نرمی اور محبت کا سلوک کرو۔ اور اس وقت تک ان پر حملہ نہ کرو جب تک تم ان کو صلح کی دعوت نہ دے لو۔''

پھر فرمایا: ''اگر تم اہل زمین کو مطیع کر کے اور مسلمان بنا کر میرے پاس لے آؤ تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بنسبت اس کے کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناؤ اور مردوں کو قتل کرو۔'' (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال؛ الجزء ۴، صفحہ ۴۶۹، طبعۃ بیروت)

رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کے آداب اور مستقل ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ ''جنگ کے دوران کسی عمر رسیدہ بوڑھے کو، کم سن بچے کو اور عورت کو قتل نہ کرو۔ خیانت کرتے ہوئے مال غنیمت پر قبضہ نہ کرو۔ حتّی الوسع اصلاح اور احسان کا معاملہ کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دُعَاءِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ)

اسی طرح حکم دیا کہ ''دشمن پر رات سوتے میں حملہ نہ کرنا اور شب خون نہ مارنا۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

رسول کریم ﷺ کے بیان فرمودہ ان آداب جنگ کی تعمیل حضورؐ کے زمانے میں نہایت پابندی سے کی گئی اور آپؐ کے بعد بھی خلفائے راشدین نے اس ضابطۂ اخلاق کا بے حد خیال رکھا۔ بلکہ اس پاکیزہ تعلیم کی روح مدنظر رکھتے ہوئے، حسبِ حال مزید ہدایات جاری فرمائیں۔ جو آج بھی اسلامی ضابطۂ جنگ کا حصہ ہیں کیونکہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلفائے راشدین کی پیروی کا بھی حکم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ ہدایات دیں کہ جن لوگوں نے اپنی خدمات کسی بھی مذہب کے لیے وقف کی ہوں، اُن سے میدان جنگ میں تعرض نہ کیا جائے۔ اُن کے مذہب کی مقدس چیزوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے۔ نہ ہی کسی آبادی کو ویران کیا جائے اور کسی جانور کو ذبح بھی نہ کریں سوائے اس کے جسے کھانا مقصود ہو۔ کسی کو آگ سے نہ جلائیں۔ (موطأ امام مالک، کتاب الجہاد، باب النہی عن قتل النساء والولدان)

الغرض رسول کریم ﷺ کو دشمن کے حملے سے مجبور ہو کر اپنا دفاع کرنے کے لیے جب تلوار اُٹھانا پڑی تو جنگ کی حالت میں جہاں دنیا سب کچھ جائز سمجھتی ہے، آپؐ نے پہلی دفعہ دنیا کو آداب جنگ سے روشناس کرایا۔ اس ضابطۂ اخلاق کے ساتھ جب آپؐ جنگ کے لیے نکلتے تو پھر آپؐ کا تمام تر توکّل اور بھروسہ خدا کی ذات پر ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ جب کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ دعا کرتے اَللّٰہُمَّ اَنۡتَ عَضُدِیۡ وَاَنۡتَ نَصِیۡرِیۡ وَبِکَ اُقَاتِلُ۔ (مسند احمد بن حنبل؛ الجزء ۳، صفحہ ۱۸۴، طبعۃ القاہرۃ) اے اللہ! تُو ہی میرا سہارا، تُو ہی میرا مددگار ہے۔ اور تیرے بھروسہ پر ہی میں لڑتا ہوں۔

غزوۂ بدر میں خُلق عظیم

ایک بہترین جرنیل کی طرح رسول اللہ ﷺ کی گہری نظر اپنی سپاہ پر ہوتی تھی۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے میدان بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ کر ڈیرے ڈالے تو آپؐ نے فرمایا: ''کوئی شخص از خود کسی بات میں پہل نہ کرے جب تک مَیں اجازت نہ دوں۔'' پھر جب تک دشمن کی طرف سے حملہ نہیں ہوا، آپؐ نے مقابلہ کے لیے صحابہؓ کو دعوت نہیں دی۔ جب دشمن سامنے صف آرا ہوئے تو صحابہؓ کو فرمایا: ''اب اُس جنّت کے حصول کے لیے اُٹھ کھڑے ہو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' پھر صحابہؓ نے اپنی جانیں خدا کی راہ میں خوب فدا کیں۔ (مسند احمد بن حنبل، الجزء ۳، صفحہ ۱۳۶، طبعۃ القاہرۃ)

نبی کریم ﷺ کسی سواری پر بیک وقت تین آدمیوں کا سوار ہونا پسند نہیں فرماتے تھے کہ یہ بھی جانور پر زیادتی ہے۔ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے پاس چند اونٹ اور دو

گھوڑے تھے۔ ایک اونٹ کی سواری میں تین تین اصحاب شریک تھے، جو باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔حضرت علیؓ اور حضرت ابولبابہؓ یا ابومرثدؓ غنوی نبی کریم ﷺ کی سواری میں شریک تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی باری ہوتی تو یہ دونوں کہتے ہم دونوں آپؐ کی خاطر پیدل چلیں گے آپؐ سوار رہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا:''تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ میں تم دونوں کی نسبت اجر سے بے نیاز ہوں۔'' مجھے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اجر کی ضرورت ہے۔(مسند احمد بن حنبل، الجزء ۳، صفحہ ۴۱۱، طبعۃ القاہرۃ)

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کا اپنے جانی دشمنوں اور ان کے ساتھ جنگ میں شکست کھاکر قید ہونے والوں سے سلوک بھی ایسا شاندار تھا کہ مستشرقین بھی اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکے۔

سرولیم میور اپنی کتاب''Life of Mahomet'' میں مسلمانوں کے اسیرانِ بدر کے ساتھ سلوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (ترجمہ) حضرت محمد (ﷺ) کی حکومت میں اہالیانِ مدینہ اور وہ مہاجرین جنہوں نے یہاں اپنے گھر بنالیے تھے کے پاس جب (بدر کے) قیدی آئے تو انہوں نے ان سے نہایت عمدہ سلوک کیا۔ بعد میں خود ایک قیدی کہا کرتا تھا کہ اللہ رحم کرے مدینہ والوں پر۔ وہ ہمیں سوار کرتے تھے اور خود پیدل چلتے تھے۔ہمیں کھانے کے لیے گندم کی روٹی دیتے تھے جسکی اس زمانہ میں بہت قلت تھی اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ بات تعجب خیز نہیں ہونی چاہیے کہ بعد میں جب ان قیدیوں کے لواحقین فدیہ لے کر انہیں آزاد کروانے آئے۔ ان میں سے کئی قیدیوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور ایسے تمام قیدیوں کو رسول اللہؐ نے فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا۔ (Life of Mahomet; Sir William Muir, Vol.1, page 242. New edition 1877, London)

اپنے صحابہؓ کی حوصلہ افزائی اور دلداری

ایک بہترین سپہ سالار کی طرح رسول اللہ ﷺ نہایت باریک بینی سے اپنے سپاہیوں کی کارکردگی ملاحظہ فرماتے۔ اور اپنے ساتھیوں کی مناسب رنگ میں حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔

حضرت علیؓ نے غزوۂ احد سے واپسی پر اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کے سپرد کی کہ اسے سنبھال رکھیں کہ آج یہ جنگ میں خوب کام آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا ہاں! اے علی! آج تم نے بھی خوب تلوار زنی کی ہے، مگر عاصم بن ثابت، سہل بن حُنیف، حارث بن صمّہ اور ابو دجانہ نے بھی کمال کر دکھایا ہے۔ (مجمع الزوائد للہیثمی، الجزء ۶، صفحہ ۱۷۸، طبعۃ بیروت)

دعاؤں پر بھروسہ

نبی کریم ﷺ کی تمام فتوحات دراصل دعاؤں کا نتیجہ تھیں۔حضرت علیؓ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بدر میں کچھ دیر لڑنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ دیکھوں رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ آکر دیکھا تو آپؐ سجدے میں پڑے ہوئے اپنے مولیٰ کے حضور مسلسل گریہ وزاری کر رہے تھے۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔یعنی اے زندہ ہستی خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والے! آپؐ یہی پڑھتے جاتے تھے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے تھے۔ مَیں پھر جاکر لڑائی میں مشغول ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد پھر حضور ﷺ کا خیال آیا اور آپؐ کا پتہ کرنے لوٹا تو آپؐ اسی حالت میں سجدہ میں پڑے خدا کو اس کی صفت حَیُّ وقَیُّوْمُ کے واسطے دے رہے تھے۔ مَیں پھر میدانِ کارزار میں چلا گیا۔ جب تیسری بار واپس لوٹا تو بھی آپؐ کو اسی حالت میں دعا کرتے پایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعاؤں کے طفیل ہمیں فتح عطا فرمائی۔ (مجمع الزوائد للہیثمی؛الجزء ۱۰، صفحہ ۲۲۰، طبعۃ بیروت)

کامیابی پر حمد

رسول کریم ﷺ کو جب جنگ میں کامیابی حاصل ہوتی تو بھی کسی بڑائی کے اظہار کی بجائے خدا کی حمد بجالاتے۔ اور اسی کی کبریائی اور عظمت کے نعرے بلند کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل کو قتل کرنے اور اس پر آخری وار کرنے کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اطلاع کی کہ ابوجہل ہلاک ہوچکا ہے۔ آپؐ نے اس وقت بھی نعرہ توحید بلند کیا اور فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟میں نے اثبات میں جواب دیا کہ بے شک اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

احسان کا پاس

غزوات میں رسول اللہ ﷺ کا احسان اور وفا کا خلق بھی بڑی شان سے ظاہر ہوا۔ ایک واقعہ قریش کے مشرک سردار مُطعِم بن عدی کا ہے، جو بنو نوفل کا سردار اور قریش کی سر برآوردہ شخصیات میں سے تھا۔

رسول کریم ﷺ کے قبیلہ بنو ہاشم اور مسلمانوں کو شِعب ابی طالب میں محصور کر کے بائیکاٹ کرنے کا جو معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، اس کو ختم کرانے کی مہم میں مُطعِم نے نمایاں خدمت انجام دی تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ جب مکّہ والوں سے مایوس ہوکر تبلیغ اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے تھے تو عرب کے دستور کے مطابق آپؐ کو مکّہ میں واپس آنے سے پیشتر کسی سردار کی پناہ میں آنا ضروری تھا، جسے جوار یعنی پناہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی سرداروں کو پناہ لینے کے لیے پیغام بھیجا، سب نے انکار کیا، مُطعِم بن عدی وہ شریف النفس سردار تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کو مکّہ میں دوبارہ داخلے کے لیے اپنی پناہ دی۔ اس کے چاروں بیٹے تلواروں کے سایہ میں رسول اللہ ﷺ کو مکّہ لائے اور آپؐ کو امان دینے کا اعلان کیا۔ افسوس کہ اس منصف مزاج سردار کو اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ملی اور بدر سے پہلے ہی سو سال کے لگ بھگ عمر پاکر وفات پا گیا۔

بدر کی فتح کے بعد جب ستّر مشرکین مکّہ بطور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو نبی کریم ﷺ اُس وقت بھی مُطعِم بن عدی کا احسان نہیں بھولے اور فرمایا:''اگر آج مُطعِم زندہ ہوتا اور ان قیدیوں کو آزاد کرنے کے لیے مجھے سفارش کرتا تو مَیں ان تمام قیدیوں کو اُس کی خاطر آزاد کر دیتا۔'' (صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما من النبیؐ علی الاساری من غیر أن یخمس عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی؛ ۲۲، صفحہ ۳۰۷)

جنگ میں سپاہیوں کی مدد اور تالیف قلب

حضرت ابوطلحہؓ بڑے جی دار اور بہادر تھے، زبردست تیر انداز۔ طاقتور ایسے کہ کمان کو زور سے کھینچتے تو ٹوٹ کر رہ جاتی۔ احد میں آپ نے دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں۔ ایسی تیزی سے آپ تیر اندازی کر رہے تھے کہ تیر بانٹنے والا جب اپنا ترکش لے کر حضورؐ کے پاس سے گذرتا تو آپؐ فرماتے ارے! ابوطلحہؓ کے لیے تیر پھیلا دو۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب إذ ھمت طائفتان منکم أن تفشلا واللّٰہ ولیھما وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیان فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن رسول کریم ﷺ نے اپنا ترکش میرے لیے پھیلا دیا تھا۔ آپؐ (میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے) فرماتے تھے کہ ''اے سعد! تیر چلاؤ۔ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب إذ ھمت طائفتان منکم أن تفشلا واللّٰہ ولیھما وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون)

غزوۂ احد میں جب مشرکین پسپا ہو رہے تھے تو (ان میں سے) کسی شیطان نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے آواز بدل کر یہ نعرہ لگایا اے اللہ کے بندو! پیچھے پلٹو۔یعنی پیچھے سے تم پر حملہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا اگلا دستہ پیچھے کو پلٹ کر حملہ آور ہوا اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے ایسا الجھ کر رہ گیا کہ اپنے پرائے کی تمیز اور ہوش نہ رہی۔حضرت حذیفہؓ نے اچانک دیکھا تو ان کے والد حضرت یمانؓ (جو مخلص صحابی تھے) خود مسلمانوں کے نرغے میں، ان کی تلواروں کی زد میں تھے۔ وہ بے چارے چلّاتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرا باپ ہے، یہ میرا باپ ہے! اس کو بچانا۔ ان کی آواز شور میں دب کر رہ گئی اور حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ مسلمانوں کے ہاتھوں ہی احد میں شہید ہوگئے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب إذ ھمت طائفتان منکم أن تفشلا واللّٰہ ولیھما وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون) رسول کریم ﷺ نے اپنے اس صحابی کی تالیف قلب فرمائی اور ان کے والد کی دیت انہیں دلوائی۔

شجاعت

جنگ احد میں درّہ پر مشرکین کے حملہ سے مسلمانوں کے ستّر افراد شہید ہوئے اور مشرکین فتح کی خوشی مناتے واپس لوٹے اور روحاء مقام پر پہنچے تو ابوسفیان مشرکین مکّہ کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگا کہ نہ تو تم نے محمد ﷺ کو قتل کیا، نہ عورتوں کو قید کیا۔ پھر احد کے معرکہ کو فتح کیسے قرار دے سکتے ہو؟ (مجمع الزوائد للہیثمی، الجزء ۶، صفحہ ۱۷۶، طبعۃ بیروت)

چنانچہ مشرکین مکّہ نے دوبارہ مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ رسول کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم اہل مکّہ کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کا موقع نہ دیں گے، بلکہ آگے جاکر دشمن کا تعاقب کریں گے۔ اُحد کی شہادتوں اور وقتی ہزیمت کے بعد یہ فیصلہ اتنا کٹھن تھا کہ اسے سن کر صحابہؓ ایک دفعہ تو سنّاٹے میں آگئے۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ زخموں اور غم سے نڈھال ہونے کی حالت میں دشمن کا مقابلہ کیسے کریں گے، تب رسولِ خدا ﷺ کی شجاعت، مردانگی، پختہ عزم توکّل علیٰ اللہ اور قائدانہ صلاحیت کا عجیب نظارہ صحابہؓ نے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں دشمن کو مدینہ پر دوبارہ حملہ کا موقع دینا نہیں چاہتا اس لیے اُن کے تعاقب کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی میرا ساتھ نہ دے تو مَیں بہرحال دشمن کے پیچھے جاؤں گا اور اس راہ میں اپنی جان بھی فدا کرنی پڑے تو کر گزروں گا۔صحابہؓ نے اپنے سپہ سالارِ اعظمؐ کا یہ حوصلہ دیکھا تو والہانہ لبیک کہتے ہوئے آپؐ کے ہمرکاب ہوکر چل پڑے۔ کئی صحابہؓ زخموں سے چور تھے کہ انہیں اُٹھا کر حمراء الاسد لے جایا گیا۔ کفار کو مسلمانوں کی اس پیش رفت کا پتہ چلا تو وہ مکّہ واپس لوٹ گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام، الجزء ۲، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲، طبعۃ بیروت)

غزوۂ احزاب میں خلقِ عظیم

جنگ احد کے بعد جنگ احزاب مسلمانانِ مدینہ کا ایک بہت سخت اور کڑا امتحان تھا۔جس میں مدینہ سے نکالے گئے یہود بنی نَضیر کے اُکسانے پر قبائل عرب بنو غطفان، بنو سُلیم وغیرہ نے قریش مکّہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر اجتماعی حملہ کا خوفناک منصوبہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی اطلاع پاکر صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے قبول کرتے ہوئے مدینہ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد ایک خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔

اس نہایت نازک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی قائدانہ صلاحیتیں خوب نکھر کر سامنے آئیں۔ ہر چند کہ یہ موقع مسلمانوں کی زندگی کے سب سے بڑے خطرے کا تھا۔قرآن شریف کے بیان کے مطابق ان کی زندگیوں پر ایک زلزلہ طاری تھا اور جانیں حلق تک پہنچی ہوئی تھیں۔ مگر رسولِ خدا تھے کہ سب کے لیے ڈھارس، حوصلے اور سہارے کا موجب تھے۔

پہلے تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ مل کر خندق کی کھدائی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کبھی کوئی سخت چٹان حائل ہوجاتی ہے، جو کسی سے نہیں ٹوٹتی تو خود خدا کا رسولؐ وہاں پہنچتا ہے۔ حال یہ ہے کہ فاقہ سے دو پتھر پیٹ پر باندھ رکھے ہیں مگر کدال لے کر تین ضربوں سے پتھر کو ریزہ ریزہ کر چھوڑتے ہیں۔ اس نازک موقع پر بھی خدا کے وعدوں پر ایمان ویقین کا یہ عالم ہے کہ وحی الٰہی کی روشنی میں صحابہؓ کے حوصلے بڑھاتے اور انہیں بتاتے ہیں کہ ہر ضرب پر جو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا گیا تو شام وایران اور صنعاء ویمن کے محلات مجھے دکھائے گئے اور ان کی چابیاں مجھے عطا کی گئیں۔ (مسند احمد بن حنبل، الجزء ۴، صفحہ ۳۰۳، طبعۃ القاہرۃ)

یہ سن کر ان فاقہ کشوں کے حوصلے کتنے بلند ہوئے ہوں گے جنہیں جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

فتح خیبر میں خلقِ عظیم

مسلمانانِ مدینہ کو جنوب کی سمت سے اہل مکّہ کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا تو شمال سے یہودِ خیبر کا۔ صلح حُدیبیہ اس طرح فتح خیبر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی کہ مسلمان اس معاہدہ صلح کے باعث اہل مکّہ کے خطرہ سے امن میں آگئے۔ اب اُن کے لیے یہودِ خیبر کے شمالی خطرے سے نبٹنا آسان تھا۔ چنانچہ آپؐ نے یہ ہدایت فرمائی کہ حُدیبیہ میں شامل افراد ہی خیبر میں شامل ہوں گے، جو خلوص نیت سے حج اور عمرہ کے ارادہ سے نکلے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت پر بیعت کر کے ہر حال میں آپؐ کی فرمانبرداری کا عہد تازہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کے پاکیزہ ارادوں پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے انہیں ایک فتح قریب کی بشارت بھی عطا فرمائی تھی۔ (الفتح:۱۹)

خیبر میں دس ہزار مسلح قلعہ بند یہودیوں کے مقابل پر اپنے لشکر کو محض حُدیبیہ کے چودہ سو اصحاب میں محدود کر دینا جنگی نقطہ نگاہ سے بظاہر مناسب نظر نہیں آتا لیکن آنحضرت ﷺ کے پیش نظر یہ ضابطۂ اخلاق تھا کہ محض مالِ غنیمت کی نیت سے کوئی شخص ہمارے لشکر میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۱۵۷، طبعۃ بیروت)

یہ پاکیزہ نمونہ بڑی شان کے ساتھ ہمیشہ اس الزام کی نفی

کرتا رہے گا کہ اسلامی جنگوں کا مقصد محض لوٹ مار اور حصول غنیمت تھا۔

صنفِ نازک کی عزت افزائی

قدیم زمانہ میں رواج تھا کہ جنگ میں مردوں کا حوصلہ بڑھانے، رنگ وطرب کی محفلیں سجانے اور دل بہلانے کے لیے عورتیں بھی شریک جنگ ہوتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے عورت کا جو تقدس اور احترام قائم فرمایا اس لحاظ سے آپؐ کو یہ طریق سخت ناپسند تھا۔ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بطورِ خاص کچھ خواتین کو زخمیوں کی مرہم پٹی، تیمار داری اور دیکھ بھال کے لیے ساتھ چلنے کی اجازت فرمائی۔

چنانچہ امیہ بنت ابی الصلت بیان کرتی ہیں کہ بنو غفار کی ایک عورت نے انہیں بتایا کہ میں بنوغفار کی عورتوں کے ساتھ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہم نے کہا کہ ہم آپؐ کے ساتھ خیبر کی طرف سفر میں اس غرض سے جانا چاہتی ہیں کہ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور جہاں تک ہم میں طاقت ہے مسلمانوں کی مدد کریں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برکت ڈالے۔ چنانچہ ہم آپؐ کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ (مسند احمد بن حنبل، الجزء ۶، صفحہ ۳۸۰، طبعة القاہرة)

شاید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کسی لشکر کے ساتھ عورتیں نرسنگ کی خدمات اور زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے شامل ہوئیں، ورنہ اس سے پہلے جنگ میں عورت سے تحریضِ جنگ اور حظِ نفس کے سوا کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ عورت سے درست اور جائز خدمات لینے کے بارے میں اب تک کسی نے نہ سوچا تھا کہ میدان جنگ میں تیمار داری اور بیماروں کی دیکھ بھال کی بہترین خدمت عورت انجام دے سکتی ہے۔

خیبر میں حسن سلوک

حضرت عرباضؓ بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک تھے۔ حاکمِ خیبر درشت رو اور بے لحاظ انسان تھا۔ (فتح کے بعد) اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہا اے محمدؐ! کیا تم لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ ہمارے جانور ذبح کرو، ہمارے پھل کھاؤ اور ہماری عورتوں کو مارو۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا کہ آپؓ گھوڑے پر سوار ہوکر یہ اعلان کریں کہ جنّت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے نیز لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے۔ جب وہ اکٹھے ہوگئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے خطاب فرمایا: کیا تم میں کوئی تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے سوائے اس کے جو قرآن میں ہے کوئی چیز حرام نہیں کی۔ سنو! مَیں نے بھی کچھ احکام دیے ہیں اور بعض باتوں سے روکا ہے وہ بھی قرآن کی طرح ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جائز نہیں رکھا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو۔ نہ ہی ان کی عورتوں کو مارنے کی اجازت دی ہے اور نہ ان کے پھل کھانے کی۔ جب (معاہدہ کے مطابق) وہ تمہیں وہ کچھ دے رہے ہوں جو ان کے ذمہ ہے یعنی جزیہ۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فِی تَعْشِیرِ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِذَا اخْتَلَفُوا بِالتِّجَارَاتِ)

فتح مکّہ میں ظاہر ہونے والے خلق عظیم

فتح مکّہ کے موقع پر ایک دفعہ پھر رسول کریم ﷺ کی خلق عظیم پر فائز ہونے کی بےنظیر شان دنیا نے دیکھی۔ ہر چند کہ قریش مکّہ نے صلح حُدیبیہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ پر شب خون مار کر معاہدہ توڑ دیا۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ قریش سے صلح کی طرح ڈالتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے معاہدہ شکنی کرنے والوں کی طرف اپنا سفیر تین شرائط میں سے کسی ایک شرط پر صلح کی پیشکش کے ساتھ بھیجا کہ ہمارے حلیف خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کردو یا بنوبکر کی طرف داری سے الگ ہوجاؤ یا حُدیبیہ کی صلح توڑنے کا اعلان کردو۔ مسلمانوں کے اس سفیر کو جواب ملا کہ ہم حُدیبیہ کی صلح توڑتے ہیں۔ (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية؛ الجزء ۲، صفحہ ۲۹۲، طبعة بیروت. کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال؛ الجزء ۱۰، صفحہ ۵۲۴-۵۲۶، طبعۃ مصر)

افشائے راز کا خطرہ اور شفقت بے پایاں

فتح مکہ کے موقع پر لشکر اسلام کی خاموش تیاری کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے مکّے پر چڑھائی کا راز کھل جانے کا سخت خطرہ پیدا ہوگیا۔ ہوا یوں کہ ایک صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مکّہ جانے والی ایک عورت کے ذریعے قریش کو خط لکھ کر یہ اطلاع بھجوا دی کہ آنحضرت ﷺ کا لشکر تیار ہے۔ یہ معلوم نہیں کہاں کا قصد ہے مگر تم اپنا بچاؤ کرلو۔ میرا مقصد اس خط سے تم پر ایک احسان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ کو اس مخبری کی اطلاع کردی۔ آپؐ نے گھوڑسواروں کا ایک دستہ حضرت علیؓ کے ساتھ اس عورت کے تعاقب میں بھیجا جو یہ خط واپس لے آئے۔ رسول کریم ﷺ نے حاطبؓ کو بلاکر پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ حاطبؓ نے سچ سچ کہہ دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مَیں قریش میں سے نہیں ہوں مگر اس خط کے ذریعے میں قریش پر احسان کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ مکّے میں میرے گھر بار کی حفاظت کریں۔ حضرت عمرؓ اس مجلس میں موجود تھے وہ کہنے لگے۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ مگر جانتے ہو وہ رحیم وکریم رسول کیا خوب جواب دیتے ہیں کہ نہیں نہیں! حاطب سچ کہتا ہے۔ اسے کچھ نہ کہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس نے مومنوں کے ساتھ خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مارنے دیجیے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح)

حضرت رسول کریم ﷺ نے ایک طرف عمرؓ کی سختی پر تحمل سے کام لیا تو دوسری طرف حاطبؓ کی معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: عمر! تم جانتے نہیں یہ شخص جنگ بدر میں شامل ہوا تھا اور عرش کا خدا جو اصحاب بدر کے حالات سے خوب واقف ہے اور ان کے حق میں فرماتا ہے اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ کہ جو چاہو کرو تمہارے لیے جنّت واجب ہوچکی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح) یعنی اللہ تعالیٰ نے بدریوں کے دلوں میں گناہ کی ایسی نفرت ڈال دی ہے کہ بالارادہ ان سے کوئی گناہ نہیں ہوسکتا۔

اس رؤف و رحیم رسول کی شفقت بے پایاں کا یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بے اختیار رونے لگے۔ ان کی حیرانی بجا تھی کہ اپنی زندگی کے اہم نازک ترین اور تاریخ ساز موڑ پر تو کوئی بھی فاتح اپنے مقصد کی راہ میں حائل ہونے والی کسی بھی روک کو قطعاً برداشت نہیں کیا کرتا۔ ایسے مواقع پر تو سابقہ خدمات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور آئندہ خطرے سے بچنے کے لیے کم از کم احتیاط یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسے قومی مجرم کو زیر حراست رکھا جائے، لیکن دیکھو اس دربار عفو وکرم کی شان دیکھو جس سے حاطبؓ کے لیے بھی مکمل معافی کا اعلان جاری ہوا۔

حیرت ناک حکمت عملی

مرّالظہران کے وسیع میدان میں رسول کریم ﷺ نے خداداد فراست کو کام میں لاتے ہوئے جنگی حکمت عملی کا ایک حیرت انگیز منصوبہ بنایا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ مختلف ٹیلوں پر بکھر جائیں اور ہر شخص آگ کا ایک الاؤ روشن کرے۔ اس طرح اس رات دس ہزار آگیں روشن ہوکر مرّالظہران کے ٹیلوں پر ایک پر شکوہ اور ہیبت ناک منظر پیش کرنے لگیں۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب أین رکز النبیؐ الرایة یوم الفتح)

عربوں کے دستور کے مطابق لشکر کے دس آدمیوں کی ایک ٹولی اپنی آگ روشن کرتی تھی۔ اب یہاں دس ہزار لشکر کے اتنے ہی آگ کے الاؤ مسلمانوں کے لشکر کی اصل تعداد کو کہیں زیادہ ظاہر کر رہے تھے۔

ابوسفیان کو معافی

اُدھر ابوسفیان اور اس کے ساتھی سردار رات کو شہر مکّہ کی گشت پر نکلے تو یہ ان گنت روشنیاں دیکھ کر واقعی حیران وششدر رہ گئے۔ ابوسفیان کہنے لگا خدا کی قسم! مَیں نے آج تک اتنا بڑا لشکر اور آگیں نہیں دیکھیں۔ وہ ابھی یہ اندازے ہی لگا رہے تھے کہ اتنا بڑا لشکر کس قبیلے کا ہوسکتا ہے؟ کہ حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے گشتی دستے نے ان کو پکڑ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے دشمن اسلام ابوسفیان کو قتل کرنا چاہا لیکن آنحضرت ﷺ تو اس کے لیے پہلے امن کا اعلان کر چکے تھے کہ ابوسفیان بن حرب کسی کو ملے تو اسے کچھ نہ کہا جائے۔ (سیرۃ ابن ہشام، الجزء ۲، صفحہ ۴۰۱، طبعة بیروت)

چنانچہ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو پناہ دی۔ صبح جب ابوسفیان دوبارہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم گواہی دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' تب ابوسفیان نے بے ساختہ یہ گواہی دی کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ نہایت حلیم، شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا وہ ضرور ہماری مدد کرتا البتہ آپؐ کی رسالت کے قبول کرنے میں ابھی کچھ تامّل ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام؛ الجزء ۲، صفحہ ۴۰۱، طبعة بیروت)

حضرت عباسؓ کو ارشادِ رسول ہوا کہ جب اسلامی لشکر مکّہ کی جانب روانہ ہو تو ابوسفیان کو کسی بلند جگہ سے لشکر کی شان وشوکت کا نظارہ کرایا جائے، شاید یہ دنیادار شخص اس سے مرعوب ہوکر حق قبول کرلے۔ دس ہزار قدوسیوں کا لشکر چلا، ہر امیر فوج جھنڈا بلند کیے دستہ کے آگے تھا۔ انصاری سردار سعد بن عُبادہؓ اپنا دستہ لے کر ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو جوش میں آکر کہہ گئے۔

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ
اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ

آج جنگ و جدال کا دن ہے آج کعبہ کی عظمت قائم کرنے کا دن ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب أین رکز النبیؐ الرایة یوم الفتح)

نبی کریم ﷺ نے اپنے اس کمانڈر کو جو ایک طاقتور قبائلی سردار تھا معزول کردیا کہ اس نے حرمت کعبہ کے بارے میں ایک ناحق بات کیوں کہہ دی اور ابوسفیان کا دل بھی دُکھایا۔ ہاں! اس دشمن اسلام ابوسفیان کا جو مفتوح ہوکر بھی ابھی آپؐ کی رسالت قبول کرنے میں متامل تھا۔ اے دنیا والو! دیکھو اس عظیم رسول کے حوصلے تو دیکھو، عین حالت جنگ میں جرنیلوں کی معزولی کے تمام خطروں سے آگاہ ہوتے ہوئے یہ فیصلہ سناتے ہیں کہ سعد سے اسلامی جھنڈا واپس لے لیا جائے۔ (سیرۃ ابن ہشام؛ الجزء ۲، صفحہ ۴۰۶، طبعة بیروت)

مگر ہاں اس محسنِ اعظم کے احسان پر بھی تو نظر کرو کہ غیرت اسلام کے جوش میں سرشار ایسا نعرہ بلند کرنے والے جرنیل سعدؓ کا بھی آپؐ کس قدر لحاظ رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی دوسرا حکم یہ صادر فرماتے ہیں کہ سعدؓ کی بجائے سالارِ فوج ان کے بیٹے قیس بن سعدؓ کو مقرر کیا جاتا ہے۔ (السیرة الحلبیة، الجزء ۳، صفحہ ۲۶۸، طبعة بیروت)

کیا جنگوں کی ہنگامہ خیزیوں میں بھی کبھی اپنے خدام کے جذبات کا ایسا خیال رکھا جاتا ہے؟ نہیں نہیں یہ صرف اس رحمۃ للعالمینؐ کا ہی خلقِ عظیم تھا جو سزا میں بھی رحمت و شفقت اور احسان کا پہلو نکال لیتے تھے۔

فتح مکّہ۔ عظمتِ اخلاق کا بلند ترین مینار

فاتحین عالم کے اس دستور سے کون ناواقف ہوگا کہ شہروں میں داخلے کے وقت آبادیوں کو ویران اور ان کے معزز مکینوں کو بے عزت اور ذلیل کردیا جاتا ہے، لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ کی زندگی کی عظیم ترین فتح کو بھی تو دیکھو جہاں آپؐ کی عظمتِ اخلاق کا سب سے بلند اور روشن ترین مینار ایستادہ ہے۔

جب دس ہزار قدوسیوں کا لشکر مکّہ کے چاروں اطراف سے شہر میں داخل ہوا تو قتل و غارت کا بازار گرم ہوا نہ قتل عام کی گرم بازاری بلکہ امن وسلامتی کے شہنشاہ کی طرف سے یہ فرمان شاہی جاری ہوا کہ ''آج مسجد حرام میں داخل ہونے والے ہر شخص کو امان دی جاتی ہے۔ امان دی جاتی ہے ہر اس شخص کو جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے یا اپنے ہتھیار پھینک دے اپنا دروازہ بند کرلے اور ہاں جو شخص ابورویحہؓ (جسے آپؐ نے خود بلالؓ کا بھائی بنایا تھا) کے جھنڈے کے نیچے آجائے اسے بھی امان دی جاتی ہے۔'' (سیرۃ ابن ہشام؛ الجزء ۲، صفحہ ۴۰۱، طبعة بیروت. السیرة الحلبیة؛ الجزء ۳، صفحہ ۲۶۵، طبعة بیروت)

حضرت بلالؓ کے جذبات کا خیال

اس فتح کے موقع پر آنحضور ﷺ کا حضرت بلالؓ کے دینی بھائی ابورویحہؓ کے جھنڈے کو امن کا نشان قرار دینا بھی علم النفس کے لحاظ سے آپؐ کے اخلاق فاضلہ کی زبردست مثال ہے، ایک وقت تھا جب مکّے کے لوگ بلالؓ کو سخت اذیتیں دیا کرتے تھے اور مکّے کی گلیاں بلالؓ کے لیے ظلم و تشدّد کی آماجگاہ تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے سوچا آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف مائل ہوتا ہوگا، اس وفادار ساتھی کا انتقام لینا بھی ضروری ہے۔ لیکن ہمارا انتقام بھی اسلام کی شان کے مطابق ہونا چاہیے مگر آپؐ نے گردنیں کاٹ کر بلالؓ کا انتقام نہیں لیا بلکہ بلالؓ جو کبھی مکّہ کی گلیوں میں ذلت اور اذیت کا نشان رہ چکا تھا۔ (السیرة الحلبیة، الجزء ۳، صفحہ ۱۱۶، طبعة بیروت. سیرۃ ابن ہشام، الجزء ۱، صفحہ ۳۱۷ و ۵۰۴، طبعة بیروت) کیسا شاندار یہ بدلہ تھا اور کیسا حسین یہ انتقام تھا۔ جب بلالؓ بلند آواز سے یہ اعلان کرتا ہوگا کہ اے مکّہ والو! آؤ میرے بھائی کے جھنڈے کے نیچے

کھڑے ہو جاؤ تمہیں امن دیا جائے گا تو اُس کا دل خود ہی انتقام کے جذبات سے خالی ہوتا جاتا ہو گا اور اُس نے محسوس کر لیا ہو گا کہ جو انتقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تجویز کیا ہے اس سے زیادہ شاندار اور اس سے زیادہ حسین انتقام میرے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۱۲-۲۱۳۔ السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۱۱۶، طبعۃ بیروت)

یہ کتنا بڑا فخر ہے جو آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو بخشا کہ اس پر ظلم کرنے والے اس کی پناہ میں آنے سے بخشے جائیں گے۔ یہ پاک نمونہ بلاشبہ شرفِ انسانی کے قیام کی زبردست علمی شہادت ہے۔

فتح مکّہ پر عجز و انکسار کا عجیب منظر

ہمارے سید و مولیٰ ﷺ کے شہر میں داخل ہونے کا منظر بھی دیکھنے کے لائق تھا۔ شہر کا شہر اس عظیم فاتح کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب اور منتظر تھا۔ اہل شہر سوچتے ہوں گے کہ فاتح مکّہ آج فخر سے سر اونچا کیے شہر میں داخل ہو گا لیکن جب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شاہی سواری آئی تو وہاں کچھ اَور ہی منظر تھا۔ ربِ جلیل کا یہ پہلوان حفاظتی خود کے اوپر سیاہ رنگ کا عمامہ پہنے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھا اور سرخ رنگ کی یمنی چادر پہلو پر تھی۔ سواری پر پیچھے اپنے وفادار غلام زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو بٹھایا ہوا تھا۔ دائیں جانب ایک وفادار ساتھی حضرت ابوبکرؓ تھے اور بائیں جانب حضرت بلالؓ اور اُسید بن حضیرؓ انصاری سردار تھے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۴۷ ،۲، طبعۃ بیروت)

فتح مکّہ کے دن امن کے اعلانِ عام کی خاطر رسولِ خدا نے سفید جھنڈا لہرایا جب کہ بالعموم آپؐ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا ہوا کرتا تھا۔ مکّہ میں داخلہ کے وقت رسول اللہ ﷺ سورۃ الفتح کی آیات تلاوت فرما رہے تھے اور آپؐ کی سواری شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ (السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۱۲۲ و ۱۲۳، طبعۃ بیروت)

پھر وہ موڑ آیا جس سے مکّہ میں داخل ہوتے ہیں وہی موڑ، جہاں آٹھ سال پہلے مکّہ سے نکلتے ہوئے آپؐ نے وطن عزیز پر آخری نگاہ کرتے ہوئے اسے اس طرح الوداع کہا تھا کہ ’’اے مکّہ! تُو میرا پیارا وطن تھا اگر تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز نہ نکلتا۔‘‘
(سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی فضل مکۃ)

اس موقع پر مفتوح قوم نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے دن غرور اور تکبر کے کسی اظہار کی بجائے خدا کے وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ کر اس عظیم فاتح کا سر عجز و انکسار اور شکر کے ساتھ جھک رہا تھا حتّٰی کہ جھکتے جھکتے وہ اونٹنی کے پالان کو چھونے لگا دراصل آپؐ سجدۂ شکر بجالا رہے تھے اور یہ فقرہ زبان پر تھا: اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ کہ اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ دنیا کی فتوحات کی کیا حقیقت ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، الجزء ۱، صفحہ ۴۹۵، طبعۃ بیروت)

خانہ کعبہ میں آپؐ نے دو ستونوں کے درمیان دو نفل ادا فرمائے پھر باہر تشریف لا کر بیت اللہ کے دروازے اور حجرِاسود کے درمیان دو نفل ادا کیے پھر اندر تشریف لے گئے اور کافی دیر کھڑے دعا کرتے رہے حتّٰی کہ خانہ کعبہ کے ہر کونے میں کھڑے ہو کر آپؐ نے دعا کی۔ (السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۱۲۶، طبعۃ بیروت)

فتح مکّہ میں جانی دشمنوں سے عفو

حضور ﷺ طواف سے فارغ ہو کر جب بابِ کعبہ کے پاس تشریف لائے تو آپؐ کے تمام جانی دشمن آپؐ کے سامنے تھے۔ آپؐ نے اس جگہ وہ عظیم الشان تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ’’اے مکّہ والو! اب تم خود ہی بتاؤ مَیں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟‘‘ یہاں ذرا ٹھہریے اور دیکھیے رسول کریم ﷺ کن لوگوں سے مخاطب تھے؟ ان خون کے پیاسوں سے جن کے ہاتھ گذشتہ بیس سال سے مسلمانوں کے خون سے لالہ رنگ تھے۔ ہاں! مسلمان غلاموں کو مکّہ کی گلیوں میں گھسیٹنے والے، مسلمان عورتوں کو بے دردی سے ہلاک کرنے والے، مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے والے اور خود ہمارے آقا و مولیٰ کو تین سال تک ایک گھاٹی میں قید کر کے اذیتیں دینے والے، مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ان کی نعشوں کا مُثلہ کرنے والے، آپؐ کے چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والے، آپؐ کی صاحبزادی زینبؓ پر حملہ کر کے حمل ساقط کرنے والے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہیں کس سلوک کی توقع ہے تو کہتے ہیں: آپؐ جو چاہیں کر سکتے ہیں مگر آپؐ جیسے کریم انسان سے ہمیں نیک سلوک کی ہی امید ہے اس سلوک کی جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ کہ جاؤ تم سب آزاد ہو صرف میں خود تمہیں معاف نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے رب سے بھی تمہارے لئے عفو کا طلب گار ہوں۔ (السیرۃ الحلبیۃ، الجزء ۳، صفحہ ۱۴۱، طبعۃ بیروت)

نفس پر فتح حاصل کرنے کا دن

مشہور مستشرق سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) لکھتا ہے کہ اب وقت تھا کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) خونخوار فطرت کا اظہار کرتے۔ آپؐ کے قدیم ایذا دہندے آپؐ کے قدموں میں آن پڑے ہیں۔ کیا آپؐ اس وقت بے رحمی اور بیدردی سے ان کو پامال کریں گے۔ سخت عذاب میں گرفتار کریں گے یا ان سے انتقام لیں گے؟ یہ وقت اس شخص کے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہونے کا ہے۔ اس وقت ہم ایسے مظالم کے پیش آنے کی توقع کر سکتے ہیں جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور جن کا خیال کر کے اگر ہم پہلے سے نفرین و ملامت کا شور مچائیں تو بجا ہے مگر یہ کیا ماجرا ہے کیا بازاروں میں کوئی خونریزی نہیں ہوئی؟ ہزاروں مقتولوں کی لاشیں کہاں ہیں؟ واقعات سخت بیدرد ہوتے ہیں، کسی کی رعایت نہیں کرتے اور یہ ایک واقعی بات ہے کہ جس دن محمد ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی وہی دن آپؐ کی اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔ قریش نے سال ہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دیے تھے اور بے رحمانہ تحقیر و تذلیل کی مصیبت آپؐ پر ڈالی تھی۔ آپؐ نے کشادہ دلی کے ساتھ ان تمام باتوں سے درگذر کی اور مکّہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا۔ (Selection From the Kuran, Stanley Lane Poole; p 67. London 1879)

لیا ظلم کا عفو سے انتقام
عَلَیْكَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ السَّلَام

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمّد وَعَلٰی آلِ محمّد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ۔
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی محمّد وَعَلٰی آلِ محمّد کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ۔

☆...☆...☆

نظامِ آسمانی

نظامِ آسمانی کا بدل کوئی نہیں یارو
خلافت ہی نبوت کی فقط ہے جانشیں یارو

بتاتا ہے ہمیں ہر دم یہ استخلاف کا وعدہ
کہ مومن دائمی اس نور کے ہوں گے امیں یارو

خلافت وہ شجر ہے جس کے سائے میں سکینت ہے
یہیں پر امن پاتے ہیں پریشان و حزیں یارو

زمانہ ڈھونڈتا پھرتا ہے نسخہ امنِ عالم کا
خلافت کے سوا جو مل نہیں سکتا کہیں یارو

نوشتہ ہے خدا کا جس کو بدلا جا نہیں سکتا
رہے گی تا قیامت اب خلافت بالیقیں یارو

غموں کی آندھیوں میں اور حوادث کے اندھیروں میں
زمانے کے لیے ہے اب یہی حصنِ حصیں یارو

خدا نے فضل سے اپنے اگر نعمت یہ بخشی ہے
تو پھر لازم ہے سجدوں میں رہے اپنی جبیں یارو

خدا کی خاص بخشش پانچواں دورِ خلافت ہے
کہ جس میں پا رہا ہے دینِ حق فتح مبیں یارو

بہت مسرور ہے ہر دم ظفرؔ ان کی مریدی میں
جنہیں مولا نے بخشی بادشاہت بر زمیں یارو

(مبارک احمد ظفرؔ۔ یوکے)

بقیہ: فتح و نصرت کے مواقع پر عفو و درگزر......از صفحہ نمبر ۴۷

کی طویل اور سرکش ایذا رسانیاں اس بات پر منتج ہونی چاہئے تھیں کہ فاتح مکہ اپنے غیظ و غضب میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتا۔ لیکن محمد (ﷺ) نے چند مجرموں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا اور ماضی کی تمام تلخ یادوں کو یکسر بھلا دیا۔ ان کے تمام استہزا، گستاخیوں اور ظلم و ستم کے باوجود آپ نے اپنے سخت ترین مخالفین سے بھی احسان کا سلوک کیا۔ مدینہ میں عبداللہ اور دیگر منحرف ساتھی جو کہ سالہا سال سے آپ کے منصوبوں میں روکیں ڈالتے اور آپ کی حاکمیت میں مزاحم ہوتے رہے، ان سے درگزر کرنا بھی ایک روشن مثال ہے۔ اسی طرح وہ نرمی جو آپ نے اُن قبائل سے برتی جو آپ کے سامنے سرنگوں تھے۔ اور قبل ازیں جو فتوحات میں بھی شدید مخالف رہے تھے، ان سے بھی نرمی کا سلوک فرمایا۔ (The Life of Mahomet by William Muir, Vol.IV: pp.305-307)

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلقِ کامل، زہے حُسنِ تام
علیك الصلوۃ علیك السلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:
حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں اور دوسرے لوگوں پر بکلی فتح پا کر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دیکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا۔ اور صرف انہیں چند لوگوں کو سزا دی جن کو سزا دینے کے لئے حضرت احدیّت کی طرف سے قطعی حکم وارد ہو چکا تھا۔ اور بجز ان ازلی ملعونوں کے ہر یک دشمن کا گناہ بخش دیا اور فتح پا کر سب کو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (یوسف: ۹۳) کہا۔ اور اس عفو تقصیر کی وجہ سے کہ جو مخالفوں کی نظر میں ایک امر محال معلوم ہوتا تھا اور اپنی شرارتوں پر نظر کرنے سے وہ اپنے تئیں اپنے مخالف کے ہاتھ میں دیکھ کر مقتول خیال کرتے تھے۔ ہزاروں انسانوں نے ایک ساعت میں دین اسلام قبول کر لیا۔ (براہین احمدیہ۔ حصہ سوم۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۸۶-۲۸۷ بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱)

☆...☆...☆

جانی دشمنوں کے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی فتوحات کی دلربا کہانی

جنگی حالات میں ایفائے عہد کے متعلق اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کا نمونہ

(عبدالسمیع خان۔ استاد جامعہ احمدیہ کینیڈا)

جب دشمن وعدے پر وعدے توڑ رہا تھا اور تمام انسانی حقوق سے آپؐ کو محروم کر رہا تھا۔ اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ نہ صرف کیے گئے وعدے پورے کر رہے تھے بلکہ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق یہ بھی تقاضا کرتے تھے کہ وہ جو انسانی توقع کسی کو آپ سے ہوسکتی تھی اس کو بھی پورا فرما رہے تھے۔ اس طرح آپؐ نے عہد کے مضمون کو اپنے آخری کمال تک پہنچا دیا

انسانوں کا خالق اور مالک یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بندے آپس میں دست و گریباں ہوتے رہیں۔قرآن کریم کی سورۃ الانفال میں جہاں جنگی احکامات اور حالات کا ذکر ہے شروع میں ہی فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ (الانفال:۲) پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنے درمیان اصلاح کرو اور آپس میں صلح صفائی رکھو۔ لیکن اگر اختلاف اور لڑائی کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر صلح اور سلام میں پہل کرنے والا خدا کو زیادہ پسند ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ حدیث نمبر ۶۰۷۷) اور اگر خدا کو ماننے والے اور منکرین میں جنگ کی نوبت آجائے تو خدا کی اپنے مومن بندوں کو یہ تلقین ہے کہ وہ اس حالت میں بھی اعلیٰ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں (مائدہ:۳) ان اخلاق میں ایفائے عہد کو اللہ نے نمایاں شکل میں بیان کیا ہے اس بارے میں سب سے اکمل تعلیم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور سب سے برتر صورت میں آپؐ نے ہی عمل کر کے دکھایا۔

قرآنی تعلیمات

قرآن کریم نے ہر حال میں وفائے عہد پر زور دیا اور عہد توڑنے، بے انصافی کرنے اور ظلم کو سخت ناپسند کیا ہے۔فرمایا: اَوۡفُوۡا بِالۡعَھۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَھۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا۔ (بنی اسرائیل:۳۵) عہد پورا کرو کہ عہد کے بارہ میں پرسش ہوگی۔ وہ جو عہد کو توڑتے ہیں انہیں خٰسِرُوۡن فرمایا (البقرہ:۲۸) یعنی گھاٹا پانے والے۔ ان پر لعنت کی اور جہنم کی خبر دی۔ (الرعد:۲۶) حالتِ جنگ میں ایفائے عہد کے متعلق فرمایا۔ اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہو اور وہ تم سے لڑائی نہیں کرنا چاہتے تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا کوئی جواز نہیں۔ (النساء:۹۱) اگر کسی معاہد قوم کا فرد کسی مسلمان سے غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو اس کے اہل کو دیت دینا اور ایک مومن غلام کا آزاد کرنا لازم ہے۔ اور جس کو یہ توفیق نہ ہو تو دو مہینے متواتر روزے رکھنا ہوں گے۔ (النساء:۹۳) اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد مانگے تو ان کی مدد کرو لیکن اس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو تو پھر اجازت نہیں۔ (الانفال:۷۳) اور مشرکوں میں سے اگر کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلامِ الٰہی سن لے پھر اسے اس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دے (التوبہ:۶) اور اگر تُو کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر رکھتا ہو تو تُو اس طرح ان کا عہد ختم کر دے جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں (فریق اپنی پابندیوں سے) آزاد ہو۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۹)

یہ ایک خلاصہ ہے اس خوبصورت تعلیم کا جو نفرت کو محبت سے بدل سکتی ہے جس کے لیے خدا نے وعدہ کیا تھا اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ۔ (حٰم السجدۃ:۳۵) یعنی ایسی چیز سے دفاع کر کہ جو بہترین ہو۔ تب ایسا شخص جس کے اور تیرے درمیان دشمنی تھی وہ گویا اچانک ایک جاں نثار دوست بن جائے گا۔ اور واقعۃً اس تعلیم نے اور اس مجسم قرآن نے اپنے عمل سے جانی دشمنوں کو جاں نثاروں میں بدل دیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے مثالی نمونے

جو شخص آسمان اور زمین پر صادق اور امین ہو وہی سب سے بڑھ کر اس بات کا حقدار ہے کہ ایفائے عہد کرنے والا ہو کیونکہ صداقت اور امانت کے بغیر ایفائے عہد کا حق ادا کرنا ممکن نہیں اور اس معنیٰ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر عہدوں کو پورا کرنے والے اور وفادار تھے اور عہد کی یہ پابندی صرف عمومی حالات میں یا محض اپنے دوستوں تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کا دائرہ کار غیروں تک اور ان حالات میں بھی پہنچا ہوا تھا جب دشمن وعدے پر وعدے توڑ رہا تھا اور تمام انسانی حقوق سے آپؐ کو محروم کر رہا تھا۔ اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ نہ صرف کیے گئے وعدے پورے کر رہے تھے بلکہ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق یہ بھی تقاضا کرتے تھے کہ وہ جو انسانی توقع کسی کو آپ سے ہوسکتی تھی اس کو بھی پورا فرما رہے تھے۔ اس طرح آپؐ نے عہد کے مضمون کو اپنے آخری کمال تک پہنچا دیا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ جنگی حالات میں گزرا ہے۔ ایک تو وہ جنگ تھی جو دشمن نے آپؐ کے دعوئ نبوت کے ساتھ ہی یکطرفہ شروع کر دی تھی اور مسلسل تیرہ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا شکار بنایا جاتا رہا۔ ان حالات میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی امانتوں اور ان کے ساتھ کیے گئے عہدوں کو ادا کرتے رہے۔ مکہ سے مدینہ جانے کے بعد بھی رسول کریمؐ کی زندگی کے آخری مرحلے یعنی وفات سے دو سال پہلے ۹ہجری میں رسول اللہؐ کو غزوہ تبوک کے ایک لمبے اور کٹھن مرحلے سے گزرنا پڑا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے اندر وہ یہودی بھی تھے جو مسلسل غداری پر تلے ہوئے تھے لیکن اگر ان سے بھی کوئی عہد تھا تو خدا کے رسولؐ نے اس کو بھی پورا کیا اور اگر کسی طرح کوئی مسلمان اپنی مرضی سے ان کے حقوق کو تلف کرنا چاہتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ عہد کو پورا کرو۔

اس مضمون میں ہم چند ایسے ہی واقعات کا جائزہ لیں گے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر نارمل حالات میں بھی اور خاص جنگی حالات میں بھی دشمنوں کے ساتھ کیے گئے عہدوں کو وفا کر رہے تھے۔

مکہ کے یک طرفہ جنگی حالات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی میں معاہدہ حلف الفضول میں شرکت کی تھی جس کے سب شرکاء نے وعدہ کیا کہ ہم ہمیشہ ظلم کو روکیں گے اور مظلوم کی مدد کریں گے۔ اس عہد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی پاسداری کی۔ بلکہ سب سے بڑھ کر کی اور حقیقت میں ایفائے عہد کے شاندار نظارے بعثت کے بعد دکھلائے جب شدید دشمنوں اور ظالموں کے مقابل پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان اور عزّت کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے معاہدہ کے تحت مظلوموں کا حق دلوانے کی بھرپور سعی کی۔ اس کی تائید میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

اراش قبیلہ کا ایک فرد مکہ میں اونٹ بیچنے کے لیے لایا۔ ابوجہل نے اس سے اونٹ خریدا اور رقم ادا کرنے کے لیے ٹال مٹول کرنے لگا۔ وہ شخص دہائی دیتا ہوا قریش کے سرداروں کی مجلس میں پہنچ گیا۔ انہوں نے اس شخص سے استہزا کرتے ہوئے رسول اللہؐ کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ شخص تجھے حق دلا سکتا ہے۔ وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور اپنی داستان سنائی۔ رسول اللہؐ اسے ساتھ لے کر ابوجہل کی طرف چلے گئے۔ اور فرمایا اس شخص کا حق ادا کرو۔ وہ کہنے لگا میں ابھی اس کی رقم لے کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ رقم لے آیا۔ وہ شخص واپس جاتے ہوئے اہل قریش کی اسی مجلس کے پاس ٹھہرا اور کہا اللہ محمدؐ کو جزا دے مجھے میرا حق مل گیا۔ ایک شخص نے ابوجہل کے متعلق سارا واقعہ بیان کیا تو سب سخت حیران ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد ابوجہل آیا تو سب نے اسے لعن طعن کی۔ اس نے کہا جب مَیں محمد کے بلانے پر باہر آیا تھا تو میں نے دیکھا کہ محمد کے پیچھے قوی الجثہ خوفناک زبردست جبڑوں والا اونٹ ہے اور اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے نگل جاتا (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۶۹ قصۃ الاراشی داراحیاء التراث العربی بیروت) اس اَن کہی جنگ میں ابوجہل ہار گیا اور اخلاق محمدی جیت گئے۔ بظاہر کمزوری کے باوجود اللہ پر توکل کر کے ایفائے عہد کرنا آج بھی کمزور قوموں کے لیے اعلیٰ مثال ہے۔

مکہ کے لوگ برکت لینے کے لیے کبھی کبھی خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی شدید مخالفت کے مکی دَور میں ایک بار آنحضرت ﷺ نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر جانے کا ارادہ کیا تو کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ نے آپؐ کو روک دیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ خانہ کعبہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور مَیں جسے چاہوں گا دوں گا۔ یہ بات سن کر عثمان نے قہقہہ لگایا ہوگا۔ کفار نے مذاق اڑایا ہوگا۔ مگر آسمان کے خدا نے جو خبر رسول کریم ﷺ کو دی تھی وہ وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور فرمایا عثمان کو بلایا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے اس سے بیت اللہ کی کنجیاں منگوائیں۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے چابیاں رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں۔ حضرت علیؓ کی یہ درخواست گزاری تھی کہ آئندہ سے کلید برداری کی عزت بنوہاشم کو عطا کی جائے مگر رسول اللہ ﷺ نے عثمان سے فرمایا آج کا دن احسان اور وفا کا دن ہے۔ اور اے عثمان! مَیں یہ چابیاں ہمیشہ کے لیے تیرے اور تیرے خاندان کے سپرد کرتا ہوں اور سوائے ظالم کے تم سے کوئی یہ چابیاں نہیں چھینے گا۔

عثمان صلح حدیبیہ کے زمانے میں کچھ عرصہ قبل اسلام قبول کر چکا تھا مگر رحمت کی تیز دھار جب اس کے دل پر پڑی تو اس کا سر ادب اور احسان کے بوجھ سے جھک گیا اور اس نے ایک دفعہ پھر صدق دل سے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام و سیرۃ حلبیہ)۔ آج بھی یہ چابیاں عثمان کے خاندان میں موجود ہیں۔

ہجرت مدینہ کے وقت دشمن اور ظالم قوم کی امانتوں کو ادا کرنے لیے اپنے بھائی کی جان کو داؤ پر لگا دینا بھی وعدہ وفائی کی انتہا ہے۔ ہجرت مدینہ کا سفر بھی جنگی حالت کا ہی نمونہ تھا۔ سراقہ بن مالک تعاقب میں ناکام ہوگیا تو اس نے رسول اللہؐ کو آواز دی اور کہا کہ آپؐ مجھے امن کی تحریر لکھ دیں۔ اسے وہ تحریر لکھ دی گئی جب سراقہ واپس لوٹنے لگا۔ تو آپؐ نے اسے فرمایا: سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے؟ کہاں عرب کے صحرا کا ایک بدوی اور کہاں کسریٰ شہنشاہ ایران کے کنگن! وہ زندگی اور کسریٰ کے کنگنوں کا وعدہ پا کر لوٹ گیا۔ آٹھ سال بعد حضور ﷺ جنگ حنین سے فارغ ہوئے۔ آپ اونٹنی پر سوار انصار کے ایک گھوڑسوار دستے کے حفاظتی حصار میں تھے، وہ سراقہ کو پیچھے ہٹاتے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کر کے وہ تحریر رسول اللہ ﷺ کو دکھائی اور کہا میں سراقہ ہوں اور یہ آپؐ کی تحریر امن ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: آج کا دن عہد پورا کرنے اور احسان کا دن ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا سراقہ کو میرے پاس لایا جائے۔ سراقہ آپ کے قریب ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸۹)

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد وعدہ وفائی کی شان دیکھو کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن بھی غنیمت کے مال کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے

سراقہ کو بلایا اور اپنے سامنے اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن جو بیش قیمت جواہرات سے لدے ہوئے تھے پہنائے۔ (اسد الغابہ، ذکر سراقہ)

میثاقِ مدینہ

سیاسی امن کے لیے رسول اللہؐ کے معاہدات بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ جب آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں اور یہود کے مابین امن کا معاہدہ ہوا اور اس کے آغاز میں لکھا گیا کہ مسلمان اور یہودی (سیاسی لحاظ سے) امتِ واحدہ ہیں، سب مل کر رہیں گے اور مل کر دشمن کے حملہ کا جواب دیں گے۔ (عہد نبوی کا نظام حکمرانی صفحہ ۹۹۔ از ڈاکٹر حمید اللہ) نبی کریمؐ نے ہمیشہ اس معاہدہ کا احترام کیا۔ ایک قتل کے مقدمے میں مسلمانوں کے مقابلے پر یہودیوں کے حق میں فیصلہ کیا۔ (بخاری کتاب الجہاد) یہود کو مذہبی آزادی دی اور بعض مسلمانوں نے جب حضرت موسیٰؑ پر رسول کریمؐ کی فضیلت و برتری ظاہر کی تو آپؐ نے معاہد قوم کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت مت دو تا کہ اس کے نتیجے میں مدینہ کی امن کی فضا خراب نہ ہو۔ (بخاری کتاب الخصومات باب مایذکر فی الاشخاص واالخصومة بین المسلم والیهود حدیث نمبر ۲۴۱۱)

رسول کریمؐ نے فرمایا جو شخص بغیر کسی جائز وجہ کے کسی معاہدہ کرنے والے کو قتل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الوفاء للمعاہد حدیث نمبر ۲۷۶۰) نیز فرمایا: لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (مسند احمد حدیث نمبر ۱۲۴۱۰) جس کو امانت کا پاس نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس کو عہد کا پاس نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔

مفتوح اقوام سے سلوک

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوح اقوام کی جان، مال اور عزت کو بھی امانت ہی سمجھا اور وعدہ کی پاسداری کی۔ فتح خیبر کے بعد ایک یہودی سردار نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بعض مسلمانوں کی شکایت کی کہ وہ ہمارے جانور ذبح کر کے کھا رہے ہیں اور ہمارے پھل اجاڑ رہے ہیں اور عورتوں پر سختی کر رہے ہیں۔ وہ یہودی سردار رسول اللہؐ کے عدل و انصاف پر بھروسہ کر کے آیا تھا اور اس کی یہ توقع پوری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً صحابہؓ کو اکٹھا کر کے تقریر فرمائی اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں بلا اجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہونے کی اور ان کے پھل کھانے کی اجازت نہیں دیتا جبکہ وہ حق ادا کر رہے ہوں جو ان کے ذمہ ہے۔ (السیرۃ المحمدیہ صفحہ ۳۲۸)

نبی کریمؐ نے یہودی جنازوں کا بھی احترام کیا اور ان کا جنازہ آتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب من قام لجنازۃ یهودی حدیث نمبر ۱۳۱۲) مسلسل عہد شکنی کے نتیجے میں بالآخر ان کو مدینہ بدر کرنا پڑا لیکن رسول اللہؐ پر کسی یہودی کو عہد شکنی کا الزام تک لگانے کی جرأت نہ ہوئی۔

حیرت انگیز مثالیں

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ مَیں غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکا اس کی وجہ یہ تھی کہ مَیں اور میرا ایک ساتھی ابو حُسیل سفر میں تھے کہ کفار مکہ نے ہمیں پکڑ لیا کہ تم محمدؐ کے پاس جا رہے ہو (تا کہ آپؐ کے لشکر میں شامل ہو جاؤ) ہم نے کہا ہم تو مدینہ جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہم سے یہ عہد لے کر چھوڑا کہ ہم مدینہ چلے جائیں گے اور کفار کے خلاف لڑائی میں شامل نہ ہوں گے۔ یہ عہد گو جارحانہ حملہ آوروں نے جبراً لیا تھا اور کسی معروف ضابطہ اخلاق میں اس کا ایفاء لازمی نہیں تھا مگر رسول اللہ ﷺ کو عہد کا اتنا پاس تھا کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ ایک ایک سپاہی کی ضرورت تھی آپؐ نے فرمایا: ''تو پھر تم جاؤ اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہم اللہ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور اسی کی نصرت پر ہمارا بھروسہ ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر باب الوفاء بالعهد حدیث نمبر ۳۳۴۲)

آپؐ نے گلہ بانوں کو بھی اپنے عمل سے وفاداری اور ایفائے عہد کی تعلیم دی۔ جن دنوں اسلامی افواج نے خیبر کا محاصرہ کیا ہوا تھا ایک یہودی رئیس کا گلہ بان مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ! مَیں تو اب ان لوگوں میں نہیں جا سکتا لیکن میرے پاس اپنے یہودی آقا کی جو بکریاں ہیں ان کے متعلق حضورؐ کا کیا ارشاد ہے۔ وہ بھوک اور فاقے کے ایام میں تھے مگر آپ نے چرواہے کا عہد پورا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: بکریوں کا منہ یہودی قلعہ کی طرف کر دو اور ان کو ادھر ہانک دو۔ اللہ تعالیٰ خود انہیں ان کے مالک کے پاس پہنچا دے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بکریاں قلعے کے پاس پہنچ گئیں جہاں سے قلعہ والوں نے انہیں اندر داخل کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۵۸)

ایلچی اور قاصد بھی ایک قوم کی امانت اور عہد کا نشان ہوتے ہیں۔ ابو رافع قبطی بیان کرتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھجوایا۔ رسول کریمؐ کو دیکھ کر میرے دل میں اسلام کی سچائی گھر کر گئی۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مَیں قریش کی طرف لوٹ کر واپس نہیں جانا چاہتا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: مَیں عہد شکنی نہیں کرتا۔ تم اس وقت بہرحال واپس چلے جاؤ پھر اگر بعد میں یہی ارادہ ہو کہ اسلام قبول کرنا ہے تو واپس آ جانا۔ چنانچہ یہ قریش کے پاس لوٹ کر گئے اور بعد میں آ کر اسلام قبول کیا۔ (سنن ابو داؤد۔ کتاب الجہاد باب الامام یستجن به فی العهود حدیث نمبر ۲۷۵۸)

۱۰ھ میں مسیلمہ کذاب نے جب رسول اللہ کے پاس قاصد بھیجے تو انہوں نے آنحضور ﷺ سے گستاخانہ گفتگو کی۔ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا روا ہوتا تو مَیں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الرسل باب فی الامام یتعبن به فی العهوم حدیث نمبر ۲۷۵۸)

فتح حدیبیہ

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں زیر تحریر تھیں اور آخری دستخط نہ ہوئے تھے مسلم حضرت ابو جندلؓ پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادی ہوئے۔ تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ابو جندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد حدیث نمبر ۲۷۳۱۔ ۲۷۳۲) ابو جندل کو پھر اذیت ناک قید میں ڈال دیا گیا۔ معاہدہ کے بعد بھی بعض مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے تو رسول کریمؐ نے معاہدہ کے مطابق انہیں مکہ واپس بھجوا دیا۔ مگر یہ شرط خود مکہ والوں کے لیے وبالِ جان بن گئی کیونکہ معاہدہ کے بعد مکہ سے مدینہ آنے والے ایک بہادر مسلمان ابو بصیرؓ کو جو مشرک گرفتار کر کے مدینہ سے دوبارہ مکہ لے جا رہے تھے، راستے میں وہ ان کو قتل کر کے رہائی پانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر ابو بصیرؓ نے واپس مدینہ آنے کی بجائے ساحل سمندر کے قریب اپنا اڈا بنا لیا جہاں دیگر مسلمان بھی مکہ سے آ کر اکٹھے ہونے لگے اور ایک جمعیت بن کر اہل مکہ کے لیے خطرہ بن گئے۔ جس پر مکہ والے خود یہ شرط چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

معاہدہ حدیبیہ کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ کرنے مکہ آئیں گے اور تین دن کے اندر مکہ کو خالی کر دیں گے۔ چنانچہ اگلے سال جب نبی کریمؐ عمرہ قضا کے لیے مکہ آئے تو قریش نے مکہ خالی کر دیا۔ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں اور سہیل بن عمرو مکہ میں رہے تا کہ تین دن کے بعد مسلمانوں سے حسب معاہدہ مکہ خالی کروا سکیں جب تین دن گزر گئے تو ہم نے رسول اللہؐ کو یاد کروایا کہ آج شرط کے مطابق مسلمانوں کو مکہ خالی کرنا ہو گا۔ آنحضورؐ نے اسی وقت بلال کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دیں کہ آج غروب آفتاب کے بعد کوئی مسلمان جو ہمارے ساتھ عمرہ کرنے مکہ آیا ہے مکہ میں نہ رہے اور بڑی سختی سے اس کی پابندی کی گئی۔ (مستدرک حاکم کتاب معرفۃ الصحابہ باب حویطب حدیث نمبر ۶۰۸۴)

اسی معاہدہ کے دوران شہنشاہ روم ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا تبلیغی خط ملنے پر اپنے دربار میں سردار قریش ابوسفیان کو بلا کر جب بغرض تحقیق کچھ سوالات کیے تو یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا اس مدعی رسالت نے بھی کوئی بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان رسول اللہؐ کا جانی دشمن تھا مگر پھر بھی اسے ہرقل کے سامنے تسلیم کرنا پڑا کہ آج تک انہوں نے ہم سے کوئی بدعہدی نہیں کی۔ البتہ آجکل ہمارا اس سے ایک معاہدہ (حدیبیہ) چل رہا ہے دیکھیں وہ کیا کرتا ہے۔ ابوسفیان کہتا تھا کہ میں ہرقل کے سامنے اس سے زیادہ اپنی طرف سے کوئی بات اپنی گفتگو میں حضور کے خلاف داخل نہ کر سکا تھا۔ (بخاری باب بدء الوحی حدیث نمبر ۷)

خدا کی تقدیر دیکھیے کہ رسول کریمؐ نے معاہدہ حدیبیہ کی ایک ایک شق پر عمل کر کے دکھایا۔ معاہدہ توڑنے کے مرتکب بھی پہلے قریش ہی ہوئے اور پھر عہد شکنی کا انجام بھی ان کو بھگتنا پڑا۔ جب کہ رسول کریمؐ نے ایفائے عہد کی برکات سے حصہ پایا اور سب سے بڑی برکت فتح مکہ کی صورت میں آپ کو عطا ہوئی۔ صلح کے زمانے میں مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابیاں دیکھ کر قریش نے معاہدہ امن توڑنا چاہا اور قریش مکہ کے ایک گروہ نے اپنے حلیف بنو بکر سے ساز باز کر کے ایک تاریک رات میں مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان کے کئی آدمی نہایت بے دردی سے قتل کر دیے گئے۔ قبیلہ بنو خزاعہ کا چالیس شتر سواروں کا ایک وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کے طالب ہوئے۔ آپؐ نے ایفائے عہد کے جذبہ سے سرشار ہو کر فرمایا: تم محمد کو عہد پورا کرنے والا اور باوفا پاؤ گے۔ تم دیکھو گے کہ جس طرح مَیں اپنی جان اور بیوی بچوں کی حفاظت کرتا ہوں اسی طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔ (السیرۃ الحلبیہ باب فتح مکہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۳) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے بنو خزاعہ کے ساتھ کیا گیا عہد پورا فرمایا اور دس ہزار قدوسیوں کو ساتھ لے کر ان پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ کی شاندار فتح عطا فرمائی۔

رسول کریمؐ نے تو مسلمان عورت کے عہد کا بھی پاس کیا۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے فتح مکہ کے موقع پر رسول کریمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے اپنے سسرال کے بعض مشرک لوگوں کو پناہ دی ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ اس کے خلاف تھے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: اے ام ہانی! جسے تم نے امان دے دی اسے ہم نے امان دی۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی امان المَرْأَة حدیث نمبر ۱۷۶۳)

عیسائیوں سے ایفائے عہد

فتح مکہ کے بعد جن مختلف قبائل عرب نے مدینہ آ کر صلح و امن کے معاہدے کیے ان میں نجران اور یمن کے عیسائی بھی تھے۔ نجران کے عیسائیوں نے معاہدہ صلح کے بعد رسول کریمؐ سے درخواست کی کہ اس معاہدہ کے ایفاء کے لیے آپؐ اپنا کوئی ایسا نمائندہ مقرر کریں جو دیانتداری سے معاہدہ کی شقوں پر عمل کروائے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو ''امین الامت'' کا خطاب دیتے ہوئے تکمیل معاہدہ کے لیے نگران مقرر فرمایا اور انہوں نے ایفائے عہد کا حق ادا کر دکھایا۔ (بخاری کتاب المغازی بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ حدیث نمبر ۴۳۸۰) اس کے علاوہ بھی رسول اللہؐ نے متعدد معاہدے کیے اور ہر ایک کو نہایت عمدگی سے نبھایا اور کسی کو انگلی اٹھانے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔

دین میں کوئی جبر نہیں

آپؐ نے اعلان اور وعدہ فرمایا تھا: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: ۱۱۱) کہ مَیں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ اور حالتِ جنگ میں یہ بھی فرمایا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۷) دین میں کوئی جبر نہیں۔ اس وعدہ کو ہمیشہ پورا کیا۔ کسی فرد کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ عام تمدنی اور معاشرتی تعلقات میں کسی قوم کا فرق نہیں کیا سب کو سلام کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الاستیذان) غیر مسلم مہمان کو سات بکریوں کا دودھ پلایا اور اپنے اہل خانہ کو بھوکا رکھا۔ (ترمذی کتاب الاطعمہ) یہودی عورت کی دعوت بھی قبول کی جس نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ (السیرۃ الحلبیہ) ایک یہودی مخیریق کے باغ کا تحفہ بھی قبول کیا۔ (روض الانف جلد ۲ صفحہ ۱۴۳) یہودی بیمار نوجوان کی عیادت بھی کی۔ (بخاری کتاب الجنائز باب عیادۃ المشرك) بدر میں مقتول دشمنوں کو دفن کرایا۔ (بخاری کتاب المغازی) خندق میں ہلاک ہونے والے سردار نوفل کی لاش کو واپس کرنے کے لیے کفار نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی مگر آپ نے بغیر کسی رقم کے واپس کر دی۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۷۳) یہودیوں سے لین دین اور قرض کا سلسلہ بھی جاری رہا اور بوقت وفات بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ (بخاری کتاب المغازی) مخالفین، بدوؤں اور یہودیوں کی سختی اور بدتمیزی بھی برداشت کی۔ مدینہ کے دو یہودی قبیلوں بنو قینقاع اور بنو نضیر کو ان کے جرائم کی پاداش میں جلاوطن کیا تو سارا سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی حتیٰ کہ ان کے وہ بچے بھی جو نذر کے طور پر یہودی بنائے گئے تھے اور درحقیقت یہودی نہ تھے وہ بھی ساتھ لے گئے۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد بَابٌ فِي الْأَسِيرِ يُكْرَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ حدیث نمبر ۲۶۸۲)

ایفائے عہد کا بلند پرچم۔ خلفائے راشدین کے نمونے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال صرف یہ نہیں کہ آپؐ نے ایفائے عہد کے شاندار نمونے قائم کیے اور کہانی ختم۔ بلکہ آپؐ نے ایک ایسی امت کی بنیاد ڈالی جس نے ایفائے عہد کا عَلَم بلند رکھا اور دشمنوں کے دلوں پر نہ صرف گہرے نقوش چھوڑے بلکہ ان کے دلوں میں اسلام کو راسخ کرتے چلے گئے۔ آیئے خلفائے راشدین کے چند واقعات ملاحظہ کریں۔

پروفیسر تھامس واکر آرنلڈ (Thomas Walker Arnold) اپنی کتاب The Preaching of Islam میں صحابۂ رسولؐ کی جنگوں کے لائحہ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لڑائیوں کے زمانہ میں اسلامی فاتحین کا ضبط طبیعت اور رحم ایسا تھا جس نے لوگوں میں اہلِ اسلام کا نہایت وقار پیدا کیا ہوگا اور ان پر فرض کر دیا ہوگا کہ لشکرِ اسلام کے استقبال کے لیے آگے بڑھیں۔ یہ لشکر ان انصاف واعتدال کے اصولوں کا پابند تھا جن کو حضرت ابوبکرؓ نے ابتدائی معرکہ شام میں پابندی کے لیے اس طرح نافذ فرمایا تھا کہ انصاف کرنا۔ وعدہ خلافی نہ کرنا۔'' (دعوتِ اسلام صفحہ ۶۶، مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۴ء)

۱۳ھ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایرانیوں کے ساتھ جنگ نمارق میں سالارِ اسلام صحابیٔ رسولؐ حضرت ابو عبیدہؓ نے دشمن سالار جابان کو شکستِ فاش دی اور وہ زندہ گرفتار ہو گیا لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا وہ اسے پہچانتا نہ تھا۔ اِس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی۔ بعض مسلمانوں نے اسے پہچان کر دوبارہ گرفتار کرا دیا مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے اس سے بدعہدی نہیں کی جا سکتی۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۶۳۵)

ایرانیوں کا ایک سردار ہرمزان نامی تھا۔ مسلمانوں نے اسے شکست دی تو اس نے اطاعت قبول کر لی۔ مگر کئی دفعہ بغاوت کی یہاں تک کہ آخری بار شکست کھا کر اس نے کہا کہ مَیں صلح کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ مجھے مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے بدعہدی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا مجھے پیاس لگی ہے۔ پانی لایا گیا تو پیالہ پکڑ کر کہنے لگا آپ مجھے پانی پینے کی حالت میں قتل کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب تک تم یہ پانی نہ پی لو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ یہ سُنتے ہی اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ مَیں اسے پیتا ہی نہیں۔ اب آپ مجھے وعدہ کے مطابق قتل نہیں کر سکتے۔ ایک عمومی رنگ میں بات کی گئی جسے دشمن توڑ مروڑ کر فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کا کردار یہ تھا کہ آپؓ نے فرمایا تم نے مجھے دھوکہ دیا تھا مگر مَیں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ بدعہدی کے مقابلے میں عہد کی پابندی اور قدرت رکھنے کے باوجود عفو اور احسان کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (العقد الفرید لابن عبد ربہ جز نمبر ا صفحہ ۱۲۵ کتاب الفریدۃ فی الحرب باب المکیدۃ فی الحرب)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایرانیوں کے ساتھ جنگیں ہو رہی تھیں۔ مسلمان شہر باج کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور شہر فتح ہونے کے قریب تھا کہ کفّار نے عین جنگ کے دَوران میں دھوکے سے ایک حبشی غلام مسلمان سے معاہدہ کر لیا اور انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے۔ جب لشکر آگے بڑھتا کہ قلعے میں داخل ہو تو انہوں نے کہا ہمارا تو تم سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ کمانڈر نے کہا میرے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا انہوں نے کہا ہم نے ایک حبشی سے معاہدہ کر لیا تھا اور اس نے بعض شرائط پر ہمیں امن دے دیا تھا۔ کمانڈر نے کہا اُسے معاہدے کا کیا اختیار تھا۔ جب یہ اختلاف بڑھا تو اسلامی فوج کے کمانڈر نے حضرت عمرؓ کو یہ تمام واقعہ لکھ دیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے وفائے عہد کو بڑی عظمت واہمیت دی ہے۔ سو تم اس عہد کو پُورا کرو اور اس وقت تک اس عہد پر قائم رہو جب تک کہ فریق ثانی خود اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۲۵۶۸۔ تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۳۴ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۹)

رومیوں کی گواہی

حضرت عمرؓ کے دَور میں رومیوں سے جنگیں ہو رہی تھیں کہ ایک جنگ میں رومی شکست کھا کر قیصرِ روم کے پاس انطاکیہ جا پہنچے۔ ہرقل نے ان سے پوچھا مسلمان تمہارے جیسے انسان ہیں تم تعداد میں ان سے زیادہ ہو پھر تمہاری شکست کا کیا سبب ہے۔ لشکر کے سرداروں میں سے ایک بوڑھے نے جواب دیا مسلمان اِس لیے غالب آتے ہیں کہ وہ راتوں کو جاگ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ دن کو خدا کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔ کوئی عہد کریں تو اسے وفا کرتے ہیں... مگر ہم لوگ ہیں کہ شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کاری کرتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں... تو ہم لوگ کس طرح غالب آ سکتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۵)

اہلِ فارس کی گواہی

روم کے ساتھ ساتھ دوسری بڑی طاقت ایران تھا۔ مسلمان بیک وقت خلافتِ راشدہ کی راہنمائی میں اور صحابہؓ کی سالاری میں ان دونوں کے ساتھ نبرد آزما تھے مگر ان کی اصل فتح تو اخلاقی قوّتوں کی تھی۔ اہل روم کے بعد اب اہلِ فارس کی گواہی بھی سُن لیجیے۔ ۲۲ھ میں ایرانی مہمات کے دَوران جب ایرانی فوجیں ہر محاذ سے پسپا ہو رہی تھیں تو یزدگرد شاہِ ایران نے چین کے بادشاہ سے مدد طلب کی۔ قاصد نے مسلمانوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلمان وعدہ کی پابندی کرتے ہیں۔ لڑنے سے پہلے صلح کی طرف بلاتے ہیں۔...ایسی صفات کا تذکرہ سُن کر شاہِ چین مرعوب ہو گیا تو اس نے یزدگرد کو لکھا کہ مَیں تجھے بہت بڑا لشکر بھیج سکتا ہوں مگر وہ قوم جس کی صفات تیرے قاصد نے بیان کی ہیں اگر یہ پہاڑوں کو گرانے کا ارادہ کرے گی تو ان کو بھی گرا دے گی۔ اِس لیے تم ان سے صلح کر لو اور ہتھیار ڈال دو۔'' (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)

۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ذمّیوں کے ایک وفد سے پوچھا گیا کہ شاید مسلمان تم کو ستاتے ہوں گے تو سب نے ہم آواز ہو کر کہا: مَا نَعۡلَمُ اِلَّا وَفَاءً وَحُسۡنَ مَلَکَۃٍ۔ ہم پابندیٔ عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ ۱۹۳۹ء)

اور اسی صداقت پر شام کے عیسائیوں نے مُہرِ تصدیق ثبت کی۔ حضرت عمرؓ جب شام گئے تو اذرعات کے عیسائی اپنے طریقِ استقبال کے مطابق خوشی سے ہاتھوں میں تلواریں لیے پھول برساتے اور باجے بجاتے ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آ گئے۔

امن عالم کا چارٹر

آج کل انسان عالمی امن کے لیے پریشان ہے۔ ہر وہ قدم جو امن کے لیے اٹھایا جاتا ہے وہ مزید بدامنی پیدا کرتا ہے اور یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ان میں سے ایک بنیادی خلق عہد کی پابندی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر مومنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ۔ پس اگر ان میں سے ایک دوسری کے خلاف سرکشی کرے تو جو زیادتی کر رہی ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل سے صلح کرواؤ اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی بھائی ہی ہوتے ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الحجرات: ۱۰ و ۱۱) اس میں براہ راست مومنوں سے خطاب ہے لیکن دراصل تمام نوع انسانی کو سبق دیا جا رہا ہے کیونکہ صلح اور انصاف کے لیے ایفائے عہد پہلا مرحلہ ہے

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے!!
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

(درثمین صفحہ ۱۸)

بقیہ: حکایات ایثار و قربانی......از صفحہ نمبر ۲۳

وہ بخوبی اس حقیقت سے آشنا تھے کہ اگر ایک طرف انہوں نے مال، وسائل اور دنیاوی فوائد کی قربانی دی ہے، تو دوسری طرف انہیں ایمان، روحانیت، قربِ الٰہی اور محبتِ خداوندی جیسی عظیم نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ پس ان کی اخلاص بھری قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی رضا کا اعلان فرما دیا اور صحابۂ کرامؓ کی ان قربانیوں کا سب سے بڑا ثمر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، روحانی ترقی اور دائمی روحانی کامیابی کا حصول بن گیا۔

ان قربانی کی راہوں پر جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پوری جواں مردی سے گامزن تھے وہیں عورتیں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں تھیں۔ مدینے کی عورتوں کے صبر اور رضائے الٰہی کے نمونے کے حوالے سے بھی ایک مثال پیش ہے۔

غزوہ اُحد کے موقع پر مدینہ میں جب یہ افواہ پھیلی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو دوسری عورتوں کے ساتھ حضرت ہندؓ بھی گھبرائی ہوئی گھر سے نکلیں۔ صحابہ کرامؓ تعزیت کی غرض سے ان صحابیہ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ آپ کے خاوند، بھائی اور والد جنگ احد میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ یقیناً یہ تمام خبریں ہی ایسی تھیں جو کسی مضبوط سے مضبوط انسان کی کمر ہمت توڑنے کے لیے کافی تھیں لیکن ان صحابیہ کا عجیب نمونہ تھا کہ جب بھی انہیں ان کے کسی نہایت عزیز رشتے دار کی شہادت کی خبر دی جاتی تو وہ ہر مرتبہ یہ پوچھتیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ رسول کریم ﷺ کہاں ہیں؟ کیا آپؐ خیریت سے ہیں؟ جب لوگوں نے بتایا کہ ہاں الحمد للہ آپؐ ٹھیک ہیں تب بھی اپنے پیاروں کی خبر گیری کرنے کی بجائے انہوں نے بڑے اصرار سے یہ کہا کہ نہیں پہلے مجھے دکھاؤ کہ حضورؐ کہاں ہیں؟ لوگوں نے جب ان کو رسول کریم ﷺ کی طرف اشارہ کر کے دکھایا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں تو بے اختیار وہ پکار اٹھیں کہ کُلُّ مُصِیۡبَۃٍ بَعۡدَکَ جَلَلٌ یعنی اگر آپؐ خیریت سے ہیں تو پھر ہر مصیبت آپ ﷺ کے بعد معمولی ہے۔ (سیرت ابن ہشام مطبع مصطفیٰ البابی بمصر ۱۹۵۵ جزء ۲ صفحہ ۹۹)

حضرت مصلح موعودؓ ان صحابیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام میں اس بہادری کی مثالیں بہت کثرت سے ملتی ہیں۔ دنیوی لوگوں میں تو کروڑوں لوگوں اور سینکڑوں ملکوں میں سے ایک آدھ ایسی مثال مل سکے گی مگر چند ہزار صحابہ میں سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی وہ مثال ہے جو ایک عورت سے تعلق رکھتی ہے اور جسے میں نے پہلے بھی بارہا سنایا ہے اور جو اس قابل ہے کہ ہر مجلس میں سنائی جائے اور اس کی یاد کو تازہ رکھا جائے ...اس کے تو دل پر بھی کوئی صدمہ نہ تھا اور یہ ایسی شاندار مثال ہے کہ دُنیا کی تاریخ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتی اور بتاؤ اگر ایسے لوگوں کے متعلق یہ نہ فرمایا جاتا کہ مِنۡہُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ تو دُنیا میں اَور کونسی قوم تھی جس کے متعلق یہ الفاظ کہے جاتے۔ میں جب اس عورت کا واقعہ پڑھتا ہوں تو میرا دل اس کے متعلق ادب اور احترام سے بھر جاتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس مقدس عورت کے دامن کو چھوؤں اور پھر اپنے ہاتھ آنکھوں سے لگا لوں کہ اس نے میرے محبوب کے لیے اپنی محبت کی ایک بے مثل یادگار چھوڑی ہے۔'' (خطبات محمود جلد ۲۰ صفحہ ۵۴۲۔۵۴۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام صحابہ کرام کی عظیم قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''انہوں نے کبھی اس بات کی پروا بھی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہے کہ خدا کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں۔

مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی بابرکت وہ قوم تھی اور آپ کے قوت قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔'' (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۱۳۳ ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

☆...☆...☆

حکایات ایثار و قربانی

(غزوات اور سرایا میں صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے مثال قربانیاں)

(ولید احمد۔ متخصص تاریخ وسیرت جامعہ احمدیہ جرمنی)

’’انہوں نے کبھی اس بات کی پروا بھی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہے کہ خدا کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں‘‘ (حضرت مسیح موعودؑ)

خوشی اور غم زندگی کے دو پہلو ہیں، اور ان میں سے ہر ایک ہی ہمیں کچھ نہ کچھ سکھاتا ہے۔خوشی شکر گزار ہونا سکھاتی ہے، اور غم صبر کا سبق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ دونوں کیفیات اس لیے مہیا کی ہوئی ہیں کہ یہ ہمیں نہ صرف زندگی گزارنے کے سلیقے اور اسلوب سکھاتی ہیں، بلکہ یہ زندگی کے سفر کو جاری رکھنے کے لیے بنیاد کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ اگر ہم ایک لمحے کے لیے کسی ایسے معاشرے کا تصوّر کریں جس میں ہر انسان آزاد ہو، خوش ہو، مال و دولت کی فراوانی ہو، کسی قسم کا غم فکر پریشانی کا تصوّر بھی موجود نہ ہو، کوئی خوف، کوئی بیماری، کوئی دکھ موجود نہ ہو تو دوسرے ہی لمحے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسے حالات میں دنیا کے معاملات کس طرح چلیں گے۔ کوئی بھی شخص کیونکر اپنے آرام دہ گھر اور بستر کو چھوڑ کر کسی کام، کسی پیشے، کسی علم کو سیکھنے کے لیے باہر نکلے گا کیونکہ یہ غم دوراں کے معاملات ہی تو ہیں جو انسانوں کو خوب سے خوب تر کی تلاش میں باہر نکلنے پر مجبور کرتے ہیں، خوشیوں کو غموں میں اور تکلیفوں کو آسانیوں میں بدلنے کی جدوجہد پر آمادہ کرتے ہیں اور اسی کا نام زندگی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: انسان انسان کی حیثیت سے کسی نہ کسی دکھ اور تردّد میں ہوتا ہے مگر جس قدر قربِ الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے اور تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ سے رنگین ہوتا جاتا ہے اسی قدر اصل سکھ اور آرام پاتا ہے۔ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۱، ۲۲، ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

پس حقیقی سکھ اور آرام انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کے نتیجے میں ہی حاصل ہوا کرتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک دانا انسان اللہ تعالیٰ کے احسانات ملنے پر اس کا شکر ادا کرے اور اس کے فضلوں پر خوش ہو لیکن جب بھی کوئی تکلیف آئے تو ابتلاؤں کے وقت بھی وہ ہر قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ تاریخ کے اوراق میں قربانی، صبر اور استقامت کی سب سے روشن مثالیں اگر کسی زمانہ میں تلاش کی جا سکتی ہیں تو ان کے کامل ترین نمونے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں میں نظر آتے ہیں۔ یہ وہ پاک وجود تھے جنہوں نے اپنی ہر خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کر دیا تھا۔ ان کی ہر خوشی خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ہو کر گزرتی تھی اور ہر غم اللہ تعالیٰ ہی کے آستانے پر جھکنے اور اس سے مدد مانگنے پر منتج ہوتا تھا۔

مکہ میں جب ان اصحاب رسول ﷺ نے اسلام قبول کیا تو ان پر مخالفین کی طرف سے گویا ظلم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کون کون سے مظالم اور دکھ تھے جو ان وجودوں پر نہیں ڈھائے گئے۔حضرت بلالؓ کو مکہ کی تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری گرم پتھر رکھے جاتے، حضرت خبابؓ کو دہکتے انگاروں پر گھسیٹا جاتا اور آلِ یاسر کو نہایت بے دردی کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ مگر ان تمام مصائب پر آپ ﷺ انہیں صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی عظیم بشارت دیتے۔

یہ ابتلا اس قدر شدید تھے کہ بعض اصحابؓ نے آنحضرت ﷺ کو دشمن سے مقابلہ کرنے کا مشورہ بھی دیا لیکن آنحضرت ﷺ نے اس شدید ظلم کے باوجود بھی یہی کہا کہ مجھے تو صرف عفو کرنے کا حکم ملا ہے، لڑائی کرنے کا حکم تو نہیں ملا۔ اسلام کی اس پر امن تعلیم کے باوجود آپ ﷺ کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ یہ ظلم واقعی بہت شدت اختیار کر چکا ہے اور انسانی استطاعت اور برداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔

پس ان حالات میں جبکہ کفار کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے نبی کریم ﷺ نے عام مسلمانوں کو دین کی خاطر ہجرت کر جانے کا حکم بھی دے دیا اور کچھ صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا کر آباد بھی ہو گئے جہاں رسول کریم ﷺ نے بھی بعد از ہجرت رہائش اختیار کرنی تھی۔

مظالم کی آندھیوں سے گزرتے ہوئے ۱۳؍سال بیت گئے اور اہل مکہ کی ناانصافیاں اور ظلم بڑھتے چلے گئے تو بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کریم ﷺ کو بھی مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ملا اور یوں اسلام کا مرکز مدینہ میں قائم ہو گیا۔ ہجرت کے بعد گو ابتدا میں تو ایسا محسوس ہوا کہ اب مسلمانوں کی مشکلات ختم ہو چکی ہیں اور انہیں امن وسکون نصیب ہو گیا ہے لیکن دشمنانِ اسلام ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والے تو نہ تھے۔ مسلمانوں کو امن کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہوتے ہوئے دیکھنا ان کے غیض و غضب کو مزید بھڑکا رہا تھا اور اب معاملہ انفرادی دشمنی کی بجائے اجتماعی حملوں میں تبدیل ہونے والا تھا۔ اب وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کو مٹانے کے درپے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ایک ہی مرتبہ حملہ کر کے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ ایسے میں مسلمانوں کے لیے اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور اپنے گھروں اور خاندانوں کے دفاع کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ دشمنوں کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کے دو سال بعد انہیں دفاع کرنے کی اجازت عطا ہوئی، اور یوں ان پاک وجودوں کی دلیری بہادری، بے مثال قربانیوں، ایثار اور جاں نثاری کا وہ عظیم باب شروع ہوا جس کی مثال تاریخِ انسانیت میں بہت کم ملتی ہے۔ میدانِ بدر، اُحد، خندق اور دیگر معرکوں میں صحابۂ کرامؓ نے جس اخلاص، بہادری اور فدائیت کا مظاہرہ کیا، وہ رہتی دنیا تک ایمان والوں کے لیے مشعلِ راہ بنا رہے گا۔

قرآن کریم مومنین پر آنے والے پانچ قسم کے ابتلاؤں کا ذکر کرتا ہے اور اس مضمون میں اِنہیں ابتلاؤں کے حوالے سے اسلامی جنگوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان غزوات اور سرایا میں صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کون کونسی بے مثال قربانیاں پیش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ۔ (البقرہ:۱۵۶) اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف اور کچھ بھوک اور کچھ اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے۔

پس مومنوں کو ان تمام حالتوں کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ہر ایک امتحان سے کامیاب و کامران اور سرخرو ہو کر باہر نکلے۔

خوف کی حالت

جنگ اپنے ساتھ تباہی، خوف و ہراس اور بے شمار تکالیف لے کر آتی ہے۔ کوئی بھی فہم و ادراک رکھنے والا شخص جنگ کا خواہشمند نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جنگ کا نام سن کر ہی دلوں میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ مسلمان گو مکہ کے مظالم سے نکل کر مدینہ میں پناہ گزیں ہو چکے تھے مگر مشرکین کی طرف سے ملنے والی خبروں اور ان کی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے ہر لمحہ یہ اندیشہ اور خوف موجود رہتا تھا کہ کفار مکہ کسی بھی وقت حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ جنگ کی ان آزمائشوں میں خوف کا ایک پہلو تو ضرور موجود تھا لیکن جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو جنگ کے میدانوں میں للکارا تو اللہ تعالیٰ نے بھی مومنوں کو کفار کے مقابل پر دفاع کرنے اور جنگ کے لیے نکلنے کی اجازت عطا فرما دی۔ ایسی حالت میں ان بظاہر کمزور نظر آنے والے وجودوں نے اپنے ایمان کی قوت سے اس خوف پر قابو پاتے ہوئے غیر معمولی جواں مردی اور ایسی ثابت قدمی کے نمونے دکھلائے جن کی مثال تاریخ عالم میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

سنہ ۲ ہجری میں میدان بدر سے بس کچھ ہی فاصلہ پر مسلمان لشکر کو اطلاع موصول ہوئی کہ مکہ سے ایک بڑا لشکر حملہ کے لیے آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کے لیے اصحابؓ کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا آپؐ جو بھی ہمیں حکم دیں، ہم تو ہر خدمت، ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔ حضرت مقداد بن اسودؓ نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپؐ جہاں جائیں گے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی اور پیچھے بھی۔ اسی طرح انصار مدینہ میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی یہی عرض کیا کہ آپؐ جہاں چلیں گے، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ ہمیں ابھی سمندر میں بھی کود جانے کو کہیں گے تو ہم کود جائیں گے اور آپ ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم پائیں گے۔ اور یہ جوش اور بہادری محض الفاظ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان اصحابؓ نے جنگ کے دوران اپنے عمل سے بھی اعلیٰ قربانیوں کا نمونہ پیش فرمایا۔ اور بدر کے میدان کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے باوجود کم تعداد اور وسائل کے محض اللہ کے سہارے ایک بڑے لشکر کو پچھاڑ کر رکھ دیا اور مشرکین کے بڑے بڑے سردار اس جنگ میں ہلاک ہو گئے۔ (تلخیص از سیرت خاتم النبیین صفحات ۴۰۱-۴۰۲، ۴۱۲)

جنگ بدر کے معرکے نے جہاں ایک طرف مشرکین کی کمر توڑ دی تھی وہیں دوسری جانب ان کے غیظ و غضب میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ مکہ کے ہر ایک گھر میں اس جنگ کے نتیجے میں ماتم کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس لیے اس عظیم الشان فتح کے بعد بھی مسلمانوں کو مشرکین کی طرف سے دوبارہ حملوں کا خوف موجود رہا اور اس خوف کے باعث کئی راتیں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ نے جاگتے ہوئے گزاریں۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ مشرکین اپنے لاؤ لشکر لے کر پہلے احد اور پھر جنگ خندق کے لیے مسلمانوں کے مقابل پر صف آرا ہو گئے۔ غزوہ احزاب جو سنہ ۵ ہجری میں پیش آیا اس کے لیے دشمنانِ اسلام کا ایک بڑا لشکر مدینہ کے گرد جمع ہو چکا تھا۔ مدینہ کے ایک طرف خندقیں کھودی گئیں جن سے پار کفار مسلسل اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ہم اس خندق کو عبور کر کے مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔

ایسے نازک وقت میں مدینہ کے مختلف حصوں میں صحابہ وصحابیات کا پہرہ موجود رہا۔ رات کی تاریکی اور شدید سردی بھی ان کے عزم و ہمت کو متزلزل نہیں کر سکی اور وہ اپنے محبوب آقا ﷺ کے ساتھ اپنے دین کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی اپنے اصحابؓ کے ساتھ پہرہ دیا کرتے تھے۔ سردی اس قدر شدید تھی کہ جب آپ ﷺ تھک جاتے تو واپس بستر پر تشریف لے آتے اور کچھ دیر آرام کے بعد دوبارہ نکل جاتے۔ اس متواتر بے آرامی اور سخت سردی کے باعث ایک دن آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ایسا اثر ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاش کوئی مخلص صحابی ہوتا تو مَیں کچھ دیر آرام سے سو جاتا۔ اتنے میں باہر سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی آواز آئی۔ آپؐ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا آپؐ کا پہرہ دینے آیا ہوں۔ آپؐ نے بڑے ہی شفقت بھرے انداز میں فرمایا مجھے پہرے کی ضرورت نہیں۔ تم فلاں جگہ جہاں خندق کا کنارا ٹوٹ گیا ہے جاؤ اور اس کا پہرہ دو تا مسلمان محفوظ رہیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ اس جگہ کا پہرہ دینے چلے گئے اور

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لیے سو گئے۔ (ماخوذ از دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۲۷۹)

اسی جنگ کے دوران آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلبؓ کی بہادری کا ایک واقعہ بھی ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس جنگ کے دوران مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے پیش نظر انہیں فارع نامی قلعہ میں منتقل کر دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو ان کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ قلعہ کے قریب ہی بنو قریظہ کی آبادی تھی جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں تو تھے لیکن غزوۂ احزاب کو غنیمت جان کر انہوں نے بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ اس قبیلہ کا ایک شخص اس قلعہ کے متعلق معلومات لینے کی کوشش کرنے لگا جس میں عورتیں اور بچے محفوظ تھے۔ حضرت صفیہؓ نے حقیقت کو بھانپ لیا اور اسے دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص جاسوس ہے۔ حضرت صفیہؓ نے فوراً حضرت حسانؓ کو مطلع کیا اور کہا کہ فوراً اس جاسوس کو روکا جائے ورنہ وہ خبر عام کر دے گا کہ اس قلعہ میں صرف خواتین اور بچے ہیں۔ حضرت حسانؓ نے لڑائی کے خوف سے تامل کا اظہار کیا۔ حضرت صفیہؓ نے جب حضرت حسانؓ کا یہ رویہ دیکھا تو نہایت بہادری اور بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود ہی اس شخص کا مقابلہ کیا اور تن تنہا اسے مار گرایا۔ یوں آپ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو دشمن کے بدمنصوبے سے بچا لیا۔ (تذکار صحابیات ۱۶۳۔ ۱۶۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''کسی دشمن کی دشمنی کی انہیں پروا تک بھی نہ تھی۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی راہ میں سب طرح کی تکالیف اٹھانے اور ہر طرح کے دکھ برداشت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔'' (ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۳۱۰ ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

بھوک کی آزمائش

جنگ کے موقع پر جن چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے ان میں بھوک بھی شامل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس آزمائش کے حوالے سے بیان کیا کہ بعض لوگ لڑائی کے لیے تو تیار ہو جاتے ہیں مگر ان سے بھوک برداشت نہیں ہوتی، فوجوں میں سپاہیوں کی بھی یہی حالت ہوا کرتی ہے۔ مگر ذرا صحابہؓ و صحابیاتؓ کے حالات پر غور کریں وہ تو خدا تعالیٰ کی خاطر ہر تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار تھے۔

آپؓ فرماتے ہیں: ''مومن کی یہ حالت نہیں ہوتی وہ خدا کے لیے بھوکا رہنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ کو باہر بھیجا تو ان میں سے کسی نے بھی یہ نہ پوچھا کہ ہم کھائیں گے کیا۔ چنانچہ وہ پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ انہوں نے کھجوروں کی گٹھلیاں کھا کر گزارہ کیا۔ (سنن نسائی کتاب الصید و الذبائح باب میتۃ البحر)۔'' (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۵۸)

یہ سریہ جس کا حضور نے ذکر فرمایا ہے جیش الخبط کے نام سے مشہور ہے جو ۸ ہجری میں واقع ہوا۔ اس جنگ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کھانے کی قلت کی وجہ سے صحابہ کرام کو پتوں یعنی خبط پر گزارا کرنا پڑا۔ عربی میں خبط کے معانی پتوں کے گرنے کے ہیں۔

غزوۂ احزاب جس کا اوپر ذکر گزر چکا ہے اس میں مسلمانوں کو شدید تنگی اور خوف کے علاوہ بھوک کی قربانی بھی دینی پڑی۔ حضرت جابرؓ اس معرکہ کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ جب ہم دفاع کی غرض سے مدینہ کے گرد خندقیں کھود رہے تھے تو ہم میں سے بہت سے افراد کی کیفیت فقر و فاقہ تک پہنچ گئی۔ رسول کریم ﷺ کی بھی یہی حالت تھی یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حالت دیکھی نہیں گئی اور فوراً میں آپ ﷺ سے اجازت لے کر گھر گیا اور اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا گھر میں کچھ کھانے کو موجود ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ گھر پر تو معمولی سا کھانا ہے اور ایک بکری ہے۔ حضرت جابر نے کہا ٹھیک ہے، رسول کریم ﷺ کے لیے کھانا تیار کر دو۔ چنانچہ ان کی اہلیہ نے حضرت جابر کے کہنے پر کھانا تو تیار کر دیا مگر ساتھ ہی کہا کہ بہت معمولی سا کھانا ہے۔ حضرت جابر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ گھر پر کچھ کھانا تیار کیا ہے پس آپؐ اپنے دو تین اصحاب کے ساتھ میرے گھر تشریف لے آئیں۔ تب آنحضرت ﷺ نے تمام اصحابؓ سے جو وہاں موجود تھے فرمایا کہ اٹھو! ہم جابر کے گھر کھانے کے لیے جا رہے ہیں۔ حضرت جابرؓ بڑی پریشان حالت میں واپس اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور بتایا کہ آپ ﷺ ان تمام اصحاب کے ساتھ آ رہے ہیں جو وہاں موجود تھے۔ حضرت جابرؓ کی اہلیہ نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے کھانے کی مقدار کے بارے میں دریافت فرمایا تھا، اس پر حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہاں پوچھا تو تھا۔ آپؓ کی اہلیہ نے تسلی دی کہ پھر فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لائے اور اس کھانے میں ایسی برکت پڑی کہ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور کچھ کھانا بچ بھی گیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ باقی جو رہ گئے ہیں انہیں بھی یہ کھانا پہنچا دو کیونکہ وہ بھی شدید بھوک کا شکار ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب)

اموال کی قربانی

جنگ کے دیگر امتحانات میں سے ایک مالی بحران بھی ہوا کرتا ہے۔ جنگ میں ہمیشہ دونوں فریقوں کو ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ دولت، وسائل اور رسد (provisions) ضائع ہو جاتی ہیں، تجارت متاثر ہوتی ہے، اور معاشی استحکام کمزور پڑ جاتا ہے۔ مہاجر اصحاب تو پہلے ہی اپنا تمام گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ آئے تھے۔ ان کی تمام جائیدادیں جو انہوں نے اور ان کے باپ دادا نے اکٹھی کی تھیں ایک لمحہ میں ان سے چھن گئی تھیں۔ مگر وہ یہ جانتے تھے کہ یہ کوئی معمولی وقت نہیں ہے بلکہ ایک عظیم مقصد کے لیے ہم یہ قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور یہ بالآخر ہمارے ہی فائدہ کے لیے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ان کی قربانیوں کا تو یہ حال تھا کہ ان اصحاب نے باوجود غربت کے ہمیشہ مختلف تحریکات پر اپنے اموال پیش فرمائے۔ سنہ ۹ ہجری، غزوہ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے جنگ کی تیاری کے لیے صحابہ کرامؓ کو مالی قربانی کی تحریک فرمائی تو آپؐ کے اصحاب نے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے آدھے حصہ کی قربانی کی تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ نے سب گھر بار رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ تو بڑے مخلص صحابہ کا نمونہ تھا مگر ان قربانیوں میں غریب مسلمان بھی پیچھے نہ رہے۔ حضرت ابو عقیلؓ ان صحابہ کرام میں سے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے کا حکم فرماتے تو وہ ساری رات کام کرتے اور جو کچھ اس کام کے عوض ملتا وہ صدقہ کر دیتے۔ چنانچہ بخاری میں آپ کے متعلق آتا ہے کہ حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمیں صدقہ کا حکم ہوا تو ہم اس وقت اجرت پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ حضرت ابو عقیلؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں کل رات بھر دو صاع کھجور کے عوض کنویں سے ڈول کھینچتا رہا ہوں اور اس میں سے ایک صاع میں نے اپنے گھر والوں کے لیے رکھ دیا ہے اور یہ دوسرا صاع آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ایک صاع میں تقریباً دو کلو کھجور ہوگی۔ آپ چونکہ غریب تھے اور رات بھر کی محنت سے جو بھی معاوضہ حاصل ہوا تھا اس کا بھی آدھا حصہ خدمت اسلام کے لیے قربان کر دیا تھا جو دنیا داروں کے نزدیک بہت معمولی تھا اس لیے منافقین اس قربانی پر ہنستے اور کہتے کہ کیا اتنی معمولی قربانی کی بھی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ جو نہایت ہی قدر دان ہے اور اپنے بندوں کی ادنیٰ سی کاوش کو بھی ضائع نہیں کرتا اس نے ہمیشہ کے لیے ان کے اس طنز کا جواب قرآن کریم میں درج فرما دیا کہ کیا وہ ان مومنین پر طنز کرتے ہیں جو گو کمزور ہیں محتاج ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے لیے قربانی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ۔ (التوبۃ:۷۹) یعنی یہ منافق ہیں جو مومنوں میں سے خوشی سے بڑھ بڑھ کر صدقے دینے والوں پر طنز کرتے ہیں اور ان پر بھی جو سوائے اپنی محنت کی کمائی کے کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر باب الذین یلمزون المطوعین ... الخ جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۳ حدیث ۴۶۶۸)

اور بالآخر ان قربانیوں کے نتیجے میں ان اصحاب کو کیسا غیر معمولی اجر ملا، اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''آنحضرت کے زمانہ میں ابو بکرؓ وغیرہ کے املاک ہی کیا تھے؟ ایک ایک دو دو سو یا کچھ زیادہ روپیہ کسی کے پاس ہوگا مگر اس کا اجر ان کو یہ ملا کہ خدا نے بادشاہ کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے وارث ہو گئے۔'' (ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۱۶۵، ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

جان کی قربانی

پھر جنگ کے دوران جانوں کی قربانی بھی پیش کرنا پڑتی ہے، جو بہت ہی عظیم قربانی ہے کیونکہ انسان کے لیے اپنی جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز عزیز اور قیمتی نہیں ہوا کرتی۔ لیکن جب ہم صحابہ کے نمونوں کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے دین کے عظیم مقاصد کے حصول کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنی جانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے نہایت اعلیٰ اور بے مثال قربانیوں کے نمونے پیش فرمائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ کے حالات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی اپنی زندگی کو تباہ کر دیا نہ عزت کی پروا کی نہ جان کی بکری کی طرح ذبح ہوتے رہے۔'' (ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۱۶۴، ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

سنہ ۲ ہجری، جنگ بدر کے موقع پر دو مخلص کم عمر صحابہؓ کے واقعہ سے تو ہم سب خوب واقف ہیں۔ جنہوں نے مل کر کفار مکہ کے سردار اور اسلام کے شدید ترین دشمن ابو جہل پر حملہ کر کے اسے ہلاک کیا تھا اور اس حملہ کے نتیجہ میں ان دونوں نوجوانوں معاذؓ اور معوذؓ نے اپنی جان کی قربانی بھی پیش کر دی تھی۔ (تلخیص از سیرت خاتم النبیین صفحہ ۴۱۱)

اسی غزوہ میں ایک صحابی حضرت عمیر بن حمامؓ کی شہادت کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ جنگ کے موقع پر جب مشرکین قریب آ گئے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت کو پانے کے لیے آگے بڑھو۔ حضرت عمیرؓ اس وقت کھجوریں نکال کر کھا رہے تھے۔ جونہی یہ عظیم بشارت آپؓ کے کانوں میں پڑی آپؓ نے فرمایا کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہتے ہی آپؓ نے فوراً کھجوریں پھینکیں اور کفار سے لڑنے کے لیے نکل گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؓ انصار میں سے سب سے پہلے شہید تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الإمارۃ حدیث نمبر ۳۵۰۶)

سنہ ۳ ہجری میں جنگ احد ہوئی جو رسول کریم ﷺ کی زندگی کے سخت ترین ایام میں سے ایک دن تھا۔ اس روز مسلمانوں کے ایک گروہ کی غلطی کے باعث دشمن کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے مسلمانوں کے لشکر کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف اٹھانا پڑی اور آپؐ بھی زخمی ہو گئے۔ ایسے میں صحابہ وصحابیات کرام نے رسول کریم ﷺ کی حفاظت کی خاطر بے لوث قربانیاں پیش فرمائیں۔ حضرت طلحہؓ سمیت دیگر اصحاب نے اس قدر دلیری کا مظاہرہ کیا کہ آپ ﷺ کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے ہاتھوں اور جسموں سے روکتے رہے۔ گویا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط ڈھال بن گئے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی حضرت شماس بن عثمانؓ کے بارے میں فرمایا کہ جنگ احد کے دن میں نے انہیں ڈھال کی مانند پایا اور وہ بڑی جانفشانی سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گئے۔ انہیں زخمی حالت میں مدینہ لایا گیا مگر تکلیف اور کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ مدینہ پہنچ کر آپ صرف ایک دن زندہ رہے اور ۳۴ سال کی عمر میں شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء)

شہدائے احد کی تعداد کے متعلق اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ اس روز کُل سترّ اصحابؓ شہید ہوئے، جن میں سے چار مہاجرین تھے اور باقی انصار صحابہ تھے۔

قربانیوں کا ثمر

جنگ کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور قربانیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ عمومی طور پر دونوں فریقوں کے لیے جنگ کا نتیجہ نفع بخش نہیں ہوا کرتا۔ جنگ میں مال و دولت کا نقصان ہوتا ہے، وسائل صَرف ہوتے ہیں اور جانوں کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ تاہم صحابہ کرامؓ نے ان ظاہری نتائج کو کبھی بھی اپنی قربانیوں کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ ان کی تمام قربانیاں محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے تھیں۔

......باقی صفحہ ۲۱ پر ......

دَورِ خلفائے راشدین میں لڑی جانے والی جنگوں کے مقاصد اور ان کے شیریں ثمرات

(اواب سعد حیات)

دَورِ خلفائے راشدین کی جنگوں کے مقاصد بتاتے ہوئے اول اور عمومی جواب تو یہی ہے کہ دَورِ خلافت راشدہ کی تمام جنگوں کا مقصد وہی تھا جو جنگ بدر کا تھا

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''تاریخ کو اگر انسان پڑھے تو اسے نظر آئے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس قدر فتوحات کیں وہ انسانی طاقت اور سعی کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک بیس سال کے اندر ہی اندر اسلامی سلطنت عالمگیر ہوگئی۔ اب ہم کو کوئی بتاوے کہ انسان ایسا کرسکتا ہے؟'' (ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۶۵۔ ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کی وفات ۱۱ ہجری (جون ۶۳۲ عیسوی) تک دین اسلام جزیرہ نمائے عرب کے دُورو نزدیک کی سب شہری وصحرائی اکائیوں تک متعارف و قائم ہو چکا تھا اور یہ جزیرہ نما عرب سے باہر پھیلنے کی راہ پر تھا۔

آنحضور ﷺ کے تربیت یافتہ جاں نثار صحابہ پہلے خود ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور پھر روئے زمین پر اس آسمانی نور کو پھیلانے کا بیڑا اٹھایا، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''دیکھو کہ اُس مرد کی کیسی بلند شان ہے جس نے تھوڑے سے عرصہ میں ہزاروں انسانوں کی اصلاح کی اور فساد سے صلاحیت کی طرف اُن کو منتقل کیا یہاں تک کہ اُن کا کفر پاش پاش ہوگیا۔...اُن کی ہمتیں دینی خدمات کے لیے بلند ہوگئیں اور وہ دعوت اسلام کے لیے ممالکِ شرقیہ اور مغربیہ تک پہنچے اور ملتِ محمدیہ کی اشاعت کے لیے بلاد جنوبیہ اور شمالیہ کی طرف انہوں نے سفر کیا۔...یہاں تک کہ دین کو فارس اور چین اور روم اور شام تک پہنچا دیا اور جہاں جہاں کفر نے اپنا بازو پھیلا رکھا تھا اور شرک نے اپنی تلوار کھینچ رکھی تھی وہیں پہنچے۔...اور زمین کی انتہائی آبادی تک زمین پر قدم مارتے ہوئے پہنچے۔...اور یہ معجزہ ہمارے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حقیقتِ اسلام پر ایک صریح دلیل ہے۔'' (نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۴۱تا۴۴)

اب سب کو معلوم ہے کہ ملک عرب سے نکل کر چین اور انڈونیشیا تک اشاعت اسلام کے لیے کبھی بھی تیر وتلوار، بحری وزمینی لشکرکشی اور جنگ وجدال کا ماحول نہ تھا بلکہ اسلام کی روحانی تاثیر نے کروڑوں سعید روحوں پر اپنا اثر دکھایا۔

آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اشاعت اسلام کا جو مبارک سفر شروع ہوا تھا اس میں مذکورہ بالا اگلا دور تب آیا جب مسلمان حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے جمع ہوئے تو دور خلافت راشدہ کا آغاز ہوا، جو حضرت علیؓ کی شہادت سنہ ۶۶۱ء تک جاری تھا۔ یہ مبارک عرصہ قریبا ساڑھے انتیس سال پر محیط ہے۔ اس دور میں ہونے والی جنگوں کا پس منظر اور مقاصد کا جاننا بہت ضروری ہے۔کیونکہ جیسا کہ ثابت شدہ امر ہے کہ اسلام کے پھیلاؤ اور مشرق ومغرب میں قیام محض جنگ کا مرہون منت نہ تھا۔

مذکورہ بالا ۳۰ سالہ دور میں ہونے والی جنگیں محض مخصوص علاقہ میں ہوئیں اور باقی سب جگہ اسلام اپنی خوبصورت تعلیم کے برتے پر پھیلا اور ایک عجیب معجزہ رونما ہوا۔

مذکورہ بالا جنگیں بھی دراصل عرب کے ہمسایہ میں موجود پہاڑوں جیسی عظیم اور پُر ہیبت سلطنتوں کو اڑانے کے لیے تھیں جیسا کہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا۔ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ (طٰہٰ:۱۰۶ و ۱۰۷) اور وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ انہیں میرا ربّ ریزہ ریزہ کر دے گا۔ پس وہ انہیں ایک صاف چٹیل میدان بنا چھوڑے گا۔

ابتدائی دور میں اہل عرب حضرت بانی اسلام ﷺ کا پیغام سن کر سوال کیا کرتے تھے کہ تم ایک عالمگیر مذہب لیکر آئے ہو، جبکہ عرب کے دائیں اور بائیں بڑے بڑے پہاڑی سلسلے موجود ہیں جو ایک لمبے عرصہ سے ایک مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ ان کا کیا ہوگا؟ ان کے ہوتے ہوئے اسلام کا پیغام دنیا میں کیسے پھیلے گا۔تب خدا نے حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور ایک صاف چٹیل میدان بنا چھوڑے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

اس معجزہ کی تفصیل کے لیے دیکھیں تو ہمارے سامنے ہے کہ امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے بدری صحابہ کے حالات و واقعات کے ضمن میں ۲۷؍نومبر ۲۰۲۰ء کو چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذکرخیر سے خطبات کا سلسلہ شروع فرمایا جو ۹؍دسمبر ۲۰۲۲ء تک جاری رہا، اس سلسلہ کے اس آخری خطبہ میں حضور انور ایدہ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر خیر مکمل فرمایا۔ یوں دو سال سے کچھ زائد عرصے کے خطبات جمعہ میں چاروں خلفائے راشدین کا ہی ذکر جاری رہا، اور قریبا تیس سالہ دور خلافت راشدہ میں ان آفاقی وجودوں کی زیر قیادت مشرق ومغرب میں لڑی جانے والی چھوٹی بڑی جنگوں، پہاڑوں جیسی بڑی دنیاوی سلطنتوں اور ہیبت ناک افواج کے مقابل پر ملنے والی غیر معمولی عسکری فتوحات اور ان کے عالمگیر ثمرات کا تذکرہ جاری رہا۔قریبا ۱۰۰ گھنٹوں پر مشتمل خطبات کو سینکڑوں صفحات پر طبع کیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کا بغور مطالعہ جہاں حقیقی تاریخ فہمی کا ذریعہ ہے، مشکل گتھیاں سلجھتی ہیں، شان اسلام، شان قرآن، شان بانی اسلام اور شان صحابہ پر عمداً یا سہواً پھیلائی گئی گرد صاف ہوتی ہے وہاں اس تائید یافتہ اور مقدس خلیفہ کی مبارک زبان سے دور خلافت راشدہ کا ایک تفصیلی بیان ہے جو اپنی ذات میں ایک منفرد تاریخی پہلو رکھتا ہے۔

دور خلافت راشدہ (۶۳۲-۶۶۱ء) کی کل جنگوں کی تعداد اور مقامات اور حالات کا جائزہ لیں تو ایک طویل فہرست سامنے آتی ہے۔ لیکن کہیں یہ مضمون صرف جنگوں کی فہرست نہ بن جائے، اس لیے صرف ایک محاذ یعنی ساسانی/ ایرانی سلطنت سے کشمکش اور فتح کا جائزہ لینا کافی ہوگا جس سے باقی محاذوں پر لشکرکشی کے اسباب کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

دور خلفائے راشدین کی جنگوں کے مقاصد بتاتے ہوئے اوّل اور عمومی جواب تو یہی ہے کہ دور خلافت راشدہ کی تمام جنگوں کا مقصد وہی تھا جو جنگ بدر کا تھا۔کیونکہ وہاں اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر سے مقابلہ سے قبل پوری رات نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نہایت الحاح سے یہی دعا کی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِكْ ھٰذِهِ الْعِصَابَةَ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ، اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا (بخاری ومسلم)

پس روئے زمین پر ہر نوع کے شرک کا خاتمہ، اللہ تعالیٰ کی حقیقی عبادت اور خالص بندگی کا قیام ہی روز اول سے اہل اسلام کے ہر چھوٹے بڑے فیصلہ کی بنیاد رہا ہے اور اسلامی جنگیں ہمیشہ سے ہی مقصدیت، مہارت اور نتائج کے اعتبار سے خاص اور منفرد رہی ہیں کیونکہ قتال کی اجازت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے پوری قدرت کے ساتھ مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے: ''وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی (جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔'' (الحج: ۴۰)

اس تناظر میں صرف ایک معرکہ بدر ہی اپنے ہمہ گیر عالمی اثرات اور قیامت تک پیدا ہونے والے تغیّرات میں جنگ عظیم اوّل اور دوم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب روئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت اور حکومت قائم رکھنے کے لیے ۳۱۳؍جانثاروں نے نہایت اخلاص سے اپنی گردنیں پیش کر دیں۔ خدا کو یہ قربانی اتنی پسند آئی کہ اس نے رہتی دنیا تک ان مجاہدوں کا اجر و ثواب بھی قائم کر دیا اور ان کو ایسا اَمر کیا کہ مہدی آخر زمان احمدی ہندی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص تاکید کی، جس کی تعمیل میں دورِ خلافتِ خامسہ میں ہوتی دیکھ چکے ہیں۔حضرت قاضی عبدالرحیمؓ نے ۱۷فروری ۱۹۰۴ء کی ڈائری میں لکھا کہ ''آج رات حضرتؑ (حضرت مسیح موعودؑ) نے خواب بیان فرمایا۔ کسی نے کہا کہ جنگ بدر کا قصہ مت بھولو۔'' (اصحاب احمد جلد ششم صفحہ ۱۳۳)

اب اگر قرآن کریم میں مذکور متعلقہ پیش گوئیاں دیکھیں تو ملتا ہے کہ سورۃ الفتح میں کسریٰ اور قیصر کے ساتھ کی جنگوں کا ذکر ہے کیونکہ یہاں ملک عرب کے منافقین سے کہا گیا ہے کہ اگر تم ان صحابہؓ کے ساتھ ہو کر جنگوں میں ہمت دکھاؤ گے تو قصور معاف ہو جائے گا، ورنہ خدا تعالیٰ کا عذاب تمہیں ملے گا۔فرمایا: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (الفتح:۱۷) اعراب میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑے گئے ہیں تو ان سے کہدے کہ ضرور تم ایک ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لیے بلائے جاؤ گے جو فنون جنگ میں بڑی ماہر ہے تم ان سے اس وقت تک جنگ کرو گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ پس اگر تم (اس وقت خدا کی آواز) مانو گے تو اللہ تم کو بڑا اچھا اجر دے گا اور اگر تم (حکم سے) روگردانی کرو گے جس طرح اس سے پہلے (روگردانی) کی تھی تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

نیز یہاں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ وہ جنگیں بہت عرصہ تک لمبی چلی جائیں گی۔ یہ حکم نہیں کہ مسلمان ہونے تک ان سے لڑو بلکہ مستقبل کا صیغہ ہے اور واقعہ بتایا ہے کہ وہ دشمن جب تک مسلمان نہ ہوں گے تم سے لڑتے جائیں گے۔ چنانچہ روم اور فارس نے ایسا ہی کیا۔

پھر سورۃ الاحزاب میں ہے کہ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا۔ (الاحزاب:۲۸) اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے مکانوں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جسے تم نے (اس وقت تک) قدموں تلے پامال نہیں کیا تھا۔ اور اللہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت میں اہل اسلام کے لیے ایسے علاقوں کی فتوحات کی پیشگوئی ہے جن میں ابھی تک مسلمانوں کو قدم رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ دراصل اس میں پیشگوئیوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔

جنگوں کی وجوہات و مقاصد

جنگوں کے مقاصد کی تلاش میں صرف ایک محاذ کا جائزہ ہی کافی رہے گا اور وہ ہے ساسانیوں کے مقابل پر اسلامی لشکر۔

خلفائے راشدین کے عہد میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی حالات میں اُس وقت کی دو عظیم الشان سلطنتوں پر غلبہ عطا فرمایا۔ ان میں ایک سلطنت ایران کی ساسانی مملکت تھی۔

اسلام میں جبر کے ساتھ دین کی اشاعت کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ قرآن بار بار بڑے زور سے کہتا ہے کہ مسلمان کے لیے کسی کا مال لینا یا زمین میں فتنہ و فساد پھیلانا یا بغیر کسی دفاعی ضرورت کے کوئی خونریزی کرنا قطعاً جائز نہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے اقوال بھی سراسر انسانی ہمدردی اور مخلوق اللہ پر شفقت اور رحم کی تلقین سے معمور ہیں۔ اور احادیث میں یہ تعلیم تو کہیں نظر نہیں آتی کہ کمزوروں پر حملہ کرو، غرباء کا مال لُوٹ کر کھالو، جبراً لوگوں کو مسلمان بناؤ بلکہ نہایت پُر درد اور پُرسوز الفاظ میں ہمسایہ پر شفقت، یتیموں، غریبوں، کمزوروں کی ہمدردی اور خلقِ خدا کی خدمت سے احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔ اور خاص دشمنوں سے مقابلہ سے متعلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ واضح ہدایت ہے: ''لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ'' یعنی دشمن سے لڑائی کی خواہش کبھی تمہارے دل میں پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

پھر فتحِ ایران کے بعد کے معاہدات میں بڑے پختہ طور پر مقامی آبادی کی جان، مال اور مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے بطور نمونہ بعض معاہدے پیش ہیں: مثلاً اہلِ طفلس کے معاہدہ میں لکھا گیا: ''ھذا کتاب من حبیب بن مسلمہ لاھل طفلس بالامان علیٰ انفسھم و بیَعِھم و صوامعھم و صلوٰتھم و دینھم'' (بلاذری صفحہ ۲۰۴) یعنی یہ تحریر حبیب بن مسلمہ کی طرف سے اہل طفلس کے نام ہے کہ ان کو ان کی جانوں، ان کے کلیساؤں، ان کے معبدوں، ان کی نمازوں اور ان کے مذہب کے امان کی ضمانت دی جاتی ہے۔

اہلِ موقان کے معاہدہ میں لکھا گیا: ''الامان علیٰ اموالھم و انفسھم و ملّتھم و شرائعھم''۔ یعنی ان کے مالوں، جانوں، ملّت اور شریعتوں کی امان دی جاتی ہے۔''

اہلِ آرمینیہ کے معاہدہ میں لکھا گیا: ''اعطاھم اماناً لانفسھم و اموالھم و ملّتھم'' (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) یعنی اسلامی نمائندہ ان کی جانوں، مالوں اور ملّت کی امان دیتا ہے۔

اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کے لیے خلفائے راشدین کا اپنے غیر مسلم ہمسائیوں پر حملے کروانے کا بے سروپا الزام لگانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ایران پر فتح اور مکمل غلبہ کے بطل جلیل حضرت عمرؓ کا اپنا ملازم وثیق نامی غیر مسلم تھا۔ آپ اس کو سمجھاتے، تبلیغ فرماتے مگر جب وہ آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیتا تو آپ لا اکراہ فی الدّین کہہ کر خاموش ہو جاتے۔

اسلامی حملہ کی حقیقی وجوہات کی تلاش کریں تو نظر آتا ہے کہ ایران اور عرب کی اسلامی حکومت کے درمیان کش مکش کا بیج اسلام کے ظہور سے پہلے ہی موجود تھا۔ وہاں ساسانی خاندان کی شخصی بادشاہت قائم تھی جہاں مطلق العنان بادشاہ اور ان کے درباری امرائے ملک گیری کے نشہ میں سرشار رہتے تھے اور آئے دن ہمسایہ مملکتوں پر حملہ آور رہنا ہی ان کا شغل تھا۔

ساسانی دربار کے یہ بادشاہ اور امراء ہمیشہ عرب کی کمزور اور قبائلی رقابت کی وجہ سے بٹی ہوئی قوم کو مغلوب اور زیر اقتدار رکھنے کی کوشش میں رہتے۔ یمن، بحرین اور دیگر قریبی علاقے تو وہ بلاواسطہ ہی اپنے ماتحت سمجھتے تھے مگر بقیہ تمام عرب کو بھی وہ اپنے زیر نگین ہی تصور کرتے تھے۔

اہل عرب گو غیر متمدّن اور کمزور اور پراگندہ تھے مگر وہ ہمیشہ ہی اہلِ ایران کے اس جارحانہ روّیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور ہمیشہ ہی انہوں نے اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنا چاہا۔

ظاہر ہے کہ وہ ایرانی مملکت جو عرب کے متفرق قبائل کو اپنا باج گزار اور مطیع بنا کر رکھنا چاہتی تھی کب یہ برداشت کرسکتی تھی کہ اسلام کے ذریعہ عرب اپنے تفرقہ کو چھوڑ کر ایک مضبوط اور متمدّن حکومت کی صورت اختیار کر لیں اور ایرانی امپیریلزم کی غلامی کا جُوّا اُتار پھینکیں۔ چنانچہ اسلام کے عرب میں غلبہ کے ساتھ ہی ایرانیوں کے حملے عرب پر تیز تر ہوئے اور عرب کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے قبائل ان حملوں کا خصوصی تختۂ مشق بنے۔

ایران و عرب کی کش مکش میں ایران کے جارحانہ رویّہ کی متعدد مثالیں ہیں۔ ایسا ہی ایک معرکہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد ہوا اور حضور ﷺ نے جب اس فتح کی خبر سنی تو فرمایا: ''ھذا اوّل یومٍ انتصفت العرب من العجم'' یعنی آج پہلا دن ہے کہ عرب نے ایران سے انصاف حاصل کیا ہے۔

یہ ایک مختصر سا فقرہ ایک لمبی داستان اپنے پیچھے لیے ہوئے ہے ان مظالم اور زیادتیوں کی جو ایرانی حکومت عرب پر روا رکھتی تھی اور یہ ایک بے ساختہ اظہار ہے اس احساس کا جو ایرانیوں کے ہاتھوں سے تنگ آ کر اہلِ عرب کے قلوب میں پایا جاتا تھا۔

ایرانی حکومت کا معاندانہ رویّہ عرب میں اسلام کی ترقی کے زمانے میں سخت تر ہوتا چلا گیا جس کی ایک مثال آنحضرت ﷺ کا تبلیغی خط اور اس پر شاہِ ایران کا ردِّعمل بھی ہے۔ خط کا ترجمہ سن کر کسریٰ غصہ سے بھر گیا اور ترجمان سے خط لے کر اُسے یہ کہتے ہوئے ریزہ ریزہ کر دیا کہ ''میرا غلام ہو کر مجھے اِس طرح مخاطب کرتا ہے۔''

اس سفّاک کسریٰ نے خط پھاڑنے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ اس نے یمن کے گورنر کو یہ ہدایت لکھ کر بھیجی کہ حجاز میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے۔

اسی طرح عرب کی سرحد کے قریب ترین ایرانی صوبہ کا گورنر ہُرمز تھا، عرب سرزمین پر مسلسل حملے کرنا اسکا معمول تھا اور اس شخص کے مظالم اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وہ خباثت میں عربی زبان میں ضرب المثل بن گیا اور ''اخبث من ھرمز'' اور'' اکفر من ھرمز '' کے فقرات اہلِ عرب میں عام استعمال ہونے لگے تھے۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۵۵۵و ۵۵۶)

پس ایسے حملوں کی روک تھام کے لیے مسلمان مجبور ہو چکے تھے۔

اسلامی جوابی حملوں کی ابتدا

ایرانی مملکت کے ان جارحانہ حملوں کے خلاف مسلمانوں کی جوابی کارروائیوں کے آغاز کے متعلق عموماً ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے عرب کی اندرونی بغاوت اور فتنۂ ارتداد سے نجات پائی تو فوراً حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم بھیجا کہ وہ عراق پر حملہ آور ہوں۔ حالانکہ ایران پر حملہ کی ابتداء حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہؓ کے مدافعانہ حملوں کے ذریعہ ہوئی جو انہوں نے مرکز خلافت مدینہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کر کے شروع کی۔ حضرت مثنّیٰؓ اور ان کا قبیلہ عرب میں ایران کی سرحد کے قریب رہتا تھا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۵۵۲) اور گویا ایرانی جارحانہ حملوں کا پہلا شکار تھا۔ کیونکہ حضرت مثنّیٰؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس مدینہ آئے اور درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا افسر مقرر کر دیجئے تاکہ میں اس ایرانی علاقہ سے لڑائی کرسکوں جو ہمارے ساتھ لگتا ہے اور ''اکفیك بنا حیتی'' یعنی اپنے علاقہ کی سمت میں آپ کا بوجھ سنبھال لوں۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔ بعد میں جب مزید امداد کی ضرورت پڑی تو حضرت خالدؓ کو وہاں بھیجا گیا۔

اسلامی حملہ کی مدافعانہ نوعیت کا قطعی ثبوت تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہ جانے والے اس واقعہ سے بھی ملتا ہے جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایران میں لڑنے والی اسلامی افواج کے چیندہ کمانڈروں کا ایک وفد کسی سلسلہ میں مدینہ میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقے میں بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ مسلمان ذِمّیوں کو تکلیف دیتے ہیں؟ اس کے جواب میں وفد کے ارکان نے کہا ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارا علم تو یہ ہے کہ مسلمان ذمّیوں سے نہایت حسن سلوک کرتے ہیں اور ان سے جو معاہدات ہوئے ہیں ان کو پوری وفاداری سے نبھاتے ہیں۔

اس موقع پر حضرت احنف بن قیسؓ نے ایک جواب دیا جس سے حضرت عمرؓ پر اصلی صورتِ حالات واضح ہوگئی، انہوں نے کہا: ''اے امیر المومنینؓ! میں آپ کو اصل صورتِ حال سے مطلع کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیں مزید فوجی اقدام سے منع فرما دیا ہے اور اسی علاقے پر رُکے رہنے کی ہدایت دی ہے جو اب تک فتح ہو چکا مگر ایران کا بادشاہ ابھی زندہ موجود ہے اور جب تک وہ موجود ہے ایرانی ہم سے مقابلہ جاری رکھیں گے اور یہ کبھی ممکن نہیں کہ ایک ملک میں دو بادشاہ رہ سکیں۔ بہرحال ایک دوسرے کو نکال کر رہے گا اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے کسی علاقہ کو بھی پہلے دشمن کی لشکر کشی کے بغیر فتح نہیں کیا اور یہ لشکر کشی ان کے بادشاہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کا یہ طریق اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپ ہمیں اس امر کی اجازت نہ دیں کہ ہم اس کے علاقہ میں گھس کر اس کو اس کی مملکت سے نکال نہ دیں۔'' (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۸)

۱۱ھ میں ایران کے خلاف مسلمانوں نے جوابی کارروائیاں شروع کیں اور یہ وفد ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گویا چھ سال کی مسلسل جنگوں کے بعد جس دوران میں تمام عراق فتح ہو چکا تھا اور قادسیہ جیسے بڑے معرکے ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک بڑے مسلمان فوجی کمانڈر کا یہ کہنا کہ ''آپ جانتے ہیں کہ ہم نے ایران کا کوئی حصہ اس وقت تک فتح نہیں کیا جب تک شاہِ ایران کی افواج نے حملہ نہیں کیا'' بڑی وضاحت سے بتاتا ہے کہ مسلمانوں کا ایران کے خلاف فوجی کارروائیوں میں واحد مقصد اپنا دفاع تھا۔

حضرت عمرؓ کی ایک خواہش بھی بتاتی ہے کہ خلفائے راشدین ملک گیری کے لیے بیتاب نہ تھے، جلولاء کے معرکہ میں اسلامی فوج کو اہلِ ایران کے خلاف ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تو سپہ سالار نے حضرت عمرؓ کو اس فتح کی خبر بھیجنے کے ساتھ مزید پیش قدمی کی اجازت مانگی اس پر آپؓ نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا: ''میری تو خواہش ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی ایسی روک ہو کہ وہ نہ ہماری طرف آسکیں اور نہ ہم ان کی طرف جا سکیں'' (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۵)

الغرض ایران سمیت ہر محاذ پر مسلمان اپنے حق دفاع بلکہ حق بقا کے لیے آگے بڑھے، کیونکہ اگر مسلمان معمولی سی بھی غفلت یا دیر کرتے تو دشمن ان کو کچل ڈالنے کو بالکل تیار بیٹھا تھا۔

عرب اور ایرانی و بازنطینی ایمپائرز کی طاقت کا موازنہ اور سرسری اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایرانی جنگوں میں کوئی معرکہ بھی تو ایسا نہیں ہوا جس میں ایرانیوں کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے اسلحہ کی یہ حالت تھی کہ ایرانی ان کے اسلحہ کو دیکھ کر تمسخر اُڑایا کرتے تھے اور ہنسی سے ان کے تیروں کو تکّلے کہتے۔

بفرض محال اگر مسلمانوں کا ارادہ لُوٹ مار کا تھا، اگر ابوبکرؓ اور عمرؓ نے معاشی بدحالی کی وجہ سے حملہ کا حکم دیا تھا تو وہ بڑی آسانی سے صرف ایک حکومت پر لوٹ مار کے لیے اپنی آمدن میں اضافہ کر سکتے تھے۔ عراق کی زرخیز زمین پر سرحدی حملے ہی ان کی غذائی ضروریات کو درست کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے۔ ایرانی اور بازنطینی حکومتیں آپس میں شدید رقابت رکھتی تھیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ بالکل آسان تھا کہ وہ ایک حکومت پر اپنی لُوٹ مار کی غرض سے حملہ کریں اور دوسری حکومت کی پشت پناہی انہیں حاصل ہو بلکہ جہاں ایک حکومت پر لُوٹ مار کے لیے یلغار کریں وہاں دوسری حکومت سے امداد حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عرب بیک وقت ان دو بڑی حکومتوں سے ٹکرائے جو علاقائی وسعت کے لحاظ سے، آبادی کے لحاظ سے، فوجوں کی تعداد کے لحاظ سے، اسلحہ کے لحاظ سے، زرخیزی اور آسودہ حالی کے لحاظ سے ان سے سینکڑوں گنا طاقت کی مالک تھیں تو یہ اقدام ان کو بامر مجبوری کرنا پڑا اور لاچار ہو کر وہ مدافعانہ کاروائی پر مجبور ہو گئے۔

اہل عرب ان دونوں سلطنتوں کی وسعت اور عظمت سے ہمیشہ مرعوب رہتے تھے اور خصوصاً ایران کی حکومت تو عربوں کی نظر میں ایک نہایت شان و شوکت اور جاہ و جلال کی حکومت تھی جس سے وہ ہمیشہ خائف رہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس ظاہری طاقت کے عدمِ توازن کا پورا احساس تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ نے ایران کی طرف افواج روانہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنے نام پیش کرنے کی دعوت دی تو کوئی شخص آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ تین دن تک حضرت عمرؓ کے متعدد اور مسلسل جوش انگیز خطبات کے باوجود ایک شخص نے بھی اپنا نام پیش نہ کیا۔

محض یہ ایک واقعہ ہی اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ مسلمانوں کا ایران پر حملہ قطعاً جارحانہ نہ تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مجلہ الجامعہ ربوہ۔ اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۶۵ء مضمون: ایران پر اسلامی حملہ۔ (قسط اول)، مضمون نگار: سید محمود احمد ناصر۔ صفحہ ۶۸ تا ۸۵، جلد ۲ شمارہ نمبر ۴۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس، ربوہ)

دورِ خلافت راشدہ کی بعض معروف جنگوں کے حالات اور شیریں ثمرات

معروف کتاب ''اٹلس فتوحات اسلامیہ'' مرتبہ احمد عادل کمال سے دورِ خلافتِ راشدہ کی جنگوں کا خلاصہ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے عہد (۱۱ھ تا ۴۰ھ) میں پیش آنے والی بڑی فوجی مہمات دکھاتی ہیں کہ چند ہی دہائیوں میں اسلامی ریاست جزیرۂ عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر اور ایران تک پھیل گئی۔ جس میں دورِ خلافتِ ابوبکرؓ (۱۱-۱۳ھ) میں اولا جنگِ ارتداد تھی، جس میں رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد عرب کے متعدد قبائل نے بغاوت کی، زکوٰۃ سے انکار کیا یا جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ساتھ دیا۔ اور اس دوران جو اہم معرکے ہوئے، ان میں سنہ ۶۳۲ء کی یمامہ (مسیلمہ کذاب کے خلاف) اور بزاخہ (طلیحہ اسدی کے خلاف) اور بحرین اور عمان کی مہمات قابل ذکر ہیں۔ جن سے پورا جزیرۂ عرب دوبارہ مرکزی حکومت کے تحت متحد ہوگیا۔ اسلامی ریاست داخلی انتشار سے محفوظ ہوگئی اور بیرونی فتوحات کی بنیاد پڑی۔ اگر مرتدین کے خلاف جنگ کامیاب نہ ہوتی تو بعد کی تمام فتوحات ناممکن ہوتیں، کیونکہ اسلامی ریاست اندر سے ٹوٹ جاتی۔ اس لیے ان جنگوں کی تاریخی اہمیت شام و عراق کی بعد کی فتوحات سے کم نہیں۔

حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت (۱۳-۲۳ھ) اسلامی عسکری تاریخ کا فیصلہ کن مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں عراق اور ایران کی فتوحات ہوئیں۔ جب جنگِ قادسیہ (۱۵ھ/۶۳۶ء) کے سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مقابل پر ساسانی سلطنت کا سپہ سالار رستم آیا اور اپنے زمانہ کی سپر پاور ساسانی طاقت کو شدید دھچکا اور ان کا دارالحکومت مدائن ......باقی صفحہ ۲۸ پر......

دنیا میں قیامِ امن کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کاوشیں

(غلام مصباح بلوچ۔ استاد جامعہ احمدیہ کینیڈا)

''ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔'' (حضرت مسیح موعودؑ)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت ''اَلسَّلَامُ'' یعنی سلامتی والا، بھی بتلائی ہے اور اس کے سلامتی والا ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے لیے سلامتی کے سامان کرتا ہے۔ دنیا کی سلامتی کے سامان کرنے میں ایک بڑا ذریعہ ارسال مرسلین و نبیین ہے۔ اسی لیے مامورین الٰہی نے ہمیشہ دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیا ہے اور ہر فتنہ و فساد، دشمنی اور شر کی راہوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس زمانے میں امن و سلامتی کے اس پیغام کی تجدید کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

اِس زمانے کے فتنہ و فساد اور جنگوں کی کثرت کے متعلق الٰہی نوشتوں میں واضح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ انجیل میں لکھا ہے: ''اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبردار! گھبرا نہ جانا! کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے لیکن اُس وقت خاتمہ نہ ہوگا۔ کیونکہ قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔'' (متی باب ۲۴ آیت نمبر ۶،۷)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ۔ (الکہف:۱۰۰) ترجمہ: اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو بعض پر موج در موج چڑھائی کرنے دیں گے۔ آنحضور ﷺ نے بھی ان خونریز حالات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا: ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْهَرْجُ''۔ قَالُوا وَمَا الْهَرْجُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ''الْقَتْلُ الْقَتْلُ۔'' یعنی قیامت سے پہلے ھرج کثرت اختیار کر جائے گا۔ صحابہ نے عرض کی حضورؐ! ھرج کیا ہے؟ فرمایا: قتل و غارت۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب نمبر (۴) باب إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا) اسی طرح اس موضوع پر دیگر کئی احادیث ہیں۔

یہ اُسی زمانے کی علامات ہیں جس میں مسیح موعود کی آمد بھی بتلائی گئی ہے۔ چنانچہ انہی پیشگوئیوں کے مطابق خوف اور بے چینی کے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود کے طور پر مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے آپؑ کو صلح جُو اور امن پسند فطرت سے نوازا تھا اور آپؑ ہمیشہ لڑائی جھگڑوں سے دُور رہے۔ جس زمانے میں آپؑ نے آنکھ کھولی وہ زمانہ مذہبی مباحثات و مناظرات سے پُر تھا لیکن ان مباحثات کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر تہذیب و شائستگی کی حدیں بھی عبور کر دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے معاشرے میں نقص امن اور لڑائی جھگڑوں کے حالات برپا ہوجاتے۔ بہرکیف ایک غیور مسلمان ہونے کے ناطے آپؑ کو دین اسلام کا دفاع اور اس کی سربلندی بھی عزیز تھی لہذا آپؑ بھی ناموس رسالتؐ کی حفاظت اور دین اسلام کی صداقت کی خاطر مذہبی مباحثات کے میدان میں اترے لیکن آپؑ اپنی علمی بحثوں اور مکالمات کو ضابطہ اخلاق کا پابند بناتے اور ہر قسم کے مذہبی بغض، تعصب اور کینہ سے دور رہتے۔ آپؑ کے اس حسن اخلاق اور ادب و احترام کی مثال ''آفتاب پنجاب اخبار'' لاہور کے اس مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہ مضمون آریہ لوگوں کے مقابل پر لکھا گیا جس کا آغاز آپؑ یوں فرماتے ہیں: ''میں کمال عجز و انکسار سے بخدمت اپنے معزز دوستوں آریا صاحبوں کے، یہ فیصلہ جو ذیل میں مرقوم ہے، پیش کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ بجز تردید کامل و مکمل کے پایہ قبول سے ساقط نہ فرماویں گے۔'' (آفتاب پنجاب لاہور، ۴؍فروری ۱۸۷۸ء صفحہ ۲۷)

اس طرح حقانیت اسلام اور صداقت خیر الانام ﷺ کی تائید میں آپؑ نے درجنوں مضامین لکھے یہاں تک کہ جب اپنی معرکہ آراء کتاب ''براہین احمدیہ'' تصنیف فرمائی تو اُس کے مقدمہ میں بھی لکھا: ''اوّل ہر ایک صاحب کی خدمت میں جو اعتقاد اور مذہب میں ہم سے مخالف ہیں بصد ادب اور غربت عرض کی جاتی ہے جو اس کتاب کی تصنیف سے ہمارا ہرگز یہ مطلب اور مدعا نہیں جو کسی دل کو رنجیدہ کیا جائے یا کسی نوع کا بے اصل جھگڑا اُٹھایا جائے بلکہ محض حق اور راستی کا ظاہر کرنا مراد دلی اور تمناء قلبی ہے....'' (براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۷۱)

اسی دور میں جب اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو وحی و الہام کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا تو آپؑ کو عیسیٰ اور مسیح کے لقب سے بھی مخاطب فرمایا جس کی بنا پر آپؑ نے یہ اظہار فرمایا: ''یہ عاجز (مؤلف براہین احمدیہ) حضرت جلّ جلالہٗ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی مسیح کی طرز پر کمال مسکینی اور فروتنی اور غربت اور تذلّل اور تواضع سے اصلاح خلق کیلئے کوشش کرے ...'' (مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ ۹۔ مکتوب نمبر ۱)

بعد ازاں آپؑ کے اعلان وفات مسیحؑ اور دعویٰ مسیحیت پر ایک عظیم مخالفانہ شور اٹھا اور فتووں اور بدزبانیوں اور مشتعل بیانات سے آپؑ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی گئی لیکن آپؑ بفضلہٖ تعالیٰ ایک طرف تو اولوالعزمی کے ساتھ کھڑے رہے اور دوسری طرف نرمی اور حلم کے ساتھ ان مخالفانہ حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ کوئی اَور ہوتا تو شاید ترکی بہ ترکی بدزبانی کا جواب دیتا لیکن آپؑ جھگڑے اور جنگ و جدال کو طول دینے کی بجائے صلح و صفائی کے طریقوں کو ہی اپناتے رہے۔ آپؑ کی مخالفت میں مولوی محمد حسین بٹالوی پیش پیش تھے، ایک مرتبہ آپؑ نے بٹالوی صاحب کے نام ایک مکتوب میں لکھا: ''اور یہ عاجز للہ آپ کے ان الفاظ کے استعمال سے جو مخالفانہ تحریر کی حالت میں کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں یا اپنے بھائی کی تذلیل اور بدگمانی تک نوبت پہنچاتے ہیں معاف کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا قُلْتُ شَهِيْدٌ۔'' (مکتوبات احمدؑ جلد اول صفحہ ۳۱۳۔ مکتوب نمبر ۷)

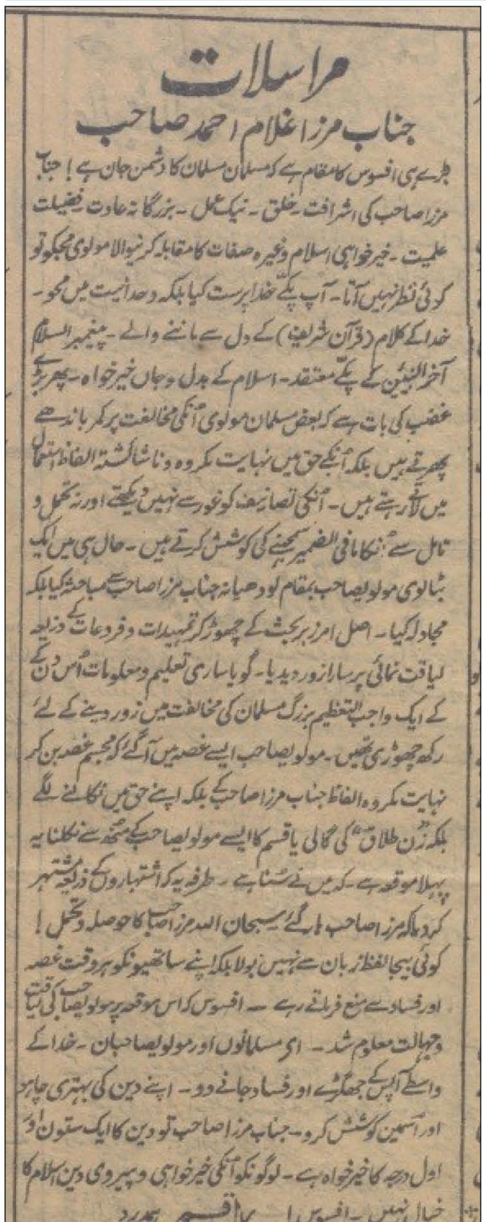
ارکان اسلام اور ارکان ایمان کی پابندی کے باوجود کافر ٹھہرایا جانا سمجھ سے بالا تھا اسی لیے حضور علیہ السلام بٹالوی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتے تھے۔ مفاہمت اور مصالحت کی خاطر آپؑ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو یہاں تک لکھا: ''اگرچہ میں بیمار ہوں ... تاہم افتاں و خیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ بقول رنگین

وہ نہ آوے تو تُو ہی چل رنگینؔ
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

(مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۳۱۲۔ مکتوب نمبر ۶)

لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی اس دوستانہ ماحول گفتگو کی طرف نہ آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف تکفیر اور مقاطعہ کی تحریک کو اور بڑھاوا دیتے رہے۔ آپؑ نقص امن کی وجہ سے پبلک مباحثہ سے بچنا چاہتے تھے لیکن جب باہم بیٹھ کر بات چیت کرنے کی امید دم توڑ گئی تو بالآخر بات مباحثہ تک پہنچی۔ آپؑ نے شرائط مباحثہ میں پہلی شرط امن اور سلامتی قائم رکھنے کی ہی رکھی چنانچہ آپؑ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام مکتوب میں لکھا: ''جلسہ بحث آپ کے مکان پر ہو اور امن قائم رکھنے کے لئے تمام انتظام آپ کے ذمہ ہوگا... میرے نزدیک یہ بات نہایت ضروری ہوگی کہ کوئی یورپین افسر اس جلسے میں ضرور تشریف رکھتے ہوں کیونکہ اس طرف چند آدمی اور دوسری طرف صدہا آدمی ہوں گے اور اکثر بدزبان اور مکفر ہوں گے۔ بغیر حاضری کسی یورپین کے ہرگز انتظام نہیں ہوسکتا لیکن اگر آپ کے نزدیک یورپین افسر کی ضرورت نہیں تو اوّل مجھے اپنی دستخطی تحریر سے مطلع فرمادیجئے کہ میں کامل انتظام گروہ مفسد خیال لوگوں کا کرلوں گا اور ان کا منہ بند رہے گا اور کسی یورپین افسر کی کچھ ضرورت نہیں ہوگی۔ اس صورت میں مَیں یہ شرط بھی چھوڑ دوں گا پھر اس تحریر کے بعد ہر ایک نتیجہ کے آپ ہی ذمہ وار ہوں گے۔'' (مکتوبات احمدؑ جلد اوّل صفحہ ۳۳۵۔ مکتوب نمبر ۱۸)

بعد ازاں یہ مباحثہ جون ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں ہوا جو ''الحق مباحثہ لدھیانہ'' کے نام سے مطبوعہ ہے۔ اس مباحثے میں حضرت اقدس علیہ السلام نے نہایت تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا۔ اس مباحثے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک صاحب نے پیسہ اخبار لاہور کے نام اپنے مراسلے میں لکھا: ''بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان مسلمان کا دشمن جان ہے۔ جناب مرزا صاحب کی شرافت، خلق، نیک عمل، بزرگانہ عادت، فضیلت، علمیت، خیرخواہی اسلام وغیرہ صفات کا مقابلہ کرنے والا مولوی مجھ کو تو کوئی نظر نہیں آتا... پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ بعض مسلمان مولوی اُن کی مخالفت پر کمر باندھے پھرتے ہیں بلکہ اُن کے حق میں نہایت مکروہ و ناشائستہ الفاظ استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔ اُن کی تصانیف کو غور سے نہیں دیکھتے اور نہ تحمل و تأمل سے اُن کا مافی الضمیر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حال ہی میں ایک بٹالوی مولوی صاحب


مراسلات
جناب مرزا غلام احمد صاحب
بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان مسلمان کا دشمن جان ہے! جناب مرزا صاحب کی شرافت۔ خلق۔ نیک عمل۔ بزرگانہ عادت۔ فضیلت علمیت۔ خیرخواہی اسلام وغیرہ صفات کا مقابلہ کرنیوالا مولوی مجکو تو کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ پکے خدا پرست کیا بلکہ وحدانیت میں محو۔ خدا کے کلام (قرآن شریف) کے دل سے ماننے والے۔ پیغمبر السلام آخر النبیین کے پکے معتقد۔ اسلام کے بدل و جان خیرخواہ۔ پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ بعض مسلمان مولوی آنکی مخالفت پر کمر باندھے پھرتے ہیں بلکہ آنکے حق میں نہایت مکروہ و ناشائستہ الفاظ استعمال میں لا رہتے ہیں۔ آنکی تصانیف کو غور سے نہیں دیکھتے اور نہ تحمل و تامل سے اُنکا مافی الضمیر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حال ہی میں ایک بٹالوی مولویصاحب بمقام لودھیانہ جناب مرزا صاحب سے مباحثہ کیا بلکہ مجادلہ کیا۔ اصل امر زیر بحث کے چھوڑ کر تمہیدات و فروعات کے ذریعہ لیاقت نمائی پر سارا زور دیدیا۔ گویا ساری تعلیم و معلومات اُس دن کے ایک واجب التعظیم بزرگ مسلمان کی مخالفت میں زور دینے کے لئے رکھ چھوڑی تھیں۔ مولویصاحب ایسے غصہ میں آگئے کہ مجسم غصہ بن کر نہایت مکروہ الفاظ جناب مرزا صاحب کے بلکہ اپنے حق میں نکالنے لگے بلکہ ''زن طلاق'' کی گالی یا قسم کا ایسے مولویصاحب کے منہ سے نکلنا یہ پہلا موقعہ ہے۔ کہ میں نے سنا ہے۔ طرفہ یہ کہ اشتہاروں کے ذریعہ مشتہر کردیا کہ مرزا صاحب ہار گئے۔ سبحان اللہ مرزا صاحب کا حوصلہ و تحمل! کوئی بیجا لفظ زبان سے نہیں بولا بلکہ اپنے ساتھیوں کو ہر وقت غصہ اور فساد سے منع فرماتے رہے۔ افسوس کہ اس موقعہ پر مولویصاحب کی لیاقت و جہالت معلوم شد۔ اے مسلمانوں اور مولویصاحبان۔ خدا کے واسطے آپس کے جھگڑے اور فساد جانے دو۔ اپنے دین کی بہتری چاہو اور اسمیں کوشش کرو۔ جناب مرزا صاحب تو دین کا ایک ستون اور اول درجہ کا خیرخواہ ہے۔ لوگوں کو آنکی خیرخواہی و پیروی دین اسلام کا خیال نہیں۔ افسوس! راقم ہمدرد

بمقام لودھیانہ جناب مرزا صاحب سے مباحثہ کیا بلکہ مجادلہ کیا ... مولوی صاحب ایسے غصہ میں آگئے کہ مجسم غصہ بن کر نہایت مکروہ الفاظ جناب مرزا صاحب کے بلکہ اپنے حق میں نکالنے لگے بلکہ ''زن طلاق'' کی گالی یا قسم کا ایسے مولوی صاحب کے منہ سے نکلنا یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے سنا ہے۔ طرفہ یہ کہ اشتہاروں کے ذریعہ مشتہر کر دیا کہ مرزا صاحب ہار گئے۔ سبحان اللہ مرزا صاحب کا حوصلہ و تحمل! کوئی بے جا لفظ زبان سے نہیں بولا بلکہ اپنے ساتھیوں کو ہر وقت غصہ اور فساد سے منع فرماتے رہے ...'' (پیسہ اخبار لاہور ۷؍ستمبر ۱۸۹۱ء صفحہ ۵)

یہ صرف ایک مباحثہ کا حال نہیں۔ ہر موقع پر آپؑ نے مخالفین کی طرف سے ظلم و زیادتی دیکھنے کے باوجود صلح و امن کی خاطر تحمل اور بردباری کا نمونہ دکھایا۔ آپؑ اپنے متعلق تو ہر ظلم و زیادتی برداشت کر جاتے لیکن اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر پر ناپاک حملے آپؑ کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ انہی ناپاک اعتراضات کی وجہ سے بعض مسلمان حلقوں کی طرف سے ہنگامہ آرائی تک نوبت بھی پہنچی

اور مختلف مذاہب کی اس ناحق چپقلش کی وجہ سے حکام کو نقضِ امن کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں علمی لحاظ سے ان اعتراضات کے جوابات دے کر رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو اجاگر کیا وہاں گورنمنٹ کے نام امن و صلح کی قابل قدر تجاویز بھی پیش کیں۔ قیام امن اور صلح کاری کے متعلق آپؑ کی یہ تجاویز سنہری الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپؑ اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک ایسی فتنہ انگیز تحریروں کے روکنے کے لئے بہتر طریق یہ ہے کہ گورنمنٹ عالیہ یا تو یہ تدبیر کرے کہ ہر ایک فریق مخالف کو ہدایت فرماوے کہ وہ اپنے حملہ کے وقت تہذیب اور نرمی سے باہر نہ جاوے اور صرف ان کتابوں کی بنا پر اعتراض کرے جو فریق مقابل کی مسلّم اور مقبول ہوں۔ اور اعتراض بھی وہ کرے جو اپنی مسلم کتابوں پر وارد نہ ہو سکے۔ اور اگر گورنمنٹ عالیہ یہ نہیں کر سکتی تو یہ تدبیر عمل میں لاوے کہ یہ قانون صادر فرماوے کہ ہر ایک فریق صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کرے اور دوسرے فریق پر ہرگز حملہ نہ کرے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ ایسا ہو۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ قوموں میں صلح کاری پھیلانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں کہ کچھ عرصہ کے لئے مخالفانہ حملے روک دیے جائیں۔ ہر ایک شخص صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور دوسرے کا ذکر زبان پر نہ لاوے۔ اگر گورنمنٹ عالیہ میری اس درخواست کو منظور کرے تو میں یقیناً کہتا ہوں کہ چند سال میں تمام قوموں کے کینے دور ہو جائیں گے اور بجائے بغض محبت پیدا ہو جائے گی۔'' (کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۶)

ایک سے زائد مرتبہ آپؑ نے یہ صلح پسند تجاویز حکام بالا اور اکابرین مذاہب کو پیش کیں لیکن افسوس کہ بعض مولویوں نے یہ کہہ کر اس تحریک کو روکنے کی کوشش کی کہ ان تجاویز سے اصل غرض مرزا صاحب کی اپنی ذات کو بچانا ہے۔ بہرکیف آپؑ کو عیسائیوں، آریوں، مولویوں اور بعض دیگر مخالفین کی طرف سے نہایت دل آزار اور تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں، آپؑ کی نسبت اور آپؑ کے گھر والوں کی نسبت بازاری زبان تک استعمال کی گئی، اشتہارات لگائے گئے، مضامین لکھے گئے حتیٰ کہ روبرو آکے بھی آپؑ کو بُرا بھلا کہا گیا لیکن حضرت اقدس علیہ السلام خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ۔(الاعراف:۲۰۰) کی عملی تفسیر بنے رہے۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مَیں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے بیٹھ کر میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۱۱-۴۱۔ ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

ایک اَور موقع پر فرمایا: ''... جو ہم کو گالیاں دیتے ہیں، ہم ان کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم سے تو گالیوں کی قوت ہی کھو دی ہے۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۲۲، ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

جہاں آپؑ نے صبر و تحمل، عفو و درگذر اور امن و سلامتی کا خود یہ اعلیٰ نمونہ دکھلایا وہاں اپنی جماعت کو بھی اس کی بارہا تاکید کی اور ہر قسم کی خصومت اور تشدّد کے طریق سے بچنے اور امن اور بھائی چارے کی راہ ہموار کرنے کی تعلیم دی۔حضرت اقدس علیہ السلام اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آخر کار مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم دشمن کے مقابلہ پر صبر اختیار کرو۔تم گالیاں سُن کر چپ رہو...مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی زدو کوب بھی کرے تب بھی صبر سے کام لو... یہ خدا کا فضل ہے کہ ہماری جماعت امن جُو ہے۔ اگر وہ ہنگامہ پرداز ہوتی تو بات بات پر لڑائی ہوتی اور پھر اگر ایسے لڑنے والے ہوتے اور ان میں صبر و برداشت نہ ہوتی تو پھر ان میں اور ان کے غیروں میں کیا امتیاز ہوتا؟...

لوگ مجھے کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہمیں مارا اور مسجد سے نکال دیا۔ مَیں یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر تم جواب دو تو میری جماعت میں سے نہیں۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۲، ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

آپؑ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں:

گالیاں سُن کے دعا دو پاکے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار
تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی
چھوڑ دو اُن کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار
چُپ رہو تم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں ستم
دم نہ مارو گر وُہ ماریں اور کر دیں حال زار
خیر خواہی میں جہاں کی خُوں کیا ہم نے جگر
جنگ بھی تھی صلح کی نیت سے اور کیں سے فرار

بلکہ آپؑ نے شرائط بیعت میں ہی چوتھے نمبر پر یہ شرط رکھی کہ ''یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا، نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔''

بفضلہٖ تعالیٰ افراد جماعت نے آپؑ کی اس تعلیم پر بخوبی عمل کیا اور معاندین کے انتہائی ظلم وستم کے باوجود قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ ۲۸؍فروری ۱۹۰۳ء کو کچھ آریہ لوگ حضرت اقدسؑ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور مختلف باتیں ہوئیں۔ ایک آریہ صاحب بولے کہ اصل میں جاہل تو دو ہی قومیں ہیں۔ آپ برا نہ مانیں تو مَیں عرض کر دوں۔ اوّل تو سکھ دوسرے ہمارے مسلمان بھائی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ''کسی شخص کو اس کے منہ پر جاہل کہنا بہت سخت گالی ہے مگر سوچو تو کیا ان حاضرین میں سے کوئی ایک بھی بولا ہے؟ کیا اب بھی تمہیں اس مجلس کی نرمی اور تہذیب پر کچھ شک ہے؟ بہت ہیں جو ہمارے منہ پر گالیاں دے جاتے ہیں مگر ان میں سے ایک کی بھی مجال نہیں ہوتی کہ دم مار کر اس کو کچھ بھی کہہ جاوے۔

ہم ان کو دن رات صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔ نرمی اور حلم سکھاتے ہیں۔ یہ وہ قوم نہیں کہ آپ کے اس اُصول کی مصداق بن سکے۔ ہاں ہم البتہ عوام الناس لوگوں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم تب مانیں اگر کسی آریہ لوگوں کے مجمع میں اس طرح کہہ دیں کہ تم جاہل ہو اور وہ صبر کر رہیں اور ایک کی بجائے ہزار نہ سنائیں تو!'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷، ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قیام امن کاوشوں میں سے ایک بڑا کارنامہ اسلامی جہاد کے تصور کی درستی ہے۔ مخالفین اسلام نے اسلام پر لگائے جانے والے اعتراضات میں جہاد کے مسئلہ کو بہت اچھالا ہے کہ اسلام ایک پُرتشدّد مذہب ہے اور قتل و غارت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ مولویوں کا امام مہدی کی خونریزی کے متعلق تصور مخالفین کے اعتراض کو تقویت دے رہا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے تمام تصوّرات کو ردّ فرمایا اور مسیح موعودؑ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی یَضَعُ الۡحَرۡبَ کی یاد دہانی کراتے ہوئے دین کے نام پر ہر قسم کی لڑائی اور جنگ کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ''... عیسیٰ مسیح ہونے کی حیثیت سے میرا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو وحشیانہ حملوں اور خونریزیوں سے روک دوں جیسا کہ حدیثوں میں صریح طور سے وارد ہو چکا ہے کہ جب مسیح دوبارہ دنیا میں آئے گا تو تمام دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔سو ایسا ہی ہوتا جاتا ہے.... اور یہ وہ صلح کاری کا جھنڈا اکھڑا کیا گیا ہے کہ اگر ایک لاکھ مولوی بھی چاہتا کہ وحشیانہ جہادوں کے روکنے کے لئے ایسا پُر تاثیر سلسلہ قائم کرے تو اس کے لئے غیر ممکن تھا اور میں امید رکھتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو چند سال میں ہی یہ مبارک اور امن پسند جماعت جو جہاد اور غازی پن کے خیالات کو مٹا رہی ہے کئی لاکھ تک پہنچ جائے گی اور وحشیانہ جہاد کرنے والے اپنا چولہ بدل لیں گے۔'' (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۸، ۲۹)

آپؑ نے اپنی تحریرات، ملفوظات اور اشتہارات میں اس تعلیم کو بار بار دہرایا ہے اور اپنے مصلح اور امن پسند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ایک اور جگہ آپؑ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ ان کے عقیدے ایسے تھے کہ جو وحشیانہ جوشوں کو پیدا کرتے اور تہذیب اور شائستگی سے دور ڈالتے تھے اور غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ایسے عقیدوں کا انسان ایک خطرناک انسان ہوتا ہے سو خدا نے جو رحیم کریم ہے میرے ظہور سے صلح کاری کی بنیاد ڈالی اور میری جماعت کے دلوں کو ان بیہودہ عقیدوں سے ایسا دھویا جیسے ایک کپڑا صابون سے دھویا جائے ...'' (کشف الغطاء، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۴)

جولائی ۱۹۰۳ء میں جب حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ کو افغانستان میں بے دردی سے شہید کیا گیا تو آپؑ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے تذکرے میں اور باتوں کے علاوہ اس بات کا بھی اظہار فرمایا کہ ''ہماری تعلیم ایسی تعلیم نہیں تھی کہ کوئی اس کو پکڑ سکے بلکہ یہ تعلیم تو امن کے پھیلانے والی ہے۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۵۱۳ ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

مخالف مولویوں نے حکومت برطانیہ کو آپؑ کے متعلق بدظن کرنے کی بھی کوشش کی کہ یہ شخص امام مہدی ہونے کا دعویدار ہے جو روایات کے مطابق غیر مسلموں کو قتل کرے گا لہٰذا اس شخص کا بندوبست کیا جائے۔ پادری عمادالدین اور ڈاکٹر گرس وولڈ وغیرہ نے بھی ایسے خدشات کو اچھالنے کی کوشش کی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات، تعلیمات اور عملی نمونہ نے ان کی ریشہ دوانیوں کو پنپنے نہ دیا اور ان بداندیشوں کو منہ کی کھانی پڑی۔خود مغربی پادریوں اور مستشرقین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے امن پسند اور حکومت کے خیر خواہ ہونے کی گواہی دی۔مشہور مستشرق Ignaz Goldziher نے لکھا:

"The Mahdi of Islamic orthodoxy is a warrior who combats the unbelievers, sword in hand, and whose path is marked in blood… The new prophet is a prince of peace. He has eliminated jihad (holy war) from the obligations of Muslim men. He inculcates upon his followers peace and tolerance, condemns fanaticism, and in general strives to awaken in them a spirit receptive and favourable to culture… He does insist, however, on performance of the essential Muslim obligations." (Introduction to Islamic Theology and Law by Ignaz Goldziher, translated by Andras and Ruth Hamori page 264 -265 Princeton University Press, Princeton, New Jersey 1981)



MIRZA GHOLAM AHMED'S LAST MESSAGE.

A MESSAGE OF PEACE.

At the University Hall, Lahore, on the morning of Sunday, the 21st June at 7 A. M., an unusually large audience assembled to hear the Message of Peace of late Mirza Ghulam Ahmad of Qadian. The spacious hall was crowded to its utmost capacity and the audience numbered at its lowest computation at about five thousands. It was a representative gathering of men of different creeds and sects. Hindus, Mahomedans, Sikhs, Aryas, Brahmos and Christians all were numerously represented. A big dais was raised in the centre with either side of which seats were arranged in several rows of chairs for ticket-holders while the general public was accommodated on the carpets. The Hon'ble Dr. Justice Pratul Chandar Chatterjee, M.A., C.I.E., the Chairman of the meeting reached the Hall at 7 and was received at the portico by the organisers of the meeting, and conducted to the dais amid loud and vociferous cheerings. Pundatani Saala Devi Chowdhrani, B. A., was the only lady present and she was also given a seat on the dais. The proceedings opened with the recitation of verses from the first *Rakat* of Quran by Dr. Mirza Yaqub Beg, L. M. S. After a few appreciative words from the Chair, Khwaja Kamal-ud-Din, Pleader, Chief Court Punjab, rose to deliver the Message which he read out from a printed pamphlet in a clear and loud voice such as was distinctly audible at the farthest corner of the hall. Perfect silence was maintained in the hall and the exhortation was listened to with rapt attention by the entire audience. The Mirza Sahib laid much stress on the importance and utility of fostering feelings of friendship and good-will between the two chief sections of Indian populace, Hindus and Mahomedans, especially at a time when of all things co-operation and mutual help are essential to solve the difficult problems that confront them both together. He preached religious toleration as the primary need to wipe away the petty causes of differences that exist between the two communities. As an earnest of good-will the Message of the Mirza advocated a remarkable compromise. "If the Hindus, it said, are prepared to regard the Quran and the Prophet with the same esteem and veneration with which they look to their own sacred book, the Vedas and their own *Avataras*, the members of the Ahmdya Sect, have no scruple in accepting the Vedas as sacred and giving the Hindu incarnations a proper place in their estimation. The Message also said that in the event of any party failing to fulfil the terms of the above compromise, it should stipulate to pay to the other party a sum of three lakhs of rupees. In order to make the contract binding, it should be signed by ten thousand, responsible and educated persons from the either side.

The proceedings lasted till about 9, and as the Chairman was indisposed in health, he wanted to leave the hall early. Accordingly the Message was cut short and its remaining portion was reserved for another meeting even at the remonstrances of some people chief amongst them being Pundit Rambhaj Dutt Chowdhary who wanted the complete Message to be delivered.

After passing a vote of thanks to the Chair the meeting dispersed.

ترجمہ: مسلمانوں کے معتد بہ حصہ میں پایا جانے والا تصور مہدی یہ ہے کہ وہ ایک جنگجو ہو گا جو کہ کفار سے جنگ کرے گا اس حال میں کہ اس کے ہاتھوں میں شمشیر ہو گی اور اس کی راہ خون سے رنگین...نیا نبی (حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ناقل) امن و سلامتی کا شہزادہ ہے، اس نے مسلمانوں پر سے فرضِ جہاد کو ختم کر دیا ہے (جہاد کی فرضیت کو ختم نہیں کیا بلکہ اس زمانے میں دین کی خاطر قتال اور لڑائیوں کا خاتمہ کیا ہے اور زمانے کے حالات کے مطابق جہاد بالنفس اور جہاد بالقلم پر زور دیا ہے۔ ناقل) یہ اپنے پیروؤں کو امن اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے، تشدد کو برا سمجھتا ہے... البتہ یہ (مہدی) اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ فرائضِ اسلامیہ کی بجا آوری بھی لازمی ہے۔

ہندوستان میں انگریز حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں کی اکثریت اس کی فرمانبرداری میں تھی لیکن بعض لوگ در پردہ بغاوت اور فتنہ و فساد کی کارروائیوں کو دینی لحاظ سے جائز بلکہ جہاد سمجھتے تھے، اسی بنا پر سرحدی علاقوں میں خصوصاً بعض انگریز افسران کے قتل ہونے کے واقعات بھی ہوئے۔حضرت اقدس علیہ السلام نے ہندوستان کے دارالسلام ہونے کے ناطے انگریز حکومت کی فرمانبرداری کی تعلیم دی اور حکومت کے خلاف ہر قسم کے ہنگاموں اور فتنہ و فساد کے راستوں سے اجتناب کا سبق دیا۔مورخہ ۲۵؍جون ۱۸۹۷ء کو آپؑ نے ایک ایسا ہی اشتہار دیا جس کی ضرورت اور افادیت کو دیکھتے ہوئے مولانا سرسید احمد خان صاحب نے اپنے مشہور اخبار ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع تہذیب الاخلاق'' میں لکھا: ''اسی اشتہار میں مرزا صاحب نے ایک نہایت عمدہ فقرہ گورنمنٹ انگریزی کی خیرخواہی اور وفاداری کی نسبت لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک ہر ایک مسلمان کو جو گورنمنٹ انگریزی کی رعیت ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ اس لیے ہم اس فقرہ کو اپنے اخبار میں چھاپتے ہیں۔'' (علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع تہذیب الاخلاق ۔ ۲۴؍جولائی ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۴۔ ایڈیٹر سرسید احمد خان)

اپنی وفات سے چند دن پہلے امن کے اس شہزادے

نے ”پیغام صلح“ نامی رسالہ تصنیف فرمایا۔ اس رسالے کا پڑھنے والا آپؑ کی امن پسندی، صلح جوئی اور خیرسگالی کی کاوشوں کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس رسالے کی اشاعت پر اپنوں اور غیروں نے اس کو بے حد سراہا۔ لاہور کے مؤقر انگریزی اخبار The Tribune نے مضمون پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا:

The Mirza Sahib laid much stress on the importance and utility of fostering feelings of friendship and good-will between the two chief sections of Indian populace, Hindus and Mahomedans, especially at a time when of all things co-operation and mutual help are essential to solve the difficult problems that confront them both together. He preached religious toleration as the primary need to wipe away the petty causes of differences that exist between the two communities. As an earnest of good-will the Message of the Mirza advocated a remarkable compromise. (The Tribune, 23 June 1908 page 6 column 4)

ترجمہ: مرزا صاحب نے ہندوستانی آبادی کے دو بڑے حصوں، یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دوستی اور خیرسگالی کے جذبات کو فروغ دینے کی اہمیت اور افادیت پر بہت زور دیا۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جب ان دونوں کو درپیش مشکل مسائل کے حل کے لیے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ انہوں نے مذہبی رواداری کی پرچار کرتے ہوئے دونوں مذاہب کے درمیان اختلافات کا باعث بننے والی معمولی وجوہات کو ختم کرنے کو بنیادی ضرورت قرار دیا۔ خیرسگالی کی اس سنجیدہ کوشش میں مرزا صاحب کے پیغام نے غیرمعمولی مفاہمت کی وکالت کی ہے۔

(اخبار دی ٹریبیون لاہور)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ساری زندگی امن و سلامتی کا پرچار کیا۔ کبھی آپؑ ”ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔“ (مجموعہ اشتہارات جلدسوم صفحہ ۲۹۵) کا اعلان کرتے ہیں اور کبھی ”لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود“ (یعنی ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا۔) کا پیغام دیتے ہیں۔ آپؑ کی اس امن پسندی کی گواہی آسمان سے بھی آتی ہے اور ”امن است در مکان محبت سرائے ما“ کا الہام آپؑ پر نازل ہوتا ہے۔ ایک اور بد بخت کی ہرزہ سرائی پر صبر و تحمل کے عظیم الشان مظاہرہ پر اللہ تعالیٰ اس سلامتی کے شہزادے کو یہ خوشخبری عطا فرماتا ہے: ”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔“ (مجموعہ اشتہارات جلدسوم صفحہ ۳۹۹۔ اشتہار ۱۶/ اگست ۱۹۰۶ء)

آپؑ اس زمانے کے ربّانی امام تھے اور اَلإمام جُنَّةٌ یعنی امام ڈھال ہوتا ہے۔ (حدیث نبویؐ) پس اسی ڈھال میں ہی اصل امن، سلامتی، خیر اور عافیت ہے اسی لیے آپؑ زمانے کو ”اس زمانے کا حصن حصین میں ہوں“ اور ”میں عافیت کا ہوں حصار“ اور قادیان کے دارالامان ہونے کا پیغام دیتے ہیں۔ حضرت پیر سراج الحق نعمانی رضی اللہ عنہ (وفات: ۳/ جنوری ۱۹۳۵ء) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک مخالف کے خط کے جواب میں قادیان کے ساتھ دار الامان کا لفظ لکھ دیا۔ پھر خیال آیا کہ حضرت اقدسؑ کی اجازت سے لکھنا چاہیے چنانچہ جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی تو حضورؑ نے فرمایا: ”ضرور لکھ دو۔ یہ خدا کی طرف سے دار الامان ہے، اب ضرور ہر خط پر لکھ دیا کرو۔“ (تذکرۃ المہدی مصنفہ حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ صفحہ ۱)

آپؑ نے دنیا میں بدامنی اور اضطراب کی جہاں اور وجوہات کی نشاندہی فرمائی ہے وہاں سب سے بڑی وجہ خالق حقیقی کی ذات سے دوری اور بے اعتنائی بیان فرمائی ہے۔ امام وقت ہونے کی حیثیت سے آپؑ نے دنیا کو امن کی حقیقی راہ خدائے واحد و یگانہ سے تعلق پکڑنے میں بتائی ہے اور اس سے منہ موڑنے کی صورت میں یوں انتباہ فرمایا ہے: ”وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی... یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر مَیں نہ آیا ہوتا تو اِن بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہوگئے جیسا کہ خدا نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:۱۶) اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں اُن پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟.... اے یورپ تُو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تُو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اِس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے، نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اُس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔“ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹)

بقیہ: دَورِ خلفائے راشدین میں لڑی جانے والی جنگوں کے مقاصد اور ان کے شیریں ثمرات......از صفحہ نمبر ۲۵

اپنے محلات، قلعوں اور املاک سمیت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

پھر جنگِ جلولاء میں قادسیہ کے بعد ایرانی مزاحمت کو مزید شکست ہوئی۔ اور جنگِ نہاوند (۲۱ھ/ ۶۴۲ء) کو تو ”فتح الفتوح“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس فتح سے تو ساسانی سلطنت عملاً ختم ہوگئی اور خطہ ایران کے بڑے حصے اسلامی حکومت کے زیرِ اثر آ گئے۔

اس زمانے کی دوسری سپر پاور شام کی بات کی جائے تو فتوحات کے تسلسل میں نظر آتا ہے کہ جنگِ یرموک (۱۵ھ/ ۶۳۶ء) کے مسلمان سالار حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کے مقابل پر بازنطینی سلطنت کی فوج آئی۔ مگر ہوا یہ کہ شام میں بازنطینی اقتدار تقریباً ختم ہوگیا۔ اور دمشق، حمص اور دیگر شہر مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ کئی لحاظ سے جنگ یرموک اسلامی تاریخ کی غیرمعمولی طور پر فیصلہ کن جنگوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اگر یرموک میں مسلمانوں کو شکست ہوتی تو شام کی فتوحات رک جاتیں اور اسلامی ریاست دوبارہ عرب تک محدود ہوسکتی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ۶۳۷ء میں بیت المقدس کی فتح جو فتحِ ایلیا بھی کہلاتی ہے، ہوئی جس کے بعد شہر نے براہِ راست حضرت عمر بن الخطاب کے ہاتھ پر صلح کی۔ جس سے دنیا میں مذہبی رواداری کی غیرمعمولی مثال قائم ہوئی کیونکہ مقامی عیسائی آبادی کو تحفظ فراہم کیا گیا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ فتح اور امان فوجی کامیابی سے زیادہ مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی فتح کی اعلیٰ مثال ہے۔

عرب کی مغربی سمت میں براعظم افریقہ کی طرف اسلامی سلطنت کی وسط کا جائزہ لیں تو حضرت عمرؓ کے دور میں مصر کی فتح ہوئی جب مسلمان سپہ سالار حضرت عمرو بن العاصؓ نے کمال فوجی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرحلہ وار جنگی کارروائی کرتے ہوئے فرما، بابلیون اور اسکندریہ حاصل کیے اور یوں مصر بھی بازنطینی سلطنت سے نکل گیا اور مسلمانوں کی بحری قوت کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔ الغرض مصر کی فتح نے اسلامی ریاست کو معاشی استحکام دیا، کیونکہ مصر اس وقت بھی دنیا کے اہم زرعی علاقوں میں شمار ہوتا تھا۔

خلافتِ عثمانؓ (۲۳-۳۵ھ) کے دور کا بھی طائرانہ جائزہ لیں تو ایران اور خراسان میں پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمان افواج نے خراسان، طبرستان، آرمینیا اور آذربائیجان تک اپنی موجودگی، فوجی برتری اور زمینی سطوت کا اظہار کیا جبکہ شمالی افریقہ کی مہمات میں موجودہ لیبیا اور تیونس کے علاقوں تک اسلامی نفوذ بڑھا۔

اس غیرمعمولی دور کی بحری جنگوں میں جنگِ ذات الصواری (۳۴ھ/ ۶۵۵ء) ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کے مقابل پر بازنطینی بحری بیڑا تھا۔ اور نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کی پہلی بڑی بحری فتح ملی اور بحیرۂ روم میں بھی اسلامی قوت کی برتری تسلیم کی گئی۔

اگر دیکھا جائے تو دور خلافتِ عثمانی کی سب سے بڑی عسکری کامیابی بحری طاقت کا قیام تھا، جس نے مستقبل میں قبرص، شمالی افریقہ اور اندلس کی فتوحات کی بنیاد رکھی۔

حضرت علیؓ (۳۵-۴۰ھ) کے دور خلافت میں بیرونی فتوحات تقریباً رک گئیں اور داخلی اختلافات نمایاں ہوگئے۔ جن میں جنگِ جمل ہوئی جس میں حضرت علی بن ابی طالب کے مقابل پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حامی تھے۔ اور جنگِ صفین میں حضرت علیؓ اور معاویہ بن ابی سفیان کی تلواریں ٹکرائیں۔ جبکہ ایک اور خون ریز جنگ وہ تو جب نہروان میں خوارج کے خلاف کارروائی ہوئی۔ مورخین و مصنفین نے اس دور کو عسکری فتوحات کے بجائے سیاسی بحران کا دور قرار دیا ہے کیونکہ اندرونی اختلافات نے اسلامی دنیا کی توجہ بیرونی توسیع سے ہٹا دی تھی۔

شیریں ثمرات

خلافت راشدہ کی جنگوں کے شیریں ثمرات کا خلاصہ دیکھیں تو سامنے آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد اور بغاوتیں پیدا ہوئیں اور نہایت کامیابی سے باغیوں اور فسادیوں کا صفایا ہوا۔ تب رومی اور ساسانی ہمسایہ سلطنتیں مسلمانوں کے لیے مستقل خطرہ تھیں اور سرحدی علاقوں میں امن قائم کرنا ضروری تھا تا مظلوم اقوام خود کو ان ظالم سلطنتوں سے محفوظ محسوس کریں، مذہبی آزادی کا تحفظ ہو اور زبردستی لوگوں کا مذہب تبدیل کروانا ممکن نہ رہے۔ نومولود اسلامی سلطنت کے معاشی حقوق کی حفاظت اور ضمانت کے لیے تمام تجارتی راستوں کا تحفظ ہو جائے۔ اور سلطنت کے دور ونزدیک تمام علاقوں میں عدل پر مبنی ایسا نظام حکومت قائم ہو جس سے مفتوحہ علاقوں کے حقوق، تمام معاہدات کی پابندی اور بیت المال کا منصفانہ نظام راہ پکڑ سکے۔

اس جنگی دور کے بعد جو علمی ثمرات سامنے آئے ان میں علم کی اشاعت کے راستے کھلتے چلے گئے۔ مختلف تہذیبوں کا ملاپ ہوا۔ معروف رسالہ ”نیشنل جیوگرافک“ کی ویب سائٹ پر ۵/ جون ۲۰۲۶ء کو شائع ہونے والے Sergi Grau Torras کے تحقیقی مقالہ کے مطابق آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل اسلامی دنیا نے ایک عظیم علمی و سائنسی دور دیکھا جسے اسلام کا سنہری دور کہا جاتا ہے، اور اس کی بنیاد اسی دور خلافت راشدہ میں پڑی تھی۔

گو یہ دور آٹھویں صدی میں خلافتِ عباسیہ کے عہد میں بغداد سے شروع ہوا اور تیرہویں صدی میں منگول حملوں تک جاری رہا۔ اس زمانے میں عباسی خلفاء نے ایک وسیع ترجمہ تحریک کا آغاز کیا، جس کے ذریعے یونانی، فارسی، ہندی، مصری اور بابلی علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ بغداد کا بیت الحکمہ دنیا کا ممتاز علمی مرکز بن گیا، جہاں مختلف مذاہب اور قومیتوں کے علماء نے مل کر تحقیق و تدریس کی۔ اس علمی ماحول نے ریاضی، فلکیات، طب، بصریات، جغرافیہ اور دیگر علوم میں غیرمعمولی ترقی کو جنم دیا۔ مسلمان علماء نے صرف قدیم علوم کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان میں نئے اضافے بھی کیے۔ مثلاً الجبرا کی ترقی، اعشاری نظام اور صفر کے استعمال کو فروغ ملا، جبکہ طب اور فلکیات میں بھی نمایاں ایجادات ہوئیں۔ بعد ازاں انہی عربی علمی ذخائر کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا، جس نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور جدید سائنس کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اگرچہ ۱۲۵۸ء میں منگولوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی اور بیت الحکمہ کی بربادی کے ساتھ اس سنہری دور کا اختتام ہوا، تاہم اس دور کی علمی میراث آج بھی جدید سائنس، ریاضی اور طب کی تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ صہبا لکھنوی نے کیا خوب لکھا ہے کہ

کارواں کے چلنے سے کارواں کے رکنے تک
منزلیں نہیں یارو راستے بدلتے ہیں

☆...☆...☆

لیگ آف نیشنز کی طرح اقوام متحدہ کا ادارہ کیوں ناکام ہوا؟

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات کی روشنی میں تجزیہ

(ابو نائل)

چار اصول لیگ آف نیشنز کے قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں جب تک ان پر عمل نہیں ہوگا امن پیدا نہیں ہوسکتا۔ پہلی لیگ آف نیشنز بھی ناکام رہی اور اب دوسری لیگ آف نیشنز بھی ناکام رہے گی۔ پس ضروری ہے کہ دنیا اسلام کے اصولوں کو اپنائے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے کیونکہ جب تک یہ پارٹی سسٹم جاری ہے اور جب تک یہ امتیاز باقی ہے کہ یہ چھوٹی قوم ہے اور وہ بڑی قوم ہے اور یہ کمزور حکومت ہے اور وہ طاقتور حکومت ہے اُس وقت تک دنیا کے امن کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتے (حضرت مصلح موعودؓ)

آج کل کے دَور میں جب ہر طرف سے خون ریزی اور جنگوں کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ کبھی اِس خطہ میں اور کبھی اُس خطہ میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ کہیں نفرت انگیز شعلہ بیانی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور کہیں پر امن قائم کرنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع ہوتی ہے۔ پرانے اتحاد ٹوٹ رہے ہیں اور نئے دوستوں کی تلاش کی جارہی ہے۔ اس اُتھل پُتھل میں اگر کوئی آخری مغل فرمانروا بہادر شاہ ظفر کی یہ غزل پڑھے تو آپ کے ذہن میں کون سے ادارے کا نام آئے گا؟

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
کسی کام میں جو نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آ کے شمع جلائے کیوں میں وہ بیکسی کا مزار ہوں

جی ہاں آپ کا اندازہ درست ہے۔ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالمی ادارے اقوام متحدہ کی یہی حالت ہے۔ جب پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ ہوا تو فاتح اقوام نے لیگ آف نیشنز کے نام سے دنیا کے مختلف ممالک کی ایک تنظیم قائم کی تا کہ آئندہ سے دنیا میں خوفناک جنگوں کا راستہ روکا جاسکے۔ اور پُرامن اور منصفانہ طریق پر مختلف ممالک کے درمیان اختلافات کو حل کیا جاسکے۔ یہ تنظیم اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کرسکی۔ دنیا میں امن تو کیا قائم ہونا تھا لیگ آف نیشنز کی حیات میں ہی پہلی جنگ عظیم سے کہیں زیادہ بھیانک جنگ یعنی دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ جب لیگ آف نیشنز کا جنازہ بغیر کسی دھوم کے نکلا تو انہیں کھنڈرات پر اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اب یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا وجہ ہے کہ گذشتہ سو سال میں بننے والی دونوں بڑی عالمی تنظیمیں اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

سب سے پہلے ہم لیگ آف نیشنز کے قیام اور زوال کا تجزیہ کریں گے۔ کیونکہ لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کی ناکامیاں ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ اور اس تجزیہ کے لیے پہلے اس ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشادات پیش کریں گے جو کہ اس وقت کے ہیں جب ان دونوں تنظیموں کا قیام عمل میں آیا تھا اور ان کے قیام سے بڑی امیدیں وابستہ کی جارہی تھیں۔ لیگ آف نیشنز نے جنوری ۱۹۲۰ء میں کام شروع کیا۔ امریکی صدر ووڈرو ولسن نے اس کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا لیکن وہ امریکی سینٹ کو اس کا ممبر بننے پر آمادہ نہ کرسکے۔

اس تنظیم کے چارٹر میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اس کے ممبر ممالک آپس میں اختلافات کی صورت میں مذاکرات اور عالمی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے فیصلہ کریں گے۔ اور اگر کوئی ممبر ملک دوسرے ملک کے خلاف جارحیت کا مرتکب ہو تو اس بارے میں لیگ آف نیشنز کے اصول میں نمبر ۱۶ میں اس کا یہ حل تجویز کیا گیا تھا:

Should any Member of the League resort to war in disregard of its covenants under Articles 12, 13 or 15, it shall ipso facto be deemed to have committed an act of war against all other Members of the League, which hereby undertake immediately to subject it to the severance of all trade or financial relations, the prohibition of all intercourse between their nationals and the nationals of the covenant-breaking State, and the prevention of all financial, commercial or personal intercourse between the nationals of the covenant-breaking State and the nationals of any other State, whether a Member of the League or not. It shall be the duty of the Council in such case to recommend to the several Governments concerned what effective military, naval or air force the Members of the League shall severally contribute to the armed forces to be used to protect the covenants of the League.

ترجمہ: اگر کوئی ممبر ملک اس عہد نامہ کی شق ۱۲، ۱۳ اور ۱۵ کے باوجود جنگ کا راستہ اختیار کرے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوگا کہ اس نے لیگ کے تمام دوسرے ممبر ممالک کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اور یہ باقی ممالک فوری طور پر اس ملک سے تجارتی اور مالی تعلقات توڑ لیں گے۔ اور ان ممالک کے شہری اس جارح ملک کے شہریوں سے میل ملاپ بند کر دیں گے۔ اور دوسرے ممالک کے شہری اس جارحیت کرنے والے ملک کے شہریوں سے مالی، تجارتی اور ذاتی تعلقات توڑ دیں گے۔ خواہ یہ ملک لیگ کا ممبر ہو یا نہ ہو۔ ایسی صورت حال میں یہ کونسل کا فرض ہوگا کہ مختلف حکومتوں کو یہ ہدایت کرے کہ وہ فوجی، بحری اور فضائی قوت کے ساتھ اپنا حصہ ڈال کر لیگ کے عہد کی حفاظت کریں۔

بظاہر یہ بہت خوبصورت اور بلند و بالا خیالات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پُرامن بنانے کے لیے ایک تاریخ ساز عہد کیا جارہا ہے تا کہ آئندہ پہلی جنگ عظیم جیسی تباہی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی ملک بے جا جارحیت کا ارتکاب کرے گا تو باقی تمام ممالک اس ملک سے تمام مالی اور تجارتی تعلقات توڑ دیں گے۔ پوری دنیا اس کے شہریوں کا بھی بائیکاٹ کر دے گی تو کون سا ملک ہوگا ہو جو تمام دنیا سے اس طرح کی ٹکر لے سکے گا۔ اور اس کے علاوہ تمام ممبر ممالک اپنی فوجی، بحری اور فضائی قوت، اس ملک کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش کر دیں گے۔ ظاہر ہے اس وقت لیگ آف نیشنز کے اس عہد سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کی جارہی تھیں۔

لیگ آف نیشنز کے قیام پر حضرت مصلح موعودؓ کا تجزیہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ اس کانفرنس میں حضورؓ کا تاریخی مضمون پڑھا گیا جو ’’احمدیت یعنی حقیقی اسلام‘‘ کے نام سے معروف ہے۔ اس میں حضورؓ نے فرمایا: ’’جھگڑوں کو مٹانے کے لیے ایک عجیب حکم دیا ہے جسے آج ہم لیگ آف نیشنز کی شکل میں دیکھتے ہیں لیکن ابھی تک یہ لیگ ویسی مکمل نہیں ہوئی جس حد تک کہ اسلام اس کو لے جانا چاہتا ہے اسلام یہ حکم دیتا ہے وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔ (الحجرات:۱۰) یعنی اگر دو قومیں مسلمانوں میں سے آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی آپس میں صلح کرادو یعنی دوسری قوموں کو چاہئے کہ بیچ میں پڑ کر ان کو جنگ سے روکیں اور جو وجہ جنگ کی ہے اس کو مٹائیں اور ہر ایک کو اس کا حق دلائیں لیکن اگر باوجود اس کے ایک قوم باز نہ آئے اور دوسری قوم پر حملہ کر دے اور مشترکہ انجمن کا فیصلہ نہ مانے تو اس قوم سے جو زیادتی کرتی ہے سب قومیں مل کر لڑو یہاں تک کہ خدا کے حکم کی طرف وہ لوٹ آئے یعنی ظلم کا خیال چھوڑ دے۔ پس اگر وہ اس امر کی طرف مائل ہو جائے تو ان دونوں قوموں میں پھر صلح کرادو مگر انصاف اور عدل سے اور مروّت سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں بین الاقوامی صلح کے قیام کے لیے مندرجہ ذیل لطیف گُر بتائے گئے ہیں۔

سب سے اوّل جب دو قوموں میں لڑائی اور فساد کے آثار ہوں معاً دوسری قومیں بجائے ایک یا دوسری کی طرفداری کرنے کے ان دونوں کو نوٹس دیں کہ وہ قوموں کی پنچائت سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں۔ اگر وہ منظور کرلیں تو جھگڑا امٹ جائے گا۔ لیکن اگر ان میں سے ایک نہ مانے اور لڑائی پر تیار ہو جائے تو دوسرا قدم یہ اُٹھایا جائے کہ باقی سب اقوام اس کے ساتھ مل کر لڑیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سب اقوام کا مقابلہ ایک قوم نہیں کرسکتی۔ ضرور ہے کہ جلد اس کو ہوش آجائے اور وہ صلح پر آمادہ ہو جائے۔ پس جب وہ صلح کے لیے تیار ہو تو تیسرا قدم یہ اٹھائیں کہ ان دونوں قوموں میں جن کے جھگڑے کی وجہ سے جنگ شروع ہوئی تھی صلح کرادیں۔ یعنی اس وقت اپنے آپ کو فریق مخالف بنا کر خود اس سے معاہدات کرنے نہ بیٹھیں بلکہ اپنے معاہدات تو جو پہلے تھے وہی رہنے دیں۔ صرف اسی پہلے جھگڑے کا فیصلہ کریں جس کے سبب سے جنگ ہوئی تھی اس جنگ کی وجہ سے نئے مطالبات قائم کر کے ہمیشہ کے فساد کی بنیاد نہ ڈالیں۔

چوتھے یہ امر مدنظر رکھیں کہ معاہدہ انصاف پر مبنی ہو یہ نہ ہو کہ چونکہ ایک فریق مخالفت کر چکا ہے اس لیے اس کے خلاف فیصلہ کردو بلکہ باوجود جنگ کے اپنے آپ کو ثالثوں کی ہی صف میں رکھو فریق مخالف نہ بن جاؤ۔ ان امور کو مدنظر رکھ کر اگر کوئی انجمن بنائی جائے تو دیکھو کہ کس طرح دنیا میں بین الاقوامی صلح ہوجاتی ہے سب فساد اسی امر سے پیدا ہوتا ہے کہ اوّل تو جب جھگڑا ہوتا ہے دوسری طاقتیں الگ بیٹھی دیکھتی رہتی ہیں اور جب دخل دیتی ہیں تو الگ الگ دخل دیتی ہیں۔ کوئی کسی کے ساتھ ہو جاتی ہے اور کوئی کسی کے ساتھ اور یہ جنگ کو بڑھاتا ہے گھٹاتا نہیں۔ اگر دوسری طاقتیں آپس میں مل کر بغیر اپنے خیالات کے اظہار کیے کے پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ حکومتوں کی پنچائت کے ذریعہ اس جھگڑے کو طے کیا جائے اور سب مل کر متفقہ طور پر ایک کو نہیں دونوں کو یا جس قدر حکومتیں جھگڑ رہی ہوں سب کو توجہ دلائیں کہ لڑنے کی ضرورت نہیں بین الاقوامی مجلس میں اپنے خیالات پیش کرو اور انصاف کے اس اصل کو مدنظر رکھیں کہ وہ پہلے سے کوئی خیالات قائم نہ کرلیں جس طرح جج فریقین کی باتیں سننے سے پہلے کوئی رائے قائم نہیں کرتا۔ پھر دونو فریق کی بات سن کر ایک فیصلہ کریں جو فریق تسلیم نہ کرے سب مل کر اس سے لڑیں اور جب وہ زیر ہوجائے تو اس وقت اپنے مطالبات اپنی طرف سے پیش نہ کریں بلکہ پہلے ہی جھگڑے کو سلجھادیں۔ کیونکہ اگر ایسے موقع پر شکست خوردہ قوم کو لوٹنے کی تجویز ہوئی اور ہر ایک قوم نے مختلف ناموں سے اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو لازماً ان فائدہ اٹھانے والی قوموں میں آپس میں بھی تباغض اور تحاسد بڑھے گا اور جس قوم کو وہ زیر کریں گی اس کے ساتھ بھی نیک تعلقات پیدا نہیں ہوسکیں گے اور مجلس بَیۡنَ الۡاَقۡوَامۡ سے دنیا کی حکومتوں کو

سچی ہمدردی بھی پیدا نہ ہو سکے گی۔ پس چاہئے کہ اس جنگ کے بعد صرف اسی جھگڑے کا تصفیہ ہو جس پر جنگ شروع ہوئی تھی نہ کہ کسی اور امر کا۔

اب رہا یہ سوال کہ جو اخراجات جنگ پر ہوں گے وہ کس طرح برداشت کیے جاویں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اخراجات جنگ سب قوموں کو خود برداشت کرنے چاہئیں اور یہ بوجھ ہرگز زیادہ نہیں ہوگا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ مذکورہ بالا انتظام کی صورت میں جنگیں کم ہو جائیں گی اور کسی قوم کو جنگ کرنے کی جرأت نہ ہو گی۔ دوسرے چونکہ اس انتظام میں خود غرضی اور بوالہوسی کا دخل نہ ہو گا سب اقوام اس کی طرف مائل ہو جائیں گی اور مصارف جنگ اس قدر تقسیم ہو جائیں گے کہ ان کا بوجھ محسوس نہ ہو گا۔

تیسرے چونکہ اس انتظام کا فائدہ ہر اک قوم کو پہنچے گا کیونکہ کوئی قوم نہیں جو جنگ میں مبتلاء ہونے کے خطرہ سے محفوظ ہو اس لیے انجام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خرچ موجودہ اخراجات سے جو تیاری جنگ کی نیت سے حکومتوں کو کرنے پڑتے ہیں کم ہوں گے اور اگر بفرض محال کچھ زائد خرچ کرنا بھی پڑے تو جس طرح افراد کا فرض ہے کہ امن عامہ کے قیام کی خاطر قربانی کریں اقوام کا بھی فرض ہے کہ قربانی کر کے امن کو قائم رکھیں۔ وہ اخلاق کی حکومت سے بالا نہیں ہیں بلکہ اس کے ماتحت ہیں۔

میرے نزدیک سب فساد اسی اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو قرآن کریم کی پیش کردہ تجویز سے کیا جاتا ہے (۱) یعنی آپس کے انفرادی سمجھوتوں کی وجہ سے جو پہلے سے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کی بجائے سب اقوام کا ایک معاہدہ ہونا چاہیے۔

(۲) جھگڑے کو بڑھنے دینے کے سبب سے۔

(۳) حکومتوں کے جنبہ داری کو اختیار کر کے ایک فریق کی حمایت میں دخل دینے کے سبب سے۔

(۴) شکست کے بعد اس قوم کے حصے بخرے کرنے اور ذاتی فوائد اٹھانے کی خواہش کے پیدا ہو جانے کے سبب سے۔

(۵) امن عامہ کے لیے قربانی کرنے کے لیے تیار نہ ہونے کے سبب سے۔

ان پانچوں نقائص کو دور کر دیا جائے تو قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ آف نیشنز بنتی ہے اور اصل میں ایسی ہی لیگ کوئی فائدہ بھی دے سکتی ہے نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لیے لوگوں کی مہربانی کی نگاہوں کی جستجو میں بیٹھی رہے۔''

(انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۶)

جینیوا پروٹوکول کی ناکامی

اس اقتباس میں درج اصول واضح ہیں کہ اگر اقوام عالم کی کسی انجمن نے کامیاب ہونا ہے تو کن بنیادوں پر اس کو بنانا پڑے گا۔ اور اس اقتباس کے پہلے اور آخری حصہ میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ لیگ آف نیشنز میں کیا بنیادی نقص موجود ہے جو اس کی کامیابی کی راہ میں حائل ہوگا۔ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا یہ مضمون ویمبلے کانفرنس میں پڑھا گیا، اس وقت لیگ آف نیشنز میں اس بات پر غور ہو رہا تھا کہ حملہ آور ملک کو ذمہ دار قرار دے کر، اس کے خلاف فوجی کارروائی شروع کرنے کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ کبھی یہ تجویز دی جاتی کہ لیگ آف نیشنز کی کونسل چند دنوں میں فیصلہ کرے کہ کون سا ملک قصوروار ہے اور پھر ممبر ممالک اپنے عسکری وسائل لیگ آف نیشنز کے سپرد کریں اور وہ حملہ آور ملک کے خلاف کارروائی کرے۔ برطانیہ اور فرانس مختلف تجاویز پر اصرار کر رہے تھے۔ کبھی یہ تجویز سامنے آتی کہ عالمی عدالت میں دونوں ملک اپنا مقدمہ پیش کریں اور یہ عدالت فیصلہ کرے کہ کون سا ملک لیگ کے عہد کو توڑنے کا باعث بنا ہے اور پھر اس ملک کے خلاف کارروائی ہو۔ بہرحال ۱۹۲۴ء میں ہی اس بارے میں تجاویز کا ایک پروٹوکول تیار ہوا۔ لیکن پھر یہی سوال کہ جنگی وسائل کون سا ملک مہیا کرے گا؟ بین الاقوامی تنازعات کی صورت میں ظاہر ہے بحری قوت کی اشد ضرورت تھی۔ اس تنظیم کے ممبر ممالک میں سب سے زیادہ بڑی اور جدید بحریہ برطانیہ کی تھی۔ اس کی بحریہ نے اپنی حکومت کو لکھ دیا کہ ہم بین الاقوامی تنازعات میں اپنی بحری جہازوں کو جھونکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ پروٹوکول جو کہ جینیوا پروٹوکول کے نام سے معروف تھا کبھی بھی عملی طور پر منظور ہو کر نافذ نہ ہو سکا۔ اور نہ ہی دنیا میں امن قائم رہ سکا۔ انہی ناکامیوں سے دوسری جنگ عظیم نے جنم لیا۔ اور ایک مرتبہ پھر کروڑوں انسان جنگ کی دیوی پر قربان کر دیے گئے۔

(F.S.Northedge (1986). The league of Nations: its life and times. Homes and Meiers. P9095-)

مفتوح ملک کے حصے بخرے کرنے کی روایت

اب حضورؓ کے اس بیان فرمودہ نکتہ کی طرف آتے ہیں کہ شکست کے بعد فاتحین کو شکست خوردہ ملک کے حصے بخرے نہیں کرنے چاہییں کیونکہ اس سے مختلف ممالک کے درمیان دشمنی بڑھے گی اور پائیدار امن کبھی قائم نہیں ہو سکے گا۔ جیسا کہ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ لیکچر اس وقت دیا گیا تھا جب لیگ آف نیشنز کے قیام کو صرف چند سال ہی ہوئے تھے۔ جب پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو فاتح ممالک نے شکست کھانے والے جرمنی سے ایک معاہدہ کیا جسے Treaty of Versailles کہا جاتا ہے۔ لیگ آف نیشنز نے بھی اسی معاہدہ کے نتیجے میں جنم لیا تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس معاہدہ کو کرتے ہوئے امریکہ اور برطانیہ نے وہی غلطی کی تھی جس کے بارے میں حضور اقدسؓ نے خبردار کیا تھا۔ اس معاہدہ کی آڑ میں جرمنی کا دس بارہ فیصد علاقہ اور جرمن آبادی جرمنی سے علیحدہ کر کے مختلف ممالک کو عطا کر دی گئی تھی۔ جن ممالک کو یہ علاقے بخشے گئے تھے ان میں فرانس اور ڈنمارک بھی شامل تھے اور جرمنی کا ایک شہر لیگ آف نیشنز کے ماتحت کر دیا گیا۔

لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جب ہٹلر نے اپنی سیاسی مہم شروع کی تو اس معاہدہ میں کی جانے والی زیادتیوں کو اپنے پراپیگنڈا میں استعمال کر کے جرمن عوام کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ ہٹلر اپنی سرگذشت Mein Kampf میں لکھتا ہے:

Yes. A treaty of that kind can be used for such a purpose. Its unbounded oppression and its impudent demands were an excellent propaganda weapon to arouse the sluggish spirit of the nation and restore its vitality. (page 335)

ترجمہ: ہاں ایسے معاہدہ کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بے تحاشہ اور شرم سے عاری جبر و استبداد کو ایک نہایت عمدہ پراپیگنڈا کے ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے ایک قوم کی سست روح کو بیدار کر کے اس کی توانائی کو بحال کیا جا سکتا ہے۔

گویا جس معاہدہ کو جرمنی کو دبانے کے لیے اس ملک پر مسلط کیا گیا تھا، اسی کو ہٹلر نے ایک ہتھیار بنا کر وہ پروپیگنڈا کیا کہ اس کے نتیجہ میں یورپ کا ایک بڑا حصہ جنگ کے شعلوں میں جل کر خاک ہو گیا۔

عرب ممالک سے زیادتی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس تجزیہ میں فرمایا تھا کہ جب امن کے لیے کوششیں شروع ہوں تو صلح کرانے والی بڑی طاقتیں دوسرے ممالک کے حصے بخرے کر کے خود فائدہ اٹھانا شروع کر دیتی ہیں۔ لیگ آف نیشنز روز اوّل سے اسی بیماری میں مبتلا تھی۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز کے عہد نامہ (Covenant) کی شق ۲۲؍ میں دنیا کے مختلف علاقوں کی بندر بانٹ کی گئی تھی۔ اور اس عمل کی بنیاد یہ بنائی گئی تھی کہ ابھی کئی ممالک اور قومیں اس قابل نہیں ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال سکیں لہٰذا انہیں ترقی یافتہ اقوام کے مینڈیٹ کے ماتحت کر دیا جائے۔ اس میں ختم ہونے والی سلطنت عثمانیہ کے تحت عرب ممالک کے علاوہ افریقہ کے بہت سے ممالک بھی شامل تھے۔ اس کے بعد لیگ آف نیشنز کے عہد نامہ کی شق ۲۲ کی روشنی میں ۲۵؍اپریل ۱۹۲۰ء کو ایک کانفرنس میں ایک قرارداد منظور کی گئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ شام اور عراق کو ہم عارضی آزادی عطا کرتے ہیں۔ فلسطین کو برطانیہ کی کفالت میں یا مینڈیٹ میں دیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ علاقہ برطانیہ کے زیرنگین ہو گا بلکہ اس کا یہ فرض ہو گا کہ وہ اس میں یہودیوں کو آباد کر کے انہیں اپنا National Home بنانے کی سہولت مہیا کرے۔ اور لبنان اور شام پر فرانس کے مینڈیٹ اور فلسطین اور عراق پر برطانیہ کے مینڈیٹ کی نگرانی ہو گی۔ اس غلط فیصلہ نے جتنی خون ریزی، فساد اور المیوں کو جنم دیا ہے وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں اور آج تک دنیا ان نام نہاد عقلمندوں کے فیصلوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔

لیگ آف نیشنز کی ناکامی کا ایک تجزیہ

حضورؓ نے یہ اہم نکتہ بیان فرمایا تھا کہ سب اقوام کا متحدہ معاہدہ ہونا چاہیے۔ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے مصنف F.S.Northedge لیگ کی ناکامی کے اسباب لکھتے ہیں:

One of the most serious of these was the league's lack of universality, those menacing empty chairs marked with the name of Germany, Italy, Japan, and the United States for all or part of the league's history. (F.S.Northedge (1986). The league of Nations: its life and times. Homes and Meiers. P 278)

ترجمہ: ان میں سے سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ یہ لیگ عالمی نہیں تھی۔ جن کرسیوں پر جرمنی، اٹلی، جاپان اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے نام لکھے ہوئے تھے وہ لیگ کی تمام تاریخ میں یا اس کے کچھ حصہ میں خالی رہ کر مسئلہ پیدا کرتی رہیں۔

جیسا کہ اوپر حوالہ درج کر دیا گیا ہے کہ حضورؓ نے ۱۹۲۴ء میں نشاندہی فرمائی تھی کہ ایسی لیگ کامیاب نہیں ہو سکتی جو کہ اپنی کامیابی کے لیے دوسروں کی مہربانی کی منتظر رہے۔ اور اس وقت لیگ آف نیشنز اور اب اقوام متحدہ کی یہی کیفیت ہے۔ جب ۱۹۴۵ء میں لیگ آف نیشنز کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لیا گیا تو یہی تجزیہ نگار اس نتیجہ پر پہنچے:

In 1945, therefore there was general agreement that the league had failed because it lacked the teeth or the means to enforce its will.

ترجمہ: ۱۹۴۵ء میں اس بات پر اتفاق تھا کہ لیگ اس لیے ناکام ہو گئی کیونکہ اس کے دانت ہی نہیں تھے یعنی اس کے پاس وہ ذرائع میسر نہیں تھے جس پر یہ اپنے فیصلوں پر عملدرآمد کرا سکتی۔

(F.S.Northedge (1986). The league of Nations: its life and times. Homes and Meiers. P 279)

اقوام متحدہ کے قیام پر حضورؓ کا تجزیہ

بہرحال لیگ آف نیشنز ناکام ہوئی اور دوسری جنگ عظیم کا آسیب دنیا پر مسلط ہوا۔ اب دنیا بھر کے مدبّرین سر جوڑ کر بیٹھے کہ ایک نئی عالمی تنظیم بنائی جائے جو کہ دنیا میں امن قائم کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ اور اقوام متحدہ کی تنظیم قائم کی گئی۔ ابھی اقوام متحدہ کے قیام کو ایک سال ہی گذرا تھا کہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے دہلی میں ایک لیکچر دیا۔ اور اس میں اقوام متحدہ کے بارے میں حضورؓ نے فرمایا: 'اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ تمام دنیا کا اتحاد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو میں اسے یہی کہوں گا کہ بظاہر ناممکن ہے ہاں اسلام نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا میں ایک حکومت قائم نہ ہو سکے تو تمام حکومتیں مل کر ایک ایسا نظام قائم کریں جو کہ اس کے قائم مقام ہو سکے۔ یورپ میں جب لیگ آف نیشنز کا تقرر ہوا تو اسے یورپ نے اپنی بہت بڑی ایجاد سمجھا لیکن وہ لیگ آف نیشنز کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ اس میں بعض خامیاں تھیں۔ لیکن قرآن کریم نے جو لیگ آف نیشنز بیان کی ہے وہ ایسی مکمل اور مضبوط ہے کہ اس پر چلنے سے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

میں نے ۱۹۲۴ء میں جو مضمون ویمبلے کانفرنس لنڈن کے لیے تیار کیا تھا۔ اُس میں مَیں نے اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا... (الحجرات:۱۰) یعنی اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی آپس میں صلح کرا دو یعنی دوسری قوموں کو چاہئے کہ بیچ میں پڑ کر ان کو جنگ سے روکیں اور جو جنگ کا اصل باعث ہو اس کو مٹائیں اور ہر ایک کو اس کا حق دلائیں لیکن اگر صلح ہو جانے کے بعد ان میں سے ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کر دے اور مشترکہ انجمن کا فیصلہ نہ مانے تو سب قومیں مل کر اس سے لڑیں یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی ظلم سے دستکش ہو جائے۔ پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو ان دونوں قوموں میں پھر صلح کرا دو، مگر انصاف اور عدل سے کام لو اور صلح کرتے وقت اپنے فوائد سامنے نہ رکھا کرو اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام حکومتوں کا فرض قرار دیا ہے کہ وہ لڑنے والی حکومتوں کی آپس میں صلح کروائیں اور جو حکومت بغاوت کرے سب حکومتیں مل کر اس کا مقابلہ کریں یہاں تک کہ وہ ہتھیار رکھ دے اور صلح کے لیے تیار ہو جائے اور جب صلح کرائی جائے تو عدل و انصاف سے کام لیا جائے اور بندر بانٹ کی طرح حکومتیں خود ہی حصہ دار نہ بن بیٹھیں۔ …

یہی حال یورپ والوں کا ہے جب وہ صلح کرانے لگتے ہیں تو اپنے مطالبات لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم نے تمہاری صلح کرائی ہے اس کے عوض میں ہمیں اپنے ملک کا فلاں فلاں حصہ

دے دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے یہ چیز آئندہ کے لیے زیادہ بغض اور حسد پیدا کرتی ہیں۔

پس سارے جھگڑے پارٹی بازی کی وجہ سے ہیں مختلف حکومتوں کو یہ یقین ہے کہ ان کی قومیں صرف اس خیال سے کہ وہ ان کی حکومتیں ہیں ان کا ساتھ دینے کو تیار ہیں اس لیے وہ بے خوف ہوکر دوسری حکومتوں پر حملہ کر دیتی ہیں۔ اس وقت قومی تعصب اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اپنی قوم کا سوال پیدا ہوتا ہے تو سب لوگ بلا غور کرنے کے ایک آواز پر جمع ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہماری حکومت کی غلطی ہے تو ہم اسے سمجھا دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زیادتی کرنے والی حکومت کو زیادتی سے روکو اور ان حکومتوں کی آپس میں صلح کرادو اور کوئی نئی شرائط پیش نہ کرو اور نہ ہی تم اپنے مطالبات منوانے کی کوشش کرو لیکن موجودہ جنگ کا ہی حال دیکھ لو کہ حکومتیں طاقت کے زور پر اپنے حصے مانگ رہی ہیں اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس طریق کو اختیار کرنے سے کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا جیسی آزادی کی ضرورت روس کو ہے یا جیسی آزادی کی ضرورت برطانیہ کو ہے یا جیسی آزادی کی ضرورت امریکہ کو ہے اسی طرح آزادی کی ضرورت چھوٹی حکومتوں کو بھی ہے۔ آزادی کے لحاظ سے یونٹ سب کے لیے ایک جیسا ہے۔ یہ نہیں کہ ان بڑی حکومتوں کے دماغ تو انسانوں کے دماغ ہیں لیکن چھوٹی حکومتوں کے دماغ جانوروں کے دماغ ہیں۔ جیسے وہ انسان ہیں ویسے ہی یہ انسان ہیں اور آزادی کا احساس جیسا ان بڑی حکومتوں کو ہے ویسا ہی ان چھوٹی حکومتوں کو ہے۔ کیا ہالینڈ کا ایک آدمی ویسے ہی احساسات نہیں رکھتا جیسے احساسات برطانیہ کا آدمی رکھتا ہے۔ جب احساسات ایک جیسے ہیں تو بڑی حکومت کا چھوٹی حکومت پر دباؤ ڈالنا انصاف پر مبنی نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک شخص چار فٹ کا ہو دوسرا شخص سات فٹ کا ہو اور سات فٹ کا آدمی چار فٹ والے کو کہے کہ میرا حق ہے کہ میں تمہیں گالیاں دے لوں یا تمہارے منہ پر تھپڑ مار لوں کیونکہ میں سات فٹ کا ہوں اور تم چار فٹ کے ہو تو کیا کوئی حکومت جائز سمجھے گی؟ وہ کہے گی کہ جیسا دماغ سات فٹ والے کا ہے ویسا ہی دماغ چار فٹ والے کا ہے اور جو حقوق سات فٹ والے کے ہیں وہی حقوق چار فٹ والے کے ہیں لیکن جب آزادی اور حریت کا سوال آتا ہے تو چھوٹے اور بڑے ملکوں میں امتیاز کیا جاتا ہے اور چھوٹے ملکوں کے لیے حریت ضروری نہیں خیال کی جاتی حالانکہ آزادی کی ضرورت جیسے بڑی حکومتوں کو ہے ویسی ہی ضرورت چھوٹی حکومتوں کو ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ صلح کرتے وقت کسی کی آزادی کو سلب نہ کرو اور صلح کرانے کی وجہ سے کوئی مطالبہ پیش نہ کرو کیونکہ تمہارا لڑائی میں شامل ہونا امن کو بحال کرنے کے لیے تھا اس لیے تم کسی حکومت سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے۔ فرض کرو ہالینڈ کو بچانے کے لیے امریکہ اور انگلستان کوشش کریں تو کیا اس سے امریکہ اور انگلستان کا اپنا بھلا نہ ہوگا کیونکہ اگر فساد ہوگا تو امریکہ اور انگلستان بھی اس کی لپیٹ سے بچ نہیں سکیں گے اور جب بھی لڑائی چھڑے گی تو زیادہ نقصان ان ہی دو حکومتوں کا ہوگا جن کی آبادی زیادہ ہوگی، جن کی مقبوضات زیادہ ہوں گے پس وہ اس لحاظ سے دوسروں سے زیادہ امن کی محتاج ہیں۔ اگر فساد ہو اور لڑائی ہو تو ہالینڈ کی نسبت امریکہ کا زیادہ نقصان ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ امریکہ کی آبادی چودہ کروڑ کی ہے اور ہالینڈ کی آبادی اسّی لاکھ کی ہے اور اسّی لاکھ کی نسبت چودہ کروڑ کی حفاظت اور امن زیادہ ضروری ہوتا ہے اور اگر نقصان ہو تو چودہ کروڑ کا حصہ اسّی لاکھ کی نسبت بہرحال زیادہ ہوگا۔ پس جس طرح چار کروڑ کی آبادی رکھنے والے فرانس کو امن کی ضرورت ہے، جس طرح پینتالیس لاکھ کی آبادی رکھنے والے بیلجیئم کو امن کی ضرورت ہے اسی طرح ان بڑی حکومتوں کو بھی امن کی ضرورت ہے پس اسلام کہتا ہے کہ ان چار چیزوں کے بغیر امن نہیں ہوسکتا۔

اوّل لیگ کے پاس فوجی طاقت ہو

دوم عدل وانصاف کے ساتھ آپس میں صلح کرائی جائے۔

سوم جو نہ مانے اس کے خلاف سارے مل کر لڑائی کریں۔

چہارم اور جب صلح ہو جائے تو صلح کرانے والے ذاتی فائدہ نہ اٹھائیں۔

یہ چار اصول لیگ آف نیشنز کے قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں جب تک ان پر عمل نہیں ہوگا امن پیدا نہیں ہوسکتا۔

پہلی لیگ آف نیشنز بھی ناکام رہی اور اب دوسری لیگ آف نیشنز بھی ناکام رہے گی۔ پس ضروری ہے کہ دنیا اسلام کے اصولوں کو اپنائے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے کیونکہ جب تک یہ پارٹی سسٹم جاری ہے اور جب تک یہ امتیاز باقی ہے کہ یہ چھوٹی قوم ہے اور وہ بڑی قوم ہے اور یہ کمزور حکومت ہے اور وہ طاقتور حکومت ہے اُس وقت تک دنیا کے امن کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے۔ پس ضروری ہے کہ اس امتیاز کو دلوں سے مٹایا جائے جب تک یہ چیز باقی رہے گی کہ یہ بڑی جان ہے اور یہ چھوٹی جان ہے اس وقت تک دنیا امن و چین کا سانس نہیں لے سکتی۔“

(انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۳)

اقوام متحدہ کا قیام اور فلسطین کی آزادی سلب

یہ دونوں تنظیمیں کیوں ناکام ہوئیں؟ یہ سوال ایک طویل تجزیہ کا تقاضہ کرتا ہے۔ ایک مضمون میں صرف ایک دو نکات کا مختصر جائزہ ہی لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا تھا کہ اقوام عالم کی جو بھی تنظیم بنے اس کا یہ فرض ہے کہ صلح کراتے وقت کسی کی آزادی سلب نہ کرے۔ ورنہ یہ تنظیم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ لیکن ابھی اقوام متحدہ کو قائم ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے کہ اس نے آزادی سلب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اور ۱۹۴۷ء میں زبردستی فلسطین کی تقسیم کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کا ایک بڑا حصہ یہودیوں کو عطا کر کے اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ اس قدم سے دنیا میں جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ سب کے سامنے ہے اور آخر میں اقوام متحدہ کی جو وقعت رہ گئی وہ بھی کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جو غلطیاں لیگ آف نیشنز کے قیام کے وقت کی گئی تھیں وہی غلطیاں زیادہ شدت سے اقوام متحدہ کے قیام کے وقت دہرائی گئیں۔

اقوام متحدہ کی فوجی قوت

اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بیان کردہ اس نکتے کا ذکر کرتے ہیں کہ قیام امن کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی تنظیم کے پاس اپنی فوجی قوت ہو ورنہ وہ قیام امن کے لیے بڑی طاقتوں کے آگے دست سوال ہی دراز کرتی رہے گی۔ یہ کوئی فرضی بات نہیں تھی۔ جن مدبرین نے اقوام متحدہ کا چارٹر تیار کیا تھا وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر اقوام متحدہ دنیا میں امن قائم نہیں کرسکتی۔ چنانچہ جون ۱۹۴۵ء میں ممبر ممالک نے جس چارٹر پر دستخط کیے اس کی شق ۴۳ یہ تھی۔

1. All Members of the United Nations, in order to contribute to the maintenance of international peace and security, undertake to make available to the Security Council, on its call and in accordance with a special agreement or agreements, armed forces, assistance, and facilities, including rights of passage, necessary for the purpose of maintaining international peace and security.

2. Such agreement or agreements shall govern the numbers and types of forces, their degree of readiness and general location, and the nature of the facilities and assistance to be provided.

3. The agreement or agreements shall be negotiated as soon as possible on the initiative of the Security Council. They shall be concluded between the Security Council and Members or between the Security Council and groups of Members and shall be subject to ratification by the signatory states in accordance with their respective constitutional processes

اس شق کے الفاظ واضح ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک عالمی امن قائم کرنے کے لیے سلامتی کونسل کو ایسی افواج مہیا کریں گے جو کہ سلامتی کونسل کی ہدایت کے تحت دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے کام کرے گی۔ اور ایسی عسکری قوتیں مہیا کرنے اور اسے کارروائی کے لیے راستہ دینے کے لیے معاہدے کیے جائیں گے اور سلامتی کونسل جتنی جلدی ہو سکے ممبر اقوام میں اتفاق رائے پیدا کر کے اس کام کو شروع کرے گی۔ اور اس چارٹر پر دستخط کرنے والے ممالک اپنے اپنے آئینی عمل کے ذریعہ اس معاہدہ کو منظور کریں گے۔

لیکن اس کام کا آغاز بھی نہ ہوسکا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق ۴۳؍ پر عمل درآمد کے کام کا آغاز بھی نہ ہوسکا۔ اور نہ ہی یہ تنظیم دنیا میں امن قائم کرسکی۔ چنانچہ جب ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بطرس بطرس غالی صاحب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ عالمی امن کے قیام اور استحکام کے لیے ایک رپورٹ تیار کریں۔ تو اس میں انہوں نے اقوام متحدہ کے چارٹر کی اس شق یعنی شق نمبر ۴۳ عملدرآمد نہ ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا۔ یہ رپورٹ An Agenda for Peace کے نام سے اقوام متحدہ میں پیش گئی تھی۔ اس میں سیکریٹری جنرل بطرس غالی لکھتے ہیں:

Under Article 42 of the Charter, the Security Council has the authority to take military action to maintain or restore international peace and security. While such action should only be taken when all peaceful means have failed, the option of taking it is essential to the credibility of the United Nations as a guarantor of international security. This will require bringing into being, through negotiations, the special agreements foreseen in Article 43 of the Charter, whereby Member States undertake to make armed forces, assistance and facilities available to the Security Council for the purposes stated in Article 42, not only on an ad hoc basis but on a permanent basis. (Page25)

ترجمہ: چارٹر کی شق ۴۲ کے تحت سلامتی کونسل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فوجی کارروائی کے ذریعہ بین الاقوامی امن اور سلامتی کو بحال کرے۔ یہ مرحلہ اسی وقت آسکتا ہے جب تمام پُر امن ذرائع ناکام ہو چکے ہوں۔ لیکن یہ اختیار بین الاقوامی امن کے ضامن کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق ۴۳؍ میں یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا مذاکرات اور مخصوص معاہدوں کے ذریعہ ممبر ریاستیں سلامتی کونسل کو صرف عارضی طور پر نہیں بلکہ مستقل طور پر ایسی افواج، اعانت اور سہولیات مہیا کریں جن سے شق ۴۲ میں مذکور مقاصد کو حاصل کیا جاسکے۔

اس کے بعد سابق سیکرٹری جنرل بطرس بطرس غالی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب تک یہ مستقل افواج مہیا نہ ہوسکیں مختلف ممالک کو امن قائم کرنے والے ایسے اعلیٰ تربیت یافتہ فوجی دستے مہیا کرنے چاہییں جو کہ سیکریٹری جنرل کی ہدایت کے تحت کام کریں۔

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کا اعتراف

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضورؓ نے فرمایا تھا کہ اقوام متحدہ تب کامیاب ہوگی جب عدل اور انصاف سے صلح کرائی جائے اور اس عمل میں صلح کرانے والے خود اپنے لیے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں۔ اور فرمایا تھا کہ لیگ آف نیشنز بھی ناکام ہوئی تھی اور اقوام متحدہ بھی انہی وجوہات کی بنا پر ناکام ہوجائے گی۔ ایک ناواقف کے نزدیک یہ ارشاد صرف جذبات کا اظہار ہوگا لیکن اصل میں یہی ایک بنیادی نکتہ ہے جس کو فراموش کرنے کی وجہ سے یہ ادارہ اپنی ساکھ کھو بیٹھا۔ یہاں تک کہ یکم نومبر ۲۰۲۳ء کو خود اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے نیپال کی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

As geopolitical tensions rise, global divisions are becoming deeper and more dangerous. Smaller countries fear becoming collateral damage in competition between great powers.

ترجمہ: جیسے جیسے جغرافیائی اور سیاسی تقسیم بڑھ رہی ہے اور زیادہ خطرناک ہو رہی ہے، چھوٹے ممالک میں یہ خوف پیدا ہو رہا ہے کہ وہ بڑی طاقتوں کے درمیان مقابلہ میں ایک ضمنی نقصان کی حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں۔

خود اس عالمی ادارے کے سب سے اہم عہدیدار کے ان الفاظ سے زیادہ کیا اعتراف ناکامی ہوسکتا ہے۔ خدا کرے دنیا کے تمام ممالک کی آنکھیں کھلیں اور وہ قرآن مجید میں درج ہدایات کے مطابق امن عالم کے لیے مخلصانہ کوششیں شروع کریں۔

☆…☆…☆

آنحضرت ﷺ نے انسان کی جان، مال، عزّت، آزادی، مساوات، انصاف اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے جامع اصول عطا فرمائے

اسلام۔حقوقِ انسانی کا علمبردار

(ابو سدید)

حالاتِ جنگ میں اسلام نے بنیادی حقوق کی پاسداری اورحُسنِ سلوک کو یقینی بنایا۔اسلام کا بین الاقوامی چارٹر اور آفاقی پیغام پُر امن، منصفانہ اور فلاحی معاشرے کی ضمانت ہے

دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو اُن سب پر وہ فضیلت اور اعلیٰ امتیاز حاصل ہے، جو اسلام انسانیت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے اور اُن کے بنیادی حقوق کا علمبردار ہے نیز سب انسانوں کو یکساں قرار دیتا ہے۔ مذہب، زبان، رنگت، قوم، ذات اور ملکی حدود کی وجہ سے اُن میں کسی امتیاز کو روا نہیں رکھتا۔سب کو برابر کی سطح پر صرف اللہ کا بندہ اور انسان قرار دیتا ہے۔سب کے حقوق برابر ٹھہراتا ہے اور ہر ایک کی عزّت، مال اور جان کی حفاظت کا یقین دلاتا ہے۔ اسلام کسی مذہب کے خلاف یا فرقہ پرستی کا حامی نہیں ہے بلکہ وہ سب انسانوں کو ماں باپ سے پیدا ہونے والے باہم بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ گورے، کالے یا امیر، غریب کی اسلام میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ اسی انسانی مساوات کا نتیجہ ہے کہ ہر بچے کو پیدائشی طور پر پاک اور فطرت پر قائم ٹھہراتا ہے۔یعنی اسلامی نکتہ نگاہ سے ہر پیدا ہونے والا بچہ بے عیب اور بے گناہ ہوتا ہے۔ بعد میں اُس کے والدین اُس کو جو بھی بنا دیں۔ اسلام یہ تسلیم نہیں کرتا کہ تناسخ یا کفارہ کے چکر میں پیدا ہونے والا انسان گناہ گار سمجھا جائے یا حضرت آدمؑ کے فرضی گناہ کے نتیجے میں تمام آدم زادوں کو پیدائش کے معاً بعد ہی گناہگار ٹھہرایا جائے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ۔ کہ ہر بچہ نیک فطرت لے کر آتا ہے، وہ پاک ہوتا ہے۔ پھر ماں باپ اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم، حدیث نمبر ۱۳۸۵۔ صحیح مسلم، کتاب القدر حدیث نمبر ۲۶۵۸)

انسانوں میں عدم مساوات کی یہ کتنی خراب صورت ہے کہ یہاں تک حکم دیا جاتا ہے کہ تُو اجنبی کو سُودی قرض دے سکتا ہے، پر اپنے بھائی کو سُودی قرض مت دیجیو۔ (استثناء باب ۲۳۔ آیت ۲۰) اس کے مقابل پر اسلام کی سود کے بارے میں کتنی خوبصورت اور حکمت پر مبنی تعلیم ہے کہ وہ سود کو حرام ٹھہراتا ہے اور ہر انسان سے سود لینا یا دینا ناجائز قرار دیتا ہے تا کہ معاشرے میں لڑائی جھگڑے اور بدامنی کا ماحول پیدا نہ ہو اور سب ایک دوسرے سے ہمدردی اور سب کے حقوق کا خیال رکھیں۔ اسلام نے مسلمانوں میں بے مثال اخوت قائم فرمائی ہے۔ نماز میں سب مسلمان چھوٹے بڑے امیر غریب یکساں رکوع و سجود کرتے ہیں۔ دُور کھڑا دیکھنے والا افسر اور ماتحت میں کوئی فرق نہیں کر سکتا گویا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اسلام میں رواداری کی مثال یوں بھی دی جا سکتی ہے کہ حج کے موقع پر مشرقی و مغربی، گورے اور کالے سب مسلمان کس طرح دو چادروں میں لپٹے ہوئے یکساں طور پر بیت اللہ کا طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ گویا ہر طرف مساوات بکھری ہوئی ہے۔ نظام قضاء کے سامنے ہر شخص برابر ہے مختلف طبقوں کے افراد میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، خاص ہو یا عام آدمی، سب اسلامی عدل و انصاف کے آگے یکساں اور برابر ہیں زندگی میں بھی اعزاز و اکرام کا معیار تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (الحجرات: ۱۴) یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ مرنے کے بعد بھی صفت تقویٰ بنیاد بنتی ہے، رنگتوں، قبیلوں اور خاندانوں کا کوئی فرق نہیں، بلکہ مرد و عورت کا بھی کوئی اثر نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (المؤمن: ۴۱) ترجمہ: اور جو کوئی ایمان کے مطابق عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان میں سچا ہو، وہ اور اُس کے ہم مشرب لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کو اس میں بغیر حساب کے انعام دیا جائے گا۔

گویا پیدائش سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک ہر جگہ انسانی حقوق کا حصول اور مساوات کا نظریہ کارفرما ہے اور ہر جگہ امن اور انسانیت کا احترام موجود ہے۔

اسلام دنیا کے اُن چند مذاہب میں سے ہے جنہوں نے انسانی حقوق کا ایک جامع، متوازن اور عملی تصوّر پیش کیا۔ اسلام نے چودہ سو سال قبل ایسے اصول عطا کیے جو آج بھی انسانی حقوق کے عالمی منشور کی بنیادوں سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اسلام میں انسان کو محض ایک فرد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو (بہت) شرف بخشا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۱)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہر انسان کی عزت، وقار اور بنیادی حقوق کو تسلیم کرتا ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی نسل، قوم، زبان یا مذہب سے ہو۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانی مساوات کا اعلان کیا۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق تمام انسان ایک ہی ماں باپ، حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کی اولاد ہیں، اس لیے کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر یا کسی امیر کو غریب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ اور نیکی کے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس اصول کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے لوگو! تمہارا ربّ ایک ہے، اور تمہارا باپ (آدمؑ) ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، سوائے تقویٰ کے۔" (مسند احمد بن حنبل۔ حدیث نمبر ۲۳۴۸۹)

یہ تعلیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ نسل، رنگ، زبان، قوم یا معاشرتی حیثیت کی بنیاد پر انسانوں میں برتری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل معیار تقویٰ اور نیک کردار ہے۔

اسلام نے جان، مال اور عزت کے تحفظ کو بنیادی انسانی حق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں (المائدہ: ۳۳) ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح چوری، ظلم، دھوکہ دہی اور کسی کی عزت کو نقصان پہنچانے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام نے افراد کو امن و امان کی فضا میں زندگی گزارنے کا حق دیا اور معاشرے کو اِس بات کا پابند بنایا کہ وہ کمزور اور مظلوم افراد کی حفاظت کرے۔

اسلام عورتوں کے حقوق کا بھی علمبردار ہے۔ اسلام نے عورت کو وراثت، تعلیم، نکاح، جائیداد کی ملکیت اور معاشرتی احترام کے حقوق عطا کیے، جب کہ اُس دور میں دنیا کے بہت سے معاشروں میں عورت بنیادی حقوق سے محرومی اور ناانصافی کا شکار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین فرمائی اور اُنہیں معاشرے کا قابلِ احترام اور باوقار رکن قرار دیا نیز اُن کی فلاح و بہبود اور عزت و وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے حقوق مرتب کیے گئے۔

اسلام مذہبی آزادی کا بھی داعی ہے۔ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (البقرۃ: ۲۵۷) یعنی دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر (جائز) نہیں۔

اس تعلیم کے تحت غیر مسلموں کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے، عبادت کرنے اور اپنے مذہبی معاملات سرانجام دینے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی تاریخ میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور انصاف کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

معاشی حقوق کے حوالے سے اسلام نے محنت کی کمائی کو محترم قرار دیا اور غربت کے خاتمے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کا نظام قائم کیا۔ اسلام مزدور کو اُس کی مزدوری بروقت ادا کرنے، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے اور معاشی استحصال سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اِس طرح اسلام ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جہاں ہر فرد کو بنیادی ضروریات اور معاشی انصاف میسر ہو۔

اسلام انصاف کو انسانی حقوق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ۔ (النساء: ۱۳۶) یعنی تم پوری طرح انصاف پر قائم رہنے والے بن جاؤ۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق قانون کی نظر میں تمام افراد برابر ہیں اور کسی کو اس کے عہدے، دولت یا خاندانی حیثیت کی بنیاد پر خصوصی رعایت حاصل نہیں ہونی چاہیے۔

مختصراً، اسلام انسانی حقوق کا حقیقی علمبردار ہے۔ اِس نے انسان کی جان، مال، عزت، آزادی، مساوات، انصاف اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے جامع اصول مرتب کیے۔ اگر اسلامی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو ایک ایسا پُر امن، منصفانہ اور فلاحی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے جہاں ہر انسان عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ یہی اسلام کا آفاقی پیغام اور انسانی حقوق کے میدان میں اس کا عظیم ترین کردار ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں مسلمان ہو یا غیر مسلم سب انسانوں کے بنیادی انسانی حقوق مقرر فرمائے۔ اِن کو اپنی پاک زندگی میں قائم فرمایا اور اسلام کا انسانی حقوق کا بین الاقوامی چارٹر مسلمانوں اور غیروں کو عطا فرمایا۔ جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کے ظالمانہ قوانین اور جاہلانہ اصول دم توڑ کر رہ گئے۔ اسی طرح امن کا زمانہ ہو یا جنگ کے دن ہوں، ہر موقع کے مناسب حال حقوق انسانی، مساوات اور عدل کا قیام ہمارے آقا ﷺ کا ہی سنہرا کارنامہ ہے۔ اِس جگہ ہم جنگ اور غزوات کے حوالے سے بھی قائم کیے جانے والے انسانی حقوق پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہیں۔

جنگ سے متعلق اسلام کا نکتہ نظر اور حقوق انسانی پر عمل

جنگوں میں زمانہٴ جاہلیت کے قتل و غارت اور ظلم و بربریّت کے حالات میں اسلام کا ظہور ہوا، مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جب اپنے دفاع میں لڑی جانے والی جنگوں میں حصہ لینا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے حُسنِ اخلاق، الٰہی بصیرت اور جنگی حکمتِ عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے دورِ جاہلیت کی جنگ کی حقیقت اور مکروہ شکل کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اسلام امن، عدل اور انسانی احترام کا مذہب ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف امن کے زمانے میں، بلکہ جنگ کے انتہائی نازک حالات میں بھی انسانی حقوق کے ایسے سنہری اصول قائم فرمائے جو آج کے بین الاقوامی قوانین اور حقوقِ انسانی کے عالمی منشور اور چارٹر سے صدیوں پہلے دنیا کے سامنے آ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے جنگ کو ظلم، انتقام اور تباہی کا ذریعہ بنانے کی بجائے اسے ناگزیر دفاعی ضرورت کے دائرے میں محدود رکھا اور دشمنوں کے بنیادی اور ضروری حقوق تک کا خیال رکھنے کی مسلمانوں کو تعلیم دی۔ ہر کس و ناقص اور امیر و غریب کے بنیادی حقوق انسانی کا خیال رکھنا، عورتوں، بزرگوں، بچوں اور زخمیوں پر رحم کھانا اور اُن کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنے جیسے اصول مرتب ہوئے۔

رسول کریم ﷺ نے یہاں تک تفصیلی ہدایات فرمائیں کہ سفر جہاد پر جاتے ہوئے راستے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر رات کو تم پر کوئی شب خون مارے تو اذان کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کرو اور راستے کے درمیان نماز نہ پڑھو اور نہ ہی اُس پر پڑاؤ کرو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۰۵)

عبدالرحمٰن بن عائذ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عام طور پر لوگوں سے نرمی اور محبت کا سلوک کرو اور اُس وقت تک اُن پر حملہ نہ کرو جب تک تم اُن کو صلح کی دعوت نہ دے دو۔ پھر فرمایا: اگر تم اہلِ زمین کو مطیع کر کے اور مسلمان بنا کر میرے پاس لے آؤ تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ اُن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناؤ اور مردوں کو قتل کرو۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۴۶۹)

یہ بھی یاد رہے کہ رسول کریم ﷺ صحابہؓ کو صبح و شام جنگ میں سورۃ المومنون کی آیت ۱۱۶ پڑھنے کا ارشاد فرماتے تھے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ۔ کہ کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے؟ اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ اس آیت کی تلاوت کرتے رہنے کے حکم کی حکمت یہی تھی کہ اُن اصحابؓ پر خوفِ خدا طاری رہے اور کسی پر زیادتی کا ارتکاب نہ کریں۔ وہ اپنے اصل مقصد یعنی عبودیت و رضائے الٰہی پر نظر رکھیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ پُرحکمت تلقین نے آنے والے دنوں میں بلا شبہ حقوق انسانی کو نافذ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ آنحضور ﷺ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ: دشمن پر رات کو سوتے ہوئے حملہ نہ کرنا اور شب خون نہ مارنا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی)

حضرت رسول کریم ﷺ کے بیان فرمودہ آداب جنگ اور حقوق انسانی کے اصول پر عمل کرنے کی تعمیل حضورؐ کے زمانے میں نہایت پابندی سے کی گئی اور آپؐ کے بعد بھی خلفائے راشدین نے اِس ضابطہ اخلاق کا بے حد خیال رکھا، بلکہ اس پاکیزہ تعلیم کی روح مدِّ نظر رکھتے ہوئے حسبِ حال مزید ہدایات جاری فرمائیں، جو آج بھی اسلامی ضابطہ جنگ کا حصہ ہیں، کیونکہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلفائے راشدین کی پیروی کا بھی حکم ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ ہدایات دیں کہ جن غیر مسلم لوگوں نے اپنی خدمات کسی بھی مذہب کے لیے وقف کی ہوں، اُن سے میدانِ جنگ میں تعرض نہ کیا جائے۔ اُن کے مذہب کی مقدس چیزوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے، نہ ہی کسی آبادی کو ویران کیا جائے اور کسی جانور کو ذبح بھی نہ کریں سوائے اِس کے جسے کھانا مقصود ہو۔ اسی طرح کسی کو آگ سے نہ جلایا جائے۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزوة)

اسلام کی رُو سے نظریہ جنگ یہ تھا کہ جنگ و جدال کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ اِس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیے لیکن جب ظلم و تشدد پھیل جائے فتنہ و فساد ہر سُو نظر آئے اور سرکش لوگ عوام الناس کے امن و امان اور دین و مذہب کو خطرے میں ڈال دیں تو اُس وقت دفع شر کے لیے جنگ ضروری ہے۔ اِس نظریہ سے چونکہ جنگ کا اصلی مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض اُس کے شر کو دفع اور دُور کرنا ہے، اِس لیے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی قوت استعمال کی جائے جو دفع شر کے لیے ضروری ہو۔ یہ بھی انسانی حقوق میں داخل کیا گیا ہے کہ اسلامی نکتہ نگاہ سے جنگ کے دوران اپنی قوت کا استعمال صرف اُنہی کے خلاف کیا جائے جو عملاً برسرِ پیکار ہوں، باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رکھنا اُن کے حقوق میں شامل ہے۔ انسانی جان کے احترام کا اصول اور اُس کے حق کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جنگ کے دوران بے گناہ افراد کے قتل کو سختی سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو ہدایت دیتے کہ کسی بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، حدیث ۲۶۱۴)
ایک موقع پر جنگ کے میدان میں کسی عورت کی لاش دیکھی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''یہ عورت لڑنے والوں میں سے نہ تھی۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجهاد، حدیث ۳۰۱۵۔ صحیح مسلم، حدیث ۱۷۴۴) اس ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے غیر جنگجو افراد کی جان و مال کے تحفظ کو بنیادی انسانی حق قرار دیا۔

چنانچہ قارئین یہ بات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جنگ کا یہ تصوّر اُن تمام تصوّرات سے بالاتر اور علیحدہ ہے جو قبل از اسلام لوگوں کے دماغوں میں موجود تھے۔ اسلام نے جنگوں میں مختلف انسانی طبقات کے بنیادی حقوق قائم کیے اور جنگ کے تمام وحشیانہ طریقوں کو مٹا کر نئے اعلیٰ اخلاق پر مبنی اصولِ جنگ رائج کیے۔ آنحضرت ﷺ نے جس طرح جنگ کے مقصد کو بدلا اُسی طرح آہستہ آہستہ اُن تمام وحشیانہ حرکات کو بھی روک دیا جو جاہلیت کی لڑائیوں میں کی جاتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے دوران بلاوجہ تباہی پھیلانے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے درخت کاٹنے، کھیتیوں کو جلانے اور جانوروں کو نقصان پہنچانے سے روکا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں فوجوں کو ہدایت دی: ''پھل دار درخت نہ کاٹنا، کھیتیاں نہ جلانا، بکری، گائے یا اونٹ کو ذبح نہ کرنا، مگر کھانے کی ضرورت کے لیے۔'' (تاریخ الطبری، جلد ۳)

یہ تعلیمات ماحولیات کے تحفظ اور معاشی حقوق کے احترام کی بہترین مثال ہیں۔ اسلام نے جنگ کے دوران بھی مذہبی آزادی کو برقرار رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے راہبوں، اُن کی عبادت گاہوں اور مذہبی شخصیات کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خانقاہوں میں عبادت کرنے والوں کو اُن کی عبادت کے لیے چھوڑ دو۔'' (مسند احمد بن حنبل، جلد ۱) اس سے واضح ہے کہ اسلام دشمن قوم کے مذہبی حقوق کا بھی احترام کرتا ہے۔

اسلامی آدابِ جنگ اور حقوق انسانی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے متعدد اسلامی آدابِ جنگ بیان فرمائے ہیں، اِن میں سے وہ چند آداب اور اصولِ جنگ خلاصۃً یہاں بیان کیے جاتے ہیں جن کا تعلق حقوق انسانی سے ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

☆... جب آنحضرت ﷺ کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تو اُنہیں چلتے ہوئے یہ نصیحت فرماتے تھے کہ جب تم دشمن کے سامنے ہو تو اُسے تین باتوں کی طرف دعوت دو، اور اگر اِن باتوں میں سے وہ کوئی ایک بات بھی مان لے تو اُسے قبول کرلو اور لڑائی سے رُک جاؤ۔ سب سے پہلے اُسے اسلام کی دعوت دو اگر وہ لوگ مسلمان ہونا پسند کرلیں تو پھر اُنہیں ہجرت کرنے کی تحریک کرو۔ اگر وہ ہجرت کرنا قبول نہ کریں، تو اُن سے کہو اچھا تم مسلمان رہو اور اپنے گھروں میں ٹھہرو لیکن اگر وہ مسلمان ہونا ہی پسند نہ کریں تو پھر اُن سے کہوں اپنے مذہب پر رہو لیکن مسلمانوں کی عداوت اور اُن سے جنگ کرنا چھوڑ دو اور اسلامی حکومت کے ماتحت آجاؤ اور اگر وہ لوگ یہ بھی نہ مانیں تو پھر اِس کے بعد تمہیں لڑنے کی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد)

☆... جب آپ ﷺ کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تو اُسے نصیحت فرماتے کہ نکلو اللہ کا نام لے کر اور جہاد کرو حفاظتِ دین کی نیت سے مگر خبردار مالِ غنیمت میں بد دیانتی نہ کرنا اور نہ کسی قوم سے دھوکا کرنا۔ اور نہ دشمنوں کے مقتولوں کا مثلہ کرنا۔ اور نہ بچوں اور عورتوں اور مذہبی عبادت گاہوں کے لوگوں کو قتل کرنا۔ اور نہ بہت بوڑھوں کو قتل کرنا، اور ملک میں اصلاح کرنا۔ اور لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ مزید فرماتے ہیں: یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب میں دستور تھا کہ بعض اوقات لڑائی میں دشمن کے بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات نہایت بے رحمی کے ساتھ دشمن کے مقتولوں کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالتے تھے اور دشمن کے اموال اور ان کی آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اِن سب باتوں سے روک دیا۔ مذہب اور مذہبی چیزوں کی حفاظت کے طریق میں بھی اسلام نے ایک نمایاں امتیاز پیدا کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ جب کسی جماعت کو روانہ فرماتے تھے تو اُسے نصیحت فرماتے تھے کہ لوگوں کو خوشخبریاں دو یعنی اُن کو خوش رکھنے کی کوشش کرو اور ایسا طریق اختیار نہ کرو جس سے اُن کے دلوں میں نفرت پیدا ہو، اُن کے لیے آسانیاں پیدا کرو اور اُنہیں مشکل میں نہ ڈالو۔ جنگوں میں آپؐ دشمن کو خبردار کیے بغیر جنگ کرنے یا شب خون مارنے کے خلاف تھے۔ بلکہ لڑائی کے لیے صبح کا وقت پسند فرماتے تھے۔ (ملخص از: سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۳۱۷۔۳۱۸)

جنگوں میں دیگر حقوق انسانی کا خیال رکھنے کے حوالے سے آپؓ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی طرف سے صحابہؓ کو حکم تھا کہ لڑائی میں کسی کے منہ پر ضرب نہ لگائیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ضرب لگانے میں سب لوگوں سے زیادہ نرم مسلمان کو ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو لوٹ مار اور غارت گری سے نہایت سختی سے روکا جاتا تھا۔ عہد و پیمان اور وعدوں کو پورا کرنے کی سختی سے تاکید کی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طریق تھا کہ حتی الوسع دشمن کے مقتولوں کو بھی اپنے انتظام میں دفن کروا دیتے تھے۔ دشمن کے قاصد کو روک لینے یا کسی قسم کا نقصان پہنچانے یا قتل کرنے سے آنحضرت ﷺ سختی سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کچھ لوگ کفار کے قاصد ہو کر آئے اور انہوں نے آپؐ کے سامنے گستاخانہ طریق سے باتیں کیں۔ آپؐ نے فرمایا تم قاصد ہو اِس لیے میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایک اور موقع پر ایک قاصد آیا اور آپؐ سے مل کر مسلمان ہوگیا، پھر اُس نے آپؐ سے عرض کیا کہ میں اب واپس جانا نہیں چاہتا۔ آپؐ نے فرمایا میں بدعہدی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ تم قاصد ہو تمہیں بہرحال واپس جانا چاہیے ہاں اگر پھر آنا چاہو تو آجانا۔ چنانچہ وہ گیا اور کچھ عرصہ بعد موقع پاکر پھر واپس آ گیا۔ (ابو داؤد کتاب الجهاد)

الغرض حضرت رسول کریم ﷺ کو دشمن کے حملے سے مجبور ہو کر اپنا دفاع کرنے کے لیے جب تلوار اُٹھانا پڑی تو جنگ کی حالت میں جہاں دنیا سب کچھ جائز سمجھتی ہے۔ آپؐ نے پہلی دفعہ دنیا کو جنگ کے آداب سے روشناس کرایا۔ اِس ضابطہ اخلاق کے ساتھ جب آپؐ جنگ کے لیے نکلتے تو پھر آپؐ کا تمام تر بھروسہ خدا تعالیٰ کی ذات پر ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِی وَاَنْتَ نَصِيرِی وَبِكَ أُقَاتِلُ۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر ۳۵۸۴) (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۶۳۲) اے اللہ! تُو ہی میرا سہارا، تُو ہی میرا مددگار ہے، اور تیرے بھروسے پر ہی میں لڑتا ہوں۔

مندرجہ بالا تعلیمات کی روشنی میں ہم نے تفصیل کے ساتھ معلوم کرلیا ہے کہ جنگوں کے درمیان اور ان سے متعلق امور میں اسلام حقوق انسانی کی کیسے تعلیم دیتا اور اُن کی ترویج کرتا ہے؟ اسلام سے پہلے عرب کے علاقوں میں رہنے والے قبائل میں جنگوں کا کیا تصوّر تھا یہ جاننا ضروری ہے اور یہ بھی کہ وہ کون سے قبیح اور ظلم و بربریت پر مبنی قوانین اپنائے ہوئے تھے، آیئے دیکھتے ہیں۔

اسلام سے پہلے
جنگوں میں حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں

اسلام سے پہلے عرب میں جنگ کا تصوّر ایک ایسی چیز کا نام تھا جس میں لوٹ مار ہو، جنگوں میں غضب و اشتعال، ظلم و ستم، وحشت و بربریت ہوتی تھی۔ جس کے خلاف جنگ لڑی جاتی اس کو پیس کر رکھ دیا جاتا اور کُلّی طور پر تباہ و برباد کر دیا جاتا۔ جس طرح جنگ کے متعلق عرب جاہلیت کا تصور نہایت ادنیٰ تھا اور جس طرح اُن کے مقاصدِ جنگ ذلیل اور وحشیانہ تھے اُسی طرح وہ طریقے بھی جو وہ جنگ میں استعمال کرتے تھے، انتہائی وحشیانہ تھے۔ حریف قوم کے ہر فرد کو دشمن سمجھا جاتا اور جنگ کا دائرہ تمام طبقوں پر یکساں محیط ہوتا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار اور زخمی الغرض کوئی بھی دست درازی سے مستثنیٰ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ دشمن قوم کو ذلیل و خوار کرنے کی خاطر اُس کی عورتیں خصوصیت کے ساتھ جنگی کارروائیوں میں تختہ مشق بنائی جاتیں۔ مفتوح قوم کی عورتوں کو بے حرمت کرنا، اُن کی تحقیر و تذلیل کرنا فاتح لوگوں کے امتیازات میں شامل تھا اور شعراء اس کو قصیدوں میں تکبر سے بیان کرتے۔

اسلام سے پہلے حقوقِ انسانی کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے، دشمن کو ایذاء دینے اور ضرر پہنچانے کا حق غیر محدود تھا، یہاں تک کہ آگ میں زندہ جلا دینے میں بھی تامل نہ کیا جاتا۔ تاریخ عرب کا مشہور واقعہ ہے کہ یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے بعض عیسائیوں کو آگ کے گڑھوں میں ڈال کر قتل کرایا تھا۔ یہ واقعہ تاریخ میں اصحاب اُخدود کے نام سے مشہور ہے۔ ذونواس جو چھٹی عیسوی میں یمن کے بادشاہوں میں سے تھا، نے نجران کے عیسائی باشندوں کو اپنے مذہب سے

پھرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ جب اُنہوں نے انکار کیا تو اُس نے خندقیں کھدوائیں، اُن میں آگ بھڑکائی اور بہت سے لوگوں کو زندہ جلادیا۔ اس واقعے کا ذکر قرآن مجید میں اِس طرح آتا ہے: قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ۔ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ۔ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ۔ (البروج:۵تا۷) ترجمہ: خندقوں والے ہلاک ہوگئے۔ یعنی (خندقوں میں) آگ (بھڑکانے والے) جس میں خوب ایندھن (جھونکا گیا) تھا۔ جب وہ اُس آگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم۔ حدیث نمبر ۳۰۰۵ کے علاوہ تفسیر ابن کثیر میں سورۃ البروج کی تفسیر کے تحت ذونواس اور اہل نجران کا واقعہ تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام میں بھی اس واقعہ کی روایات مذکور ہیں۔)

اُس زمانے میں اسیرانِ جنگ سے بدسلوکی اور ایذاء رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی تھی۔

اسلام سے پہلے دشمن کو مقابلے کا موقع دیے بغیر غفلت کی حالت میں اچانک حملہ کرنا پسندیدہ ترین جنگی چالوں میں شمار ہوتا تھا، اس غرض کے لیے عموماً رات کے آخری حصے میں حملے کیے جاتے تھے۔ جوشِ انتقام میں دشمنوں کی لاشوں تک کو نہ چھوڑا جاتا تھا۔ اُن کی ناک اور کان کاٹ دیتے اور اعضاء کی قطع و برید کرکے زندوں کا انتقام مردوں سے لیا جاتا۔

چنانچہ حضرت حمزہؓ جب شہید ہوئے تو ہندہ نے آپؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا اور دیگر اعضاء کاٹ کر ہار بنایا۔ جب کسی شخص سے سخت دشمنی ہوتی تو قسم کھالیتے تھے کہ اس کو قتل کرکے اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، جنگ اُحد میں حضرت عاصم بن ثابتؓ کے ہاتھ سے سلافہ کے دو بیٹے قتل ہوگئے۔ سلافہ نے قسم کھائی کہ وہ عاصمؓ کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔ چنانچہ جب مقام رجیع میں صحابی رسولؐ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کیے جانے کے بعد بعض مشرکین نے اُن کے جسم کو حاصل کرنے کی کوشش کی، کیونکہ سلافہ بنت سعد نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کو ان کا سر مل جائے ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔ اِس لیے کفار نے تلاش کی، تاکہ ان کا سر کاٹ کر سلافہ کے پاس بیچ دیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصمؓ کے جسم کی حفاظت کے لیے بھڑوں یا شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا، جس نے ان مشرکین کو ان کے جسم کے قریب نہ آنے دیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۰۸۶۔ ۳۹۸۹)۔ (السیرۃ النبویہؐ لابن ہشام)

عرب جاہلیت میں وفائے عہد کا بھی کوئی پاس اور لحاظ نہ تھا۔ جب کہ کوئی اچھا موقع دشمن سے انتقام لینے کا مل جاتا تو تمام عہد و پیمان توڑ کر رکھ دیتے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانے کی بات ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد ایک قبیلے کے چند لوگ آنحضرت ﷺ کے حضور آئے اور کہا کہ تعلیم دین کے لیے چند معلم ہمارے ساتھ بھیج دیں چنانچہ حضور ﷺ نے ۷۰؍ مشہور قاری ان کے ساتھ بھیج دیے جن کو لے جاکر ان ظالموں نے شہید کردیا۔ (صحیح بخاری)

وعدے کی پاسدار اور ایفائے عہد نام کی باتوں سے وہ لوگ نابلد تھے اس کی اہمیت کو یکسر نہ جانتے تھے، اس لیے قبیح اور ظالمانہ اقدام کے مرتکب ہوئے۔ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے ایسی جاہلیت اور بیوقوفانہ باتوں کو ختم کیا اور عہد نبھانے کی اہمیت و افادیت کو قائم فرمایا۔ آیئے اب ہم قیدیوں کے ساتھ اسلام نے جو حسن سلوک کیا اور ان کے حقوق دیے جانے کے قوانین و اصول عرب کے باسیوں کے سامنے رکھے اور بے مثال نمونے قائم کرکے دکھائے، وہ پڑھتے ہیں۔

اسلام کا قیدیوں سے حُسن سلوک اور حقوق انسانی کا خیال

مختلف ملکوں کے اسیرانِ جنگ کے متعلق قوانین و قواعد بہت حد تک اچھے ہوتے ہیں۔ اور قیدیوں کے لیے سہولتوں اور آسائشوں کے حامل بھی۔ لیکن اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جو حکومت بھی دشمن کے پکڑے ہوئے قیدیوں سے حسنِ سلوک کرتی ہے وہ اِس لیے کرتی ہے کہ دشمن اُس کے پکڑے ہوئے قیدیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا اور یہ سب کچھ اُن معاہدوں کی رُو سے ہوتا ہے جو ان ملکوں نے بنا رکھے ہوتے ہیں۔ پھر اس امر کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ یہ سلوک صرف اُن قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جو جنگ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ زمانہ جنگ سے قبل انہوں نے یا ان کے ملک نے دوسرے ملک کی قوم یا افراد کے ساتھ کوئی خاص برا سلوک نہیں کیا ہوتا۔ جنگ کرنے اور جنگ میں دشمن کو نیچا دکھانے کی کوشش کے علاوہ اُن کی طرف سے یا ان کے ملک کی طرف سے کیے گئے مظالم کی یاد دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے موجود نہیں ہوتی۔ اِن باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر قیدیوں سے اُس سلوک کو دیکھا جائے جو اسلام نے اسیرانِ جنگ کے ساتھ روا رکھنے کا حکم دیا۔ اگر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اُسوہ کو دیکھیں تو اسلام کی فضیلت، انسانی ہمدردی بلکہ انسانیت کا احترام صاف طور پر نظر آجائے گا۔ دنیا کی قدیم تاریخ میں جنگی قیدیوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا، لیکن قرآن کریم فرماتا ہے: وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّيَتِيۡمًا وَّاَسِيۡرًا۔ (الدھر:۹) یعنی، اور اُس (خدا) کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں

تاریخی روایات کے مطابق بعض صحابہؓ خود روکھی سوکھی پر گزارا کرتے اور قیدیوں کو عمدہ کھانا پیش کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد ۲)

تاریخ گواہ ہے کہ قریشِ مکہ نے آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ پر وہ مظالم ڈھائے جن کے ذکر سے آج بھی انسانیت لرز اُٹھتی ہے اور تاریخِ اسلام کے صفحات پر اُن کو پڑھ کر ایک انسان کی آنکھوں میں آج ساڑھے چودہ سو سال بعد بھی آنسو آجاتے ہیں۔ آیئے ایک اُچٹتی نظر اُن روح فرسا ظلم و بربریت کے نظاروں پر ڈالتے ہیں۔

مسلمان ہونے والے مردوں کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹانا، تپتی ہوئی ریت میں سینے پر پتھر رکھ کر گھنٹوں لٹائے رکھنا۔ ٹانگوں میں رسّے باندھ کر بازاروں اور گلی کُوچوں میں گھسیٹنا اور پھر یہاں تک سفّاکی اور بے رحمی کہ پردہ دار اور شریف عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار کر انہیں شہید کردینا۔ ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر دو مخالف سمتوں میں اونٹوں کو بھگانا اور مسلمانو کے جسموں کو دو نیم کرکے دَم لینا۔ چند ایک کمزور اور بے یار و مددگار مسلمانوں کو سالہا سال تک محاصرہ میں رکھنا اور ان کو کھانے پینے تک کی ضروریات سے محروم کردینے کے مکمل انتظامات کرنا ایسے واقعات نہیں کہ دلوں سے محو ہوسکیں۔ اور آج بھی مسلمانوں پر اُن مظالم کے زخم موجود ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ انہیں اپنی زندگیوں میں ہی بھول جاتے۔

مکہ کے ظالموں نے ان بے یار و مددگار مسلمانوں کو اپنے وطن کو خیر باد کہہ دینے پر مجبور کیا، اور پھر یہ بھی نہیں کہ انہیں اپنا مال و اسباب لے کر وطن چھوڑ جانے دیا ہوتا، بلکہ یہاں تک ظلم کیا کہ وہ راتوں کو چُھپ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ جب ہجرت کے بعد سب سے پہلی جنگ، بدر کے مقام پر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو مسلمانوں کے ہاتھ ظالم قریش میں سے ۷۰؍ آدمی آگئے اور قید کرلیے گئے۔ اگر آج کسی ملک کو اپنے کسی ایسے شدید معاندین پر غلبہ حاصل ہو تو اس سے وہ سلوک کیا جائے جس کی مثال ظلم کی تاریخ میں کہیں نہ مل سکے۔ اس کی تازہ مثال صیہونیوں نے غزہ فلسطین کے بے گناہ مسلمان بڑے، چھوٹے، بزرگ، جوان، بچے اور عورتوں پر وہ ظلم ڈھائے کہ اللہ کی پناہ۔ عالمی میڈیا میں ان پر تشدد کے محفوظ ہونے والے واقعات اس ظلم و بربریت کے گواہ ہیں۔

اسلام جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقوق انسانی کا علمبردار ہے تو صرف اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے حُسن سلوک کی اعلیٰ و ارفع مثالوں اور رحمۃ للعالمین ہونے کے ناطے، اسلام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ دنیا بھر میں حقوق انسانی پر عملدرآمد کرنا اسلام کا بنیادی کام ٹھہرا۔ اور یہ اس لیے ممکن ہوا کہ حضرت محمد ﷺ نے حالاتِ جنگ میں انسانی حقوق کی پاسداری فرمائی، دشمنوں کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ لوگ بھی آپ ﷺ کے سامنے تھے جنہوں نے برسوں مسلمانوں پر ظلم کیے تھے، لیکن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کیا اور فرمایا: آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ عدل و انصاف کی تعلیم قائم فرمائی، قیدیوں کے حقوق بنائے، املاک اور ماحول کے تحفظ کا حق محفوظ کیا، مذہبی آزادی کا احترام اور عہد و پیمان کی پابندی اور معاہدوں کی پابندی کو انتہائی اہم قرار دیا، صلح حدیبیہ اس کی روشن مثال ہے جہاں بظاہر مسلمانوں کے لیے سخت شرائط کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی مکمل پاسداری فرمائی۔

یہ نظارہ اُس وقت سب دنیا نے دیکھا کہ کفار مکہ کی طرف سے ظلم کے پہاڑ ڈھائے جانے کے باوجو جب مکہ کے وہ ظالم و سفاک لوگ قید ہوکر آئے تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا، ان کو بنیادی انسانی حقوق ہر ممکن مہیا کیے جائیں۔ جیسا خود کھاؤ ویسا ان کو کھلاؤ۔ اور جیسا خود پہنو ان کو پہناؤ۔ رسول اکرم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اُس تاریک دَور میں اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ چنانچہ اپنے دلوں میں تمام گذشتہ مظالم کی یادوں کو دفن کرتے ہوئے صحابہؓ ان کو اپنے سے اچھا کھلاتے اور اپنے سے زیادہ آرام پہنچاتے۔ تاریخ اس بات کی بھی گواہ ہے کہ بعض صحابہؓ خود کھجوریں کھاکر گزارہ کرلیتے مگر ان قیدیوں کے لیے روٹی اور سالن مہیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس کپڑا نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنے پاس سے اُن کے لیے کپڑا عطا فرماتے۔ حالانکہ یہ وہ دَور تھا جب مسلمانوں پر خود تنگی اور افلاس کا غلبہ تھا اور مالی لحاظ سے اُن کی حالت بہت کمزور تھی۔ اُس وقت تک بیسیوں مسلمان کفار کے پاس مکہ میں قید تھے اور کفار کے انسانیت سوز مظالم اُن غریبوں پر بدستور جاری تھے۔ اِن سب حالات کے باوجود کیا غزوۂ بدر کے قیدی کفار مکہ اس حُسنِ سلوک، اس شفقت، اس رحم اور اس خدا ترسی کی کوئی مثال دنیا میں مل سکتی ہے؟! کیونکہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ کو حکم دیا گیا کہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

آنحضور ﷺ کی بے پایاں رحمت و شفقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ان سب کو بہت کم فدیہ لے کر رہا فرمادیا۔ بعض پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ تو صرف یہ مقرر ہوا کہ چند مسلمانوں کو معمولی علم یعنی لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

قیدیوں کے حقوق کے حوالے سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں: جنگی قیدیوں سے متعلق اسلامی تعلیم کا خلاصہ تین قرآنی آیتوں میں آجاتا ہے، جن میں سے دو تو خاص جنگی قیدیوں کے متعلق ہیں اور ایک اصولی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ۔ (الانفال:۶۸) یعنی نبی کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ اُس کے لیے جنگی قیدی پکڑے جائیں حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ کسی میدان میں اچھی طرح عملی جنگ نہ ہولے۔ اے مسلمانو! تم قریب کے فوائد پر نظر رکھتے ہو (کہ قیدی پکڑنے میں جلدی کی جاوے تاکہ تم اُن کے فدیہ کی رقم سے دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرسکو) مگر اللہ تعالیٰ انجام کار کو دیکھتا ہے (اور چونکہ انجام کے لحاظ سے یہ طریق پسندیدہ نہیں اور اخلاقی طور پر اِس کا اثر خراب ہے اِس لیے وہ تمہیں اِس طریق سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے) اور اگر تمہیں دشمن کی تعداد و طاقت کا خوف ہو تو جانو کہ اللہ تعالیٰ سب طاقتوں پر غالب ہے اور وہ حکیم یعنی تمہاری حقیقی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کے خیال سے یا فدیہ کے ذریعہ اپنی مالی حالت کو مضبوط بنانے کی غرض سے دشمن کے قیدی پکڑنے کے معاملہ میں جلدی اور بے احتیاطی سے کام نہیں لینا چاہیے کہ جہاں بھی دشمن کو کمزور پایا، قیدی پکڑنے شروع کردیے یا میدانِ جنگ میں عملی مقابلہ ہونے سے پہلے ہی قیدی پکڑ لیے۔ بلکہ مسلمانوں کو صرف اُس صورت میں قیدی پکڑنے کی اجازت ہے کہ میدانِ جنگ میں عملاً دشمن کا مقابلہ ہو اور لڑائی کے بعد قیدی پکڑے جائیں۔ اس اسلامی تعلیم میں جو بین الاقوامی ضابطہ جنگ کی اعلیٰ ترین بنیاد پر قائم ہے جنگی قیدیوں کی تعداد اور وسعت کو امکانی طور پر تنگ سے تنگ دائرہ میں محدود کردیا گیا ہے جو اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کا منشاء یہ تھا کہ سوائے اُن صورتوں کے جو اٹل ہوں حتّی الوسع جنگی قیدی نہیں پکڑنے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۖ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا۔ (محمد:۵) یعنی اے مسلمانو! جب کفار کے ساتھ تمہاری جنگ

......باقی صفحہ ۴۸ پر......

حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسولؐ اور تعلیماتِ اسلامیہ

(پروفیسر نصیر احمد حبیب۔ لندن)

’’جب ایسا روحانی حسن والا انسان جس میں محبت الٰہیہ کی روح داخل ہو جاتی ہے جب کسی غیر ممکن اور نہایت مشکل امر کے لیے دعا کرتا ہے… تو چونکہ اپنی ذات میں حسنِ روحانی رکھتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ کے امر اور اذن سے اس عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے‘‘ (حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی آیت وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے اس کے جواب میں کہا اَتَجۡعَلُ فِیۡہَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡہَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ’’صوفیوں نے لکھا ہے تمام عناصر کا مجموعہ انسان ہے۔ ہر عنصر پر ایک فرشتہ ہوتا ہے وہ اپنے اپنے متعلّقہ شَے کی ماہیت کو جانتے تھے۔ وہ سمجھے کہ یہ تمام عناصر جب ملیں گے ضرور ان میں اختلاف ہو گا۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا خدا انسان کو مجموعۂ کمالات بنانا چاہتا ہے۔‘‘ (حقائق الفرقان جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

چنانچہ تہذیب انسانی پر ایک ایسا وقت آیا کہ ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ ’’یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے جو اہلِ کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے۔‘‘ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد ششم صفحہ ۳۰۶)

’’ساتویں صدی عیسوی کا آغاز قومی، معاشرتی اور مذہبی انتشار کا زمانہ تھا… زرتشت، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے جو شمع کی روشن کی تھی اس کی لو انسانی خون کے چھینٹوں سے بجھائی جا چکی تھی۔ ایک بگڑی ہوئی زرتشتیت نے اور ایک اُس سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی عیسائیت جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں، انسانی ضمیر کی ناطقہ بندی کر رکھی تھی اور کرّۂ ارض کے بعض شادماں ترین خطّوں کو لہو کی ندیوں کا سنگھم بنا رکھا تھا… روئے زمین کے باشندے جو ایک بے جان مشائخ پرستی کی آہنی ایڑیوں سے کچلے جا رہے تھے، خدا سے اپنے آقاؤں کے مظالم کی فریاد کر رہے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں ایک نجات دہندہ کی اس سے زیادہ ضرورت کبھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ (سیّد امیر علی، روحِ اسلام، کشمیر کتاب گھر، جمّوں، صفحہ ۶، ۷)

جہاں تک ان قوموں کا تعلق ہے جن کو الہام کا پانی ملا تھا تو ان کی مقدس کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا ’’اور جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا، اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب لوٹ لیا… اور انہوں نے سارا مالِ غنیمت اور سب اسیر کیا انسان اور کیا حیوان ساتھ لیے۔ (موسیٰ سرداروں پر جھلّا کر) ان سے کہنے لگا کیا تم نے سب عورتیں بچا رکھی ہیں؟ اس لیے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لیے زندہ رکھو۔ (گنتی ۳۱، آیت ۱۷ تا ۳۵ بحوالہ نقوش، رسول نمبر جلد ۴ صفحہ ۳۱۲)

جبکہ وید میں یہ حوالہ ملتا ہے ’’طاقتور اندر نے بد اندیش داس کا سر کاٹ کر پھینک دیا۔ وہ اندر جس نے ورترا کو قتل کیا۔ اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہ و بالا کر دیے جو جولاہے داسوں (غلاموں) کی فوجوں کو تباہ کرتا ہے۔‘‘ (بحوالہ: آرسی دت، قدیم ہندوستان کی تہذیب ترجمہ اے وی احمد، کتاب ا، باب ۴ صفحہ ۳۷)

’’اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ و غارت کیا ہے۔‘‘ (Ibid:38)

یہ تو دریاؤں کی حالت تھی۔ جہاں تک جنگلوں کا تعلق ہے تو اُن کا تو یہ حال تھا کہ عمرو بند منذر نے منّت مانی کہ بنی دارم کے سو آدمیوں کو نذرِ آتش کروں گا۔ چنانچہ اُس نے حملہ کیا تو ۹۹ آدمی ہاتھ لگے جنہیں زندہ جلا دیا گیا۔ اب ایک آدمی کی کمی رہ گئی تو اتفاق سے کوئی مسافر جو بھوکا تھا گوشت کی بو سونگھ کر یا دھوؤں کو دیکھ کر یہ سوچا کہ کھانا پک رہا ہے اس خیال سے وہ بھی ادھر آ گیا چنانچہ اسے بھی آگ میں جھونک دیا گیا۔ ’’اب دیکھو کہ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو سورج نکلتا ہے اور جب زمین تپ جاتی ہے تو وہ بارش کھینچتی ہے تو روحانی اندھیرے کے بعد روحانی سورج نہ نکلتا؟ … اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیۡلَ النَّہَارَ (النور ۴۵) نیز فرماتا ہے اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا۔ (الحدید ۱۸) دنیا مر چکی تھی اور خدا تعالیٰ نے اپنے اس نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا۔ (سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۱۷)

چنانچہ جب ہم اسلامی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں عرفات کی چوٹیوں سے فتح مکہ تک عالم امر کے ارتسامات نظر آتے ہیں۔ تہذیبِ انسانی کی کشتی طوفانوں کے رحم و کرم پہ تھی کہ آپؐ نے اسے اپنے پاکیزہ اسوہ اور جامع تعلیمات کے ذریعے سمت اور منزل عطا فرمائی اور تاریخ انسانی میں ایک ایسا انقلاب آیا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو موجودہ زمانہ کی مادی ترقی بھی اسی روحانی انقلاب کی مرہونِ منت ہے۔ اگر موجودہ دنیا تباہی کے خطرات سے بچنا چاہتی ہے جو کہ ایک حقیقت کی طرح نظر آ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم اور پاک تعلیمات ہی عافیت کا حصار ہیں۔ ’’آنحضرت ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا… اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔‘‘ (حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اپنی تحریروں کی رُو سے۔ جلد اوّل صفحہ ۴۲۲۔ ۴۲۳)

چنانچہ جب جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپؐ کے ساتھ آپ کی دعاؤں کے طفیل ایک مخفی تائید الٰہی تھی کیونکہ آپ ﷺ خدا کے سچے رسول تھے اور خدا کے ہی مشن کو پورا کرنے کے لیے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ’’اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچے رسول نہ ہوتے تو ضرور ہلاک کیے جاتے… پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ان تمام پُرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخر کار غالب ہو جانا ایک بڑی زبردست دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت آپؐ صادق تھے اور خدا آپؐ کے ساتھ تھا۔‘‘ (چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۶۳، ۲۶۴ حاشیہ)

چنانچہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ مولائے کُل ختم الرسل ﷺ نے کبھی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ چنانچہ ہمیں آپ ﷺ کے غزوات کی تاریخ میں ماکیاولی (Machiavelli) کی Political Realism اور جوزف فلیچر کی Situational Ethics کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ میں مسلمانوں کو مصائب کے طوفانوں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ مسلمان اپنے عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ’’ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ’’یارسول اللہؐ! جب ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے اور کوئی شخص ہماری طرف آنکھ تک نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن مسلمان ہو کر ہم کمزور و ناتواں ہو گئے اور ہمیں ذلیل ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ پس آپؐ ہمیں ظالموں سے مقابلہ کی اجازت دیں۔ آپؐ نے فرمایا: اِنِّیۡ اُمِرۡتُ بِالۡعَفۡوِ فَلَا تُقَاتِلُوۡا یعنی مجھے ابھی تک عفو کا حکم ہے۔ اس لیے میں تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔‘‘ (سیرت خاتم النبیینؐ حصہ اول صفحہ ۲۸۱)

آپ ﷺ بدر کے میدان میں تین سو جاں نثاروں کے ساتھ موجود ہیں۔ کفّار ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی آ کر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرّت ہوتی۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان اور حضرت حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راہ میں کفّار نے روکا کہ محمدؐ کی مدد کو جا رہے ہو؟ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ حصہ اوّل صفحہ ۲۰۸ مصنفہ شبلی نعمانی)

آپ ﷺ کا خدا تعالیٰ پر بھروسا اتنا تھا کہ نہ Situational Ethics نہ Political Realism کو آپؐ نے درخورِ اعتنا سمجھا جو آج کی جدید دنیا میں مغربی طاقتوں کا طرّہ امتیاز ہے۔ دراصل اسلام کا آوازۂ حق اُس وقت بلند ہوا جب جب ریاستی جبر سفّاک مذہبی راہنماؤں کے استبداد اور ظلم وستم کے نتیجہ میں مظلوم انسانیت کراہ رہی تھی اور اِیلی اِیلی لِمَا سبقتنی کی دردناک آوازیں بلند کر رہی تھی اسلام کے اس حیات آفریں پیغام نے انسانیت کو نوید سحر دی۔ لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ، دین میں کوئی جبر نہیں اور دین کے نام پر دکھ دینا حرام ہے قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ۔

آپ ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے اور انسانیت کو ظلم و جبر اور استبداد کی زنجیروں سے ہمیشہ کے لیے رہائی بخش دی اور اپنے کامل اسوۂ حسنہ کے ذریعہ ایسی روشن مثالیں قائم کیں

کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
علیك الصلوٰۃ علیكَ السّلام

اسلامی انقلاب ہی تاریخ انسانی کا واحد واقعہ ہے جو نہ صرف ایک جامع نظریہ ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے جبکہ برٹرنڈ رسل دنیا میں دو تحریکات کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے دنیا میں تشتت و انتشار ختم کرنے کی کوشش کی۔ ایک رومی سلطنت اور کلیسا لیکن رومی سلطنت محض ایک طاقت پر مبنی حقیقت تھی جس کی بنیاد کسی نظریہ یا تصوّر پر نہ تھی جبکہ کلیسا محض ایک نظریہ تھا جو عملی حقیقت کی شکل اختیار نہ کر سکا۔

(“The Roman Empire was a brute fact, not an idea. The Catholic world, which was an idea, but was never adequately embodied in fact.” (BERTRAND RUSSELL, History of Western Philosophy, New Delhi, 1957, p. 482)

مغربی تہذیب اپنے لڑکپن میں تھی جب صلیبی جنگوں کا آغاز ہو گیا۔ بقول کیرن آرمسٹرانگ

“one of its most enduring legacies is a profound hatred of Islam.”

(Karen Armstrong, The Curse of The Infidel, The Guardian, 20 Jun 2002)

چنانچہ اس تعصب کی جھلکیاں ہمیں متعصب پادریوں کی تحریروں سے لے کر جدید مستشرقین کی تحقیقات میں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ جو انقلاب ایک فانی فی اللہ کی دعاؤں اور تائیدِ الٰہی کی بدولت رونما ہوا اس میں ان متعصب پادریوں اور جانب دار مستشرقین کو تلوار کارفرما نظر آتی ہے۔ چنانچہ پادری فنڈر لکھتا ہے: ’’پھر جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع دار مدینے میں بڑھے اور دشمنوں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی قوّت حاصل کی تو جہاد کی آیت نازل کر کے لڑنے لگا۔ اپنی فتح مند فوج کا سردار ہوا تب دشمن ان سے ڈرنے اور خوف کرنے لگا ہے… اپنا دین انہی وسیلوں سے… عرب کے اکثر ملکوں میں پھیلایا۔‘‘ (پادری فنڈر۔ میزان الحق۔ ارفن سکول پریس۔ کلکتہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۴۷۱)

منٹگمری واٹ بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مدینہ میں جارحیت کا آغاز مسلمانوں نے کیا تا کہ اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کو

نشانہ بنایا جائے۔

“The chief point to notice is that the Muslims took the offensive. With one exception these seven expeditions were directed against Meccan caravans.”

(W. Montgomery Watt, Muhammad at Medina, Oxford, 1956, p. 2)

اب دیکھتے ہیں کہ عیسائی پادریوں اور مستشرقین میں یہ تعصّب کیوں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

“Islam is a religion of success unlike Christianity… Muhammad… was dazzling success, politically, as well as spiritually.”

(Moyeres, B. (Host). (2002, March 1) NOW with Bill Moyers [Television broadcast]

لیکن دل خون کے آنسو روتا ہے جب بعض نام نہاد اسلامی تحریکوں کے لیڈروں کو اسی طرح خامہ فرسائی کرتے دیکھتے ہیں جو متعصب پادریوں اور جانب دار مستشرقین کا طرزِعمل اور وتیرہ ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ وعظ و تلقین کا جو مؤثر انداز ہوسکتا تھا اسے اختیار کیا... لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی... تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی و شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشر، دہلی، اپریل ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۷۳)

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسلام اپنی تاریخ کے نازک دور سے گزر رہا تھا۔ ایسے علماء جن کے سیاسی ایجنڈے تھے اور مغرب کی فاشسٹ تحریکوں سے متأثر تھے مذہب کا چولا پہن اہلِ مغرب کی دریوزہ گری کرنے لگے: ''اگر دلوں کے زنگ دھونے کے لیے تلوار ایسی ضروری تھی تو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ کے دلوں کے زنگ کس تلوار نے دھوئے تھے اور کس تلوار نے بلال حبشیؓ کے دل میں توحید کا نور داخل کیا تھا؟... اور وہ سارے مہاجرینؓ اور وہ سارے انصارؓ جن کی تعداد ہزار تک جا پہنچی... کسی طرح تطہیر قلوب کے اس ضروری ہتھیار کے بغیر پاک دل ہونے میں کامیاب ہو گئے؟'' (حضرت مرزا طاہر احمدؒ، مذہب کے نام پر خون۔ صفحہ ۳۸، ۳۹)

جب مسلمان غزوۂ بدر کے موقع پر زخران پہنچے تو آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ قافلے کی حفاظت کے لیے ایک بڑا لشکر قریش کا آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ چنانچہ مقداد بن اسود جن کا دوسرا نام مقداد بن عمرو بھی تھا نے کہا: ''یارسول اللہ! ہم موسیٰ کے اصحاب کی طرح نہیں ہیں کہ آپؐ کو یہ جواب دیں کہ جا تُو اور تیرا خدا جا کر لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اور ہم آپؐ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہو کر لڑیں گے۔''... آپؐ نے یہ تقریر سنی تو آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتمانے لگا۔'' (بخاری کتاب المغازی۔ بحوالہ سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۴۰۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقداد بن اسودؓ کے دل کے زنگ کو کس تلوار نے دھویا تھا؟ درحقیقت آنحضرت ﷺ نے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ تلوار آپؐ پر اٹھائی گئی، جنگ آپؐ پر مسلط کی گئی ''یعنی آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے اور انصار نے انہیں پناہ دی تو تمام عرب ایک جان ہو کر ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے اور دن کو ہتھیار لگائے رکھتے تھے کہ کہیں کوئی اچانک حملہ نہ ہو جائے۔'' (حاکم بحوالہ سیرت النبی صفحہ ۳۱۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا ازبس ضروری ہے... سلسلہ تو یہ ہے کہ اوّل کفار نے ہمارے نبی صلعم کے قتل کا ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے ان کو مکہ سے نکال دیا۔ پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی تو پہلا حکم جو لڑائی کے لیے نازل ہوا وہ یہ تھا اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا... ''یعنی جہاد میں یعنی لڑنے میں اسلام سے ابتدا نہیں ہوئی۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ جلد پنجم صفحہ ۳۷۹)

اس حقیقت کا اعتراف ایک غیر متعصب منصف مزاج محقق کیرن آمرسٹرانگ بھی کرتی ہیں:

“In fact, the reality was different. Islam, for example, is not the intolerant or violent religion of western fantasy, Muhammad was forced to fight against the city of Mecca, which had vowed to exterminate the new Muslim community.”

(Karen Armstrong, The Curse of the Infidel, The Guardian, Thus 20 June 2002)

درحقیقت اسلام کا فروغ جنگ کے نتیجے میں نہیں بلکہ صلح کے دور میں ہوا۔ ''دعویٰ نبوت سے لے کر صلح حدیبیہ تک جو مصیبتوں اور بدامنی کا دور تھا تقریباً انیس سال کے عرصے میں جس قدر لوگوں نے اسلام قبول کیا اس سے کہیں زیادہ تعداد میں صلح حدیبیہ کے دو سالہ دور میں لوگ مسلمان ہوئے... زیادہ سے زیادہ مسلمان مردوں کی تعداد جو صلح حدیبیہ سے پہلے کسی جنگ میں شریک ہوئی ہے تین ہزار بنتی ہے... فتح مکہ کے موقع پر مسلمان لشکر کی تعداد دس ہزار قدوسیوں پر مشتمل تھی۔ ان مزید سات ہزار میں بہت ہی کم تھے جو جنگِ احزاب اور صلح حدیبیہ کے درمیان مسلمان ہوئے۔'' (حضرت مرزا طاہر احمدؒ، مذہب کے نام پر خون۔ صفحہ ۴۳)

دراصل اسلامی انقلاب کے پیچھے جو حیرت انگیز قوّت کارفرما تھی جو مغربی دانشوروں اور نام نہاد علماء کی نظروں سے اوجھل رہی وہ آپ ﷺ کی روحانی کشش تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''حسن بشرہ صرف ایک یا دو شخص کے فانی عشق کا موجب ہو گا جو جلد زوال پذیر ہو جائے گا اور اس کی کشش نہایت کمزور ہو گی۔ لیکن روحانی حسن جس کو حسن معاملہ سے موسوم کیا گیا ہے وہ اپنی کششوں میں ایسا سخت اور زبردست ہے کہ ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اور قبولیت دعا کی بھی درحقیقت یہی فلاسفی ہے کہ جب ایسا روحانی حسن والا انسان جس میں محبتِ الٰہیہ کی روح داخل ہو جاتی ہے جب کسی غیر ممکن اور نہایت مشکل امر کے لیے دعا کرتا ہے اور اس دعا پر پورا پورا زور دیتا ہے تو چونکہ اپنی ذات میں حسنِ روحانی رکھتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ کے امر اور اذن سے اس عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اس کی کامیابی کے لیے کافی ہوں۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد ششم صفحہ ۲۸)

چنانچہ ہم غزوۂ بدر کے موقع پر دیکھتے ہیں کہ قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی طرف زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ تائید ایزدی سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی۔ اس قدرتی احسان کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا وَیُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ (الانفال: ۱۲)

جہاں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالم تھا کہ بعض مسلمان فکرمند تھے ''کہ اس موقع پر جبکہ لشکرِ قریش کے ساتھ مٹھ بھیڑ ہو جانے کا احتمال ہے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی اہم ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ انہی لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِہُوۡنَ'' (الانفال: ۶) (سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ ۳۹۹)

بقول مولانا شبلی نعمانی ''یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے ''خدایا تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا آج پورا کر۔'' محویت اور بیخودی کے عالم میں چادر کندھے سے گر پڑتی تھی اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدہ فرماتے تھے کہ ''خدایا اگر یہ چند نفوس آج مِٹ گئے تو پھر قیامت تک تُو نہ پوجا جائے گا... حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی ''حضور! اللہ اپنا وعدہ وفا کرے گا''۔ آخر روحانی تسکین کے ساتھ سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (قمر) پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشن گوئی سے آشنا ہوئے۔ (شبلی نعمانی۔ سیرت النبی ﷺ حصہ اوّل۔ دوم صفحہ ۲۰۸)

چنانچہ پیشن گوئی اس شان سے پوری ہوتی ہے کہ دشمن کو شکستِ فاش ہوتی ہے اور اس کی کمر ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتی ہے۔

بقول مولانا شبلی نعمانی، مغربی مورخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی۔ (شبلی نعمانی۔ سیرت النبی ﷺ حصہ اوّل۔ دوم صفحہ ۲۱۱)

امام الزماں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہماری راہنمائی فرماتے ہیں کہ ''جب ایسا روحانی حسن والا انسان جس میں محبت الٰہیہ کی روح داخل ہو جاتی ہے جب کسی غیر ممکن اور نہایت مشکل امر کے لیے دعا کرتا ہے... تو چونکہ اپنی ذات میں حسنِ روحانی رکھتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ کے امر اور اذن سے اس عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد ششم صفحہ ۲۸)

لیکن افسوس کہ اس فیج اعوج کے دَور میں یہ حقیقت علماء کی نگاہوں سے پنہاں ہو گئی۔ بقول مصنف مشائخ دیوبند ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت علماء کے درمیان بحث ہو رہی تھی اس موقع پر جہاد فرض ہے کہ نہیں۔ ''مولانا شیخ محمد کی رائے تھی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز نہیں۔ پھر یہ سوال پوچھا گیا کیا اتنا بھی سامان نہیں جتنا غزوۂ بدر میں تھا۔ اس موقع پر شیخ محمد نے سکوت فرمایا... چنانچہ جہاد کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ (ماخوذ از مفتی عزیز الرحمٰن۔ مشائخ دیوبند ۱۹۶۲ء صفحہ ۸۲)

ان علماء کی نظر مادی اسباب پر تھی۔ اور اُن کو اپنا سروسامان اور اسباب غزوۂ بدر میں موجود مسلمانوں سے کم نظر نہیں آتا تھا لیکن انہیں فخرِ موجودات، سرورِ عالم کے اُس روحانی حسن کی کشش کی کوئی خبر نہیں تھی جس کی کشش سے عالم کا ذرّہ ذرّہ آپ کی طرف کھنچا چلا آیا اور کامیابی کے اسباب جمع ہو گئے۔ لہٰذا جنگ میں کود پڑے جب پکڑے گئے تو بقول مولانا مفتی محمود سب عدالت میں جھوٹ بول کر چلے آئے۔ (حسین احمد مدنی۔ نقشِ حیات جلد دوم)

اب ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ اگر اسلامی انقلاب کے پسِ پشت تلوار کارفرما نہیں تھی تو فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعاؤں کے طفیل کون سے اسباب پیدا ہوئے جو اُس وقت عالمی حالات کے تناظر میں کارفرما ہوئے اور بقول ڈاکٹر حمید اللہ ''چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (city state) سے جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے۔ اور دس سال بعد جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ مربع میل کا رقبہ آپؐ کے زیرِ اقتدار آچکا تھا... وسیع علاقے کی فتح میں... دشمن کے ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے... مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی عزّت تاریخ عالم میں بے نظیر ہے... اور... آپؐ کی وفات کے پندرہ سال بعد تین براعظموں... پر مدینے کی حکومت کا قائم ہو جانا۔'' (ماخوذ از محمد حمید اللہ۔ عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ۔ انتظامی پریس حیدر آباد دکن ۲۰۰۰ء صفحہ ۳، ۴)

اب ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیا اسباب اور وجوہات تھیں جن کی وجہ سے اسلام حیرت انگیز طور پر قلیل مدّت میں تین براعظموں میں پھیل گیا۔

بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت ﷺ ہی وہ پہلوان تھے جو توحید کو، جو دنیا سے گم ہو چکی تھی، واپس لے کر آئے تھے۔ توحید اگر دنیا سے گم ہو جائے اس کے کیا اثرات انسانی تمدّن اور تہذیب پر پڑتے ہیں۔ انسانی تہذیب کی بنیاد تصوّرِ توحید پر قائم ہے۔ یہ نظریہ توحید ہے جو انسان کو نسلی اور قومی اور علاقائی تفاخر سے ماوراء کرتا ہے اور انسانی تہذیب کی بنیاد ڈالتا ہے۔ انسان کو ذمہ داری کا احسان ہوتا ہے کہ وہ جواب دِہ ہے۔

ظہورِ اسلام سے قبل جو دنیا کی حالت تھی بقول حضرت شاہ ولی اللہ ''واضح ہو کہ ایران اور روم میں جبکہ سالہا سال سے سلطنت چلی آئی اور دنیوی لذت میں مستغرق ہو گئے اور دارِ آخرت کو بھول گئے... اسباب پر فخر کرنے لگے... ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کی کوشش کرتا... جب تک بہت سامان صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور مال کی اتنی مقدار حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کیے جائیں... ان کو بمنزلہ گدھے اور بیل کر دیں جو آب پاشی، جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کیے جاتے ہیں... جب یہ مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور بیماری سخت ہو گئی... تو خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مرض کو بالکل زائل کر دے اس واسطے اس نے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔'' (حضرت امام شاہ ولی

اللہ محدّث دہلوی۔ حجۃ اللہ البالغۃ۔ جلد اوّل اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی۔صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۸)

اسلامی انقلاب کی حیرت انگیز کامیابی اور فروغ کی وجہ یہ تھی کہ یہ ان مظلوم طبقات کے لیے جن کی حالت گدھے اور بیل کی طرح ہو گئی تھی اور جو صرف امراء کی ضروریات پورا کرنے کے لیے جانوروں کی طرح استعمال کیے جا رہے تھے اور وہ اپنے خدا کی عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا انہیں اس جبر و استبداد سے رہائی ملی اور وہ اپنے خدا کے آگے جھکنے کے قابل ہو گئے اور انسانیت کے استحصال سے نجات پا کر ترقی اور خوشحالی کی راہوں پر گامزن ہو گئے۔ تاریخ اسلام میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص کا شہر چھوڑنا پڑا۔ ''حضرت ابوعبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے… سب ان کو واپس کر دو… چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کُل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش سے کہتے جاتے تھے خدا تم کو واپس لائے۔

یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا تورات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا۔'' (علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق۔ دارالاشاعت۔ اردو بازار کراچی ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲۱)

بقول سیّد امیر علی ''حضرت عمرؓ نے زرعی خوشحالی کو فروغ دینے کی خاطر جو اقدامات کیے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں لوگوں کی فلاح اور اُن کے مفادات کو ترقی دینے کا کتنا خیال تھا۔ زمین پر جو لگان لگایا گیا وہ معتدل اور منصفانہ بنا پر مقرر کیا گیا۔ مملکت کے ہر حصے میں نہریں کھدوائی گئیں۔ جاگیرداری کے زمانے میں جو محاصل اور خرچ کاشت کاروں کے لیے عذابِ جاں بنے ہوئے تھے وہ سب منسوخ کر دیے گئے۔ چنانچہ صدیوں کا بوجھ اُن کے سر پر سے اتر گیا۔'' (سیّد امیر علی۔ روحِ اسلام۔ ترجمہ ہادی علی۔ کشمیر کتاب گھر جموّں۔ ۱۹۹۶ء۔صفحہ ۴۳۴)

انسانیت کی سب سے بڑی میراث جس سے تہذیبِ انسانی کی کشتی تباہی کے بحرانوں اور طوفانوں سے بچ کر بحفاظت نکل سکتی ہے وہ آپ ﷺ کا خطبہ ہے جو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا۔ ''ایک اللہ کے سوا اَور کوئی اللہ نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا…اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدمی مٹی سے بنے تھے۔'' (علامہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ حصہ اوّل ۔دوم۔ ادارہ اسلامیات صفحہ ۳۱۴)

اسلامی تاریخ میں اس کی نہایت روشن مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح جاہلیت کے غرور اور نسلی امتیاز کے تصور کا خاتمہ کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں ایک غسّانی بادشاہ جبلہ (Jabala) اسلام لاتا ہے۔ جب وہ مدینہ آتا ہے تو بڑی تکریم کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ جب وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو معمولی حیثیت کے کسی حاجی کے احرام کا ایک گوشہ اس کے شانوں پر گر پڑا۔ جبلہ نے فرطِ غضب سے حاجی کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی روئیداد حضرت ابوعبیدہؓ کو جو کہ شام میں عساکر اسلامی کے سپہ سالار تھے لکھی۔ ''غریب حاجی میرے پاس آیا… مَیں نے جبلہ کو بلا بھیجا… اس سے پوچھا کہ اس نے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ بدسلوکی کیوں کی؟ اُس نے جواب دیا اس آدمی نے میری توہین کی۔… مَیں نے کہا اگر تم نے اس آدمی سے معافی نہ مانگی اور اس نے تمہیں معاف نہ کیا تو تمہیں قانونی سزا بھگتی پڑے گی۔''… قانون کی نگاہوں میں دونوں کی ایک حیثیت ہے۔'' (سید امیر علی۔ روحِ اسلام۔صفحہ ۴۲۲) چنانچہ جبلہ مظلوم حاجی سے ایک دن کی مہلت لیتا ہے اور فرار ہو جاتا ہے۔

آج کل کی دنیا میں بھی ایک نظریاتی خلا پیدا ہو چکا ہے اور دنیا اپنے تہذیبی اور قومی تفاخر اور بالادستی کے تصوّر کی طرف لوٹ گئی ہے۔

"All are equal... but Some... are more equal than others."

اس وقت طاقت ور قوموں اور ریاستوں کا نصب العین بنا ہوا ہے۔ اس وقت اُس شہادتِ توحید کی ضرورت ہے جس کی طرف حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اشارہ فرماتے ہیں: ''اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔… محمدؐ رسول اللہ کا تخت آج مسیحؑ نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیحؑ سے چھین کر پھر وہ تخت محمدؐ رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ (سیر روحانی۔ مجموعہ تقاریر سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ صفحہ ۶۲۰)

☆…☆…☆

بقیہ: کیا حضرت مصلح موعودؓ ہٹلر اور موسولینی سے متاثر تھے؟……

از صفحہ نمبر ۳۹

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فاشزم پرست رجحانات

جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی جو نامور مسلم عالم دین اور سرگرم سیاسی راہنما بھی تھے اور حضرت مصلح موعودؓ کے ہم عصر بھی، یورپی فاشزم سے خاصے متأثر رہے۔ کیونکہ مودودی کے نزدیک اسلام محض ایک ضابطۂ حیات نہیں بلکہ ایک ایسا نظام ہے جسے بہرطور پوری دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اور ان کے نام نہاد اسلامی انقلاب کے نظریے کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے کہ ہر مسلمان کو باہر نکل کر جدوجہد میں شریک ہونا ہوگا۔ (ماخوذ از خطبات ابوالاعلیٰ مودودی، شائع کردہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ایڈیشن 1998)

اس مسلح جنگ کا مقصد مودودی صاحب کے نزدیک یوں ہے کہ ان تمام انسانوں کو ختم کر دیا جائے جو خدا کو مسترد کرتے ہیں… اور اگر تم اسلام کی سچائی مان لو تو تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اپنی پوری طاقت زمین پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں لگا دو۔

ان کا یہ متشدد نظریہ مسلم دنیا کے بعض حصوں میں پھیلا اور مصر میں اخوان المسلمین اور بعد کے ادوار میں القاعدہ اور داعش جیسی تنظیموں کے لیے اساس اور تحریک بنا۔ یہ پُرتشدد رجحان ان کے فاشزم سے گہرے فکری لگاؤ کا ہی نتیجہ تھا۔

مودودی نے اپنے اسلامی انقلاب کے تصور کو پیش کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جرمن قومی سوشلزم کو ہرگز یہ زبردست کامیابی نہ ملتی اگر فشٹے، گوئٹے اور نٹشے نے اس کی وہ فکری بنیادیں نہ رکھی ہوتیں جنہیں ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی زبردست اور مضبوط قیادت نے آگے بڑھایا۔ (منہاج الانقلاب الاسلامی، ابوالاعلیٰ مودودی، دارالانصار، قاہرہ، ایڈیشن 1977 صفحہ 19)

اخوان المسلمین کو فاشزم کی پشت پناہی

اسی طرح تحریک ''اخوان المسلمین'' کے بانی حسن البنا بھی مولوی مودودی کے فاشسٹ نظریات سے گہرے طور پر متأثر تھے۔ جب یروشلم کے گرینڈ مفتی اور البنا کے سرپرست امین الحسینی نے ۱۹۴۶ء میں وفات پائی تو حسن البنا نے تعزیتی تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اے امین، تم واقعی ایک عظیم، اٹل اور ناقابلِ یقین انسان تھے… تم کیا ہی بہادر تھے… کیا ہی کرشمہ وجود تھے… جس نے ایک سلطنت کو للکارا اور ہٹلر کی مدد سے صہیونیت سے لڑتے رہے۔''

Hassan Al-Banna, Majmua'at Rasael al-Imam al-Shahid Hassan al-Banna, Cairo, 1999, p406; Hamed Abdel-Samad, Islamic Fascism, Prometheus Books, New York, 2016

اس تحریر میں بڑی معنی خیز بات یہ ہے کہ البنا نے موسولینی اور ہٹلر دونوں کے ساتھ تمام اعزازی القاب استعمال کیے۔ موسولینی نے ۱۹۳۵ء میں ایک پُرجوش تقریر کرتے ہوئے اٹلی کی عوام کو لازوال جنگ کے لیے تیار کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ آٹھ سے پچپن سال کے ہر اطالوی کو فوجی جذبے سے سرشار ہونا چاہیے۔

اس تقریر کا خاص طور پر ایک جملہ حسن البنا کی توجہ میں اٹک گیا: ''متشدد عسکریت ایک نیا خیال ہے، جسے پوری انسانی تاریخ میں کوئی عملی جامہ نہ پہنا سکا''

حسن البنا نے اس تقریر کا کئی مواقع پر حوالہ دیا، لیکن سب سے دلچسپ مقام وہ ہے جہاں وہ موسولینی کی تصحیح کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ تمام معاشرہ میں متشدد عسکریت پیدا کرنے کا خیال تو تیرہ صدیاں پہلے اسلام اور اس کے بانی نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے ذریعے دنیا میں آیا تھا۔

حسن البنا بے باک ہو کر بڑے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی شاید ہی کوئی سورت ہو جس میں ایک مسلمان کو ہمت، صبر اور جنگجوئی کا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم نہ دیا گیا ہو۔

علی اشماوی جو پہلے تو حسن البنا کے ایک قریبی ساتھی تھے مگر بعد میں علیحدہ ہو گئے تھے، نے اپنی کتاب بعنوان ''اخوان المسلمین کی خفیہ تاریخ''، میں تفصیل سے بتایا ہے کہ حسن البنا نے نہ صرف نازی سیکورٹی سروسز اور گسٹاپو کے تنظیمی ڈھانچوں کا مطالعہ کیا بلکہ صہیونیوں کے خفیہ گروہوں کا بھی علم اکٹھا کیا۔

Ali Asmawai, at-Tarikh as-Sirri li Gamaa'at al-Ikhwan al-Muslimin, Cairo 2006, 2 edition, pp8-9

مصر کے ممتاز ادبی محقق طٰہٰ حسین نے بھی اخوان المسلمین کے نازی پرست رویے پر تنقید کی ہے جبکہ ایک اور معروف تجزیہ کار عباس العقاد نے ثبوت پیش کیے کہ اخوان المسلمین کو مصر میں فاشزم کے بیج بونے کے لیے نازی انٹیلی جنس سے خفیہ طور پر بڑی بڑی رقوم باقاعدگی سے ملتی تھیں۔

Jeffrey Herf جیفری ہرف نے عرب دنیا کے لیے نازی پروپیگنڈا کے موضوع پر اپنی کتاب میں تفصیل سے بحث کی ہے کہ نازی اخوان المسلمین کو نہ صرف اپنا ایک فوجی حلیف بلکہ مسلم دنیا میں اپنے یہود مخالف نظریات پھیلانے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

Jeffrey Herf, Nazi Propaganda for the Arab Wordl, Yale Uni press, New Haven, 2009, p242-244

اخوان المسلمین کی ایک اور اہم شخصیت سید قطب نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور سیاسی اسلام کے نام پر دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ایک بڑا نام بن گئے۔ ان کی دو کتابیں ''معالم فی الطریق'' اور ''مستقبل ھذا الدین'' سیاسی تشدد کے متعلق بنیادی مواد کے ماخذ کا درجہ اختیار کر گئیں۔

خلاصہ

ان تمام حقائق، حوالہ جات اور معلومات کے تناظر میں حضرت مصلح موعودؓ کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ آپؓ نے بانی جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے موقف کے عین مطابق کبھی بھی پُرتشدد اسلام کی تائید نہیں کی اور نہ ہی یورپ کی فاشسٹ حکومتوں جیسے جابر نظاموں کو قبول کیا۔

دوسری جانب صاف عیاں ہے کہ امت مسلمہ کے بڑے بڑے نامور اور کبار علماء دین نہ صرف فاشزم سے متأثر تھے اور اس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے تھے بلکہ مغربی دنیا کو باور کراتے تھے کہ فاشزم کی بنیاد اسلام میں ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

☆…☆…☆

کیا حضرت مصلح موعودؓ ہٹلر اور موسولینی سے متاثر تھے؟

ایک اعتراض کا تحقیقی جواب

(آصف محمود باسط۔ لندن)

تمام حقائق، حوالہ جات اور معلومات کے تناظر میں حضرت مصلح موعودؓ کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔
آپؓ نے بانی جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے موقف کے عین مطابق کبھی بھی پُرتشدد اسلام کی تائید نہیں کی اور نہ ہی یورپ کی فاشسٹ حکومتوں جیسے جابر نظاموں کو قبول کیا

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کر کے جماعت کے بعض مخالف یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپؓ گویا فاشزم سے متاثر تھے اور ہٹلر اور موسولینی کو مثالی راہنما تصور کرتے تھے۔

''حکومت ہمارے پاس نہیں کہ ہم جبر کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر یا مسولینی کی طرح جو شخص ہمارے حکموں کی تعمیل نہ کرے اُسے ملک سے نکال دیں اور جو ہماری باتیں سننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہو اُسے عبرتناک سزا دیں۔ اگر حکومت پاس ہوتی تو ہم ایک دن کے اندر اندر یہ کام کر لیتے اور دوسرا دن ایسا نہ چڑھنے دیتے جس میں ہمارے اندر یہ نقائص موجود ہوتے۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/ مئی ۱۹۳۶ء، مطبوعہ خطبات محمود، جلد ۱۷ صفحہ ۳۳۷)

اس سے پہلے کہ ہم کسی بھی تفصیل میں جائیں، یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا اقتباس کا سیاق و سباق کیا ہے۔ یہ حضرت مصلح موعودؓ کے ایک خطبہ جمعہ سے لیا گیا ہے جس کا عنوان ہی ''عملی اصلاح کے اہم سوال کو حل کرنے کی کوشش کی جائے'' ہے۔

اس خطبہ میں حضورؓ نے ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ عقیدہ کی اصلاح نسبتاً آسان عمل ہے، مگر اعمال کی اصلاح ایک مشکل تر عمل ہے۔ مثلاً وراثت کے معالات عقیدہ کے حد تک تو سب کو قابل قبول ہو سکتے ہیں، مگر عملاً ترکہ کی تقسیم میں دانستہ یا غیر دانستہ سقم رہ جانا ایک عمل ہے جو اصلاح طلب ہے۔

تمام خطبہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے عملی اصلاح کی مختلف صورتوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ کس طرح مختلف نظام اپنے اپنے طریق پر اصلاح اعمال کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں حضورؓ نے آمریت اور ملوکیت وغیرہ کی مثالیں پیش فرمائیں۔ مگر کہیں بھی ان کو جماعت احمدیہ کے لیے پسند نہیں فرمایا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خطبہ کا اختتام ان الفاظ پر فرمایا کہ:

''ان باتوں کو مدّنظر رکھ کر ہمیں علاج سوچنا چاہیے تا کہ ہم اپنے اعمال میں اصلاح کر سکیں اور جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دنیا کے عقائد میں عظیم الشان تغیر ہوا ہے اسی طرح عملی زندگی میں بھی ایک انقلاب پیدا ہو جائے۔ میں نے پچھلی دفعہ بھی نصیحت کی تھی اور اب پھر کرتا ہوں کہ احباب کو اپنے اپنے طور پر بھی اس مضمون پر غور کرنا چاہیے اور میں امید کرتا ہوں کہ جو لوگ اصلاحِ اعمال کے ذرائع پر غور کریں گے وہ پیشتر اس کے کہ میری باتیں سنیں، خود اپنے اندر ایسی قوت محسوس کریں گے جس سے وہ نقائص کا بہت جلد ازالہ کر سکیں گے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ خود بھی اس مسئلہ پر غور کریں اور اگر ان کے ذہن میں کوئی تجویز آئے تو اس سے مجھے اطلاع دیں تا میں بھی ان کی تجاویز سے فائدہ اٹھا سکوں۔''

یہ الفاظ خود اس اعتراض کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ کیا کوئی آمرانہ سوچ رکھنے والا راہنما یوں اپنی جماعت کے خاص و عام کو دعوتِ مشاورت دیتا ہے؟ اور پھر یہ کون سا آمر کہتا ہے کہ مجھے تجاویز دو تا کہ ''میں بھی ان تجاویز سے فائدہ اٹھا سکوں''۔

پس جب کہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کا ایسا کوئی بھی مقصد نہ تھا جو معترضین زبردستی بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ہم اس اعتراض کا تفصیلی جواب عرض کرتے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کے مجموعی فکر کے تناظر میں

کیا کسی شخص کا صرف ایک اقتباس پڑھ کر اور اس تحریر و تقریر کا سیاق و سباق دیکھے بغیر ہی اس کے تمام سماجی، سیاسی اور مذہبی نظریات کو کماحقہ سمجھا جا سکتا ہے؟ ہم اسی سوال کا جواب اگلی سطور میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت صاجزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ جو ۱۸۸۹ء میں قادیان، پنجاب میں پیدا ہوئے تھے، جب خلیفہ منتخب ہوئے تب برصغیر پاک و ہند میں نوآبادیاتی حکومت تھی۔ تقسیم کے بعد باقی زندگی پاکستان میں مقیم رہے۔

آپؓ نے مذکورہ بالا خطبہ جمعہ اُس دور میں دیا تھا جب دنیا میں نوآبادیاتی طاقتیں ایک دوسرے سے دست و گریباں تھیں اور عالمی جنگ کی آہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُس وقت عالمی منظر نامے پر جمہوریت، آمریت اور فاشزم جیسے نظام حکومت موجود تھے اور مذہبی قیادت کی ٹمٹماتی لَو روز بروز کمزور بلکہ گُل ہوتی جا رہی تھی۔ الغرض تب مذہبی جماعتیں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی تحریروں اور خطابات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپؓ کی عالمی سیاست پر گہری نظر رہتی تھی اور آپؓ نوآبادیاتی دنیا میں ہر چھوٹی بڑی ہلچل کو بھی قریب سے دیکھ رہے تھے۔ آپؓ کسی طرزِ حکومت کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اس کی خامیوں پر بھی کھل کر تنقید کیا کرتے تھے۔ مثلاً، ایک موقع پر آپؓ نے یورپ کی فاشسٹ طاقتوں اور برطانیہ کی جمہوری روایت کا تقابلی جائزہ لیا اور افراد جماعت کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنے بعد اپنے سے بہتر اور اپنے سے زیادہ نیک نسلیں چھوڑ کر جائیں۔

فرمایا: ''میں ہمیشہ حیران ہوا کرتا ہوں کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے انگریز جیت جاتے ہیں اور دوسری قومیں ہار جاتی ہیں۔ انگریزوں میں اور دوسری قوموں میں یہی فرق ہے کہ انگریز قوم موجودہ کی نسبت آئندہ نسل پر زور دیتی ہے۔ اس لئے انگریزی قوم یہ اعتبار رکھتی ہے کہ اگر ہمارے بڑے لوگ مر گئے تو اس کی جگہ دوسرے بڑے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو ان کے قائم مقام ہوں گے... مگر دوسری قوموں کو یہ امید نہیں ہوتی مثلاً فرانس میں نپولین اٹھا اور اس نے یہ کوشش کی کہ آٹھ دس سال میں تمام یورپین ممالک کو فتح کر لے یہ خیال اس کے دل میں تبھی پیدا ہوا کہ وہ جانتا تھا کہ اگر نپولین مر گیا تو فرانس میں دوسرا نپولین پیدا نہیں ہو گا۔ اگر ہٹلر نے جلد بازی کی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ہٹلر کے دل میں یہ خیال تھا کہ میرے بعد جرمنی میں دوسرا ہٹلر پیدا ہونے کی امید نہیں، اگر مسولینی کو ذلت اٹھانی پڑی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ مسولینی کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر مسولینی مر گیا تو اٹلی کو ابھارنے والا دوسرا مسولینی پیدا نہیں ہو گا۔ لیکن انگلستان کا ہر فرد یہی سمجھتا ہے کہ اگر میرے زمانہ میں فتوحات حاصل نہ ہوئیں تو آئندہ آنے والے لوگ ان کو حاصل کریں گے۔ وہ خیال نہیں کرتے کہ اگر آج لائڈ جارج مر گیا یا چرچل مر گیا تو کل دوسرا لائڈ جارج یا دوسرا چرچل پیدا نہیں ہو گا بلکہ وہ جانتے ہیں کہ انگلستان میں ہر روز نئے لائیڈ جارج اور نئے چرچل پیدا ہوتے رہیں گے اس لئے ان کے لئے جلد بازی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' (خطبات محمود، جلد سوم صفحہ ۶۱۴)

اس اقتباس سمیت متعدد دیگر تحریرات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نہ صرف عالمی طاقتوں کے سیاسی طور طریق سے آگاہ تھے بلکہ اس کے پیچھے کارفرما نفسیات کو بھی خوب سمجھتے تھے۔

برطانوی راج سے وفاداری اور فاشزم سے بیزاری

یہاں اُس دور کی عالمی سیاست کی تفاصیل میں جانا اور اس کا تجزیہ کرنا مقصود نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ جماعت احمدیہ کا انگریزوں کی طرف جھکاؤ ایک ایسی بات ہے جس پر جماعت کے مخالف مسلمان اکثر انگلی اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح برطانوی راج سے وفاداری کے بارے میں جماعت احمدیہ کا موقف بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی، کیونکہ جماعت احمدیہ کا ماننا ہے کہ جو حکومت مذہبی آزادی دے، اس کی وفاداری لازم ہے اور شاید اسی واضح موقف نے یورپی فاشزم کی طرف معمولی سے جھکاؤ کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔

غیر تو غیر، ایک موقع پر خود ایک احمدی نے ہی حضرت مصلح موعودؓ کو خط لکھ کر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپؓ انگریزوں سے تو بہت زیادہ تعاون کرتے ہیں اور فاشسٹ طاقتوں کو امید کا مرکز نہیں بناتے۔

''موجودہ جنگ میں حکومت برطانیہ سے تعاون کرنے کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ'' کے عنوان سے شائع شدہ خطبہ میں آپؓ نے اس اعتراض کا تفصیلی جواب دیا: ''ہر ہٹلر نے اپنی کتاب مائنے کامیف میں جس میں اس نے اپنی حکومت کے اصول واضح کئے ہیں لکھا ہے کہ جس قوم کا مرکز باہر ہو وہ جرمن حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ ایک قوم پر حکومت کرنے والے کسی اَور جگہ ہوں اور اس کو ماننے والے ہمارے پاس ہوں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہماری حکومت میں بعض لوگ رہتے ہوں مگر وہ دراصل ہمارے تابع فرمان نہ ہوں اور یہ امر قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اب بتاؤ اس اصل کے ماتحت احمدیت کا جرمن حکومت کے ماتحت کہاں ٹھکانا ہے۔ احمدیت کا مرکز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان مقرر فرمایا ہے۔ اب فرض کرو قادیان انگریزوں یا اٹلی کے ماتحت ہو اور دوسرے علاقے جن میں احمدی کثرت سے ہوں جرمن کے ماتحت ہوں تو یقیناً اس اصل کے ماتحت جرمن حکومت احمدیوں پر ظلم شروع کر دے گی اور اگر اس کے برخلاف قادیان جرمنی حکومت کے ماتحت چلا جائے تو اٹلی وغیرہ حکومتیں اپنے علاقوں میں احمدیت کو نہیں پھیلنے دیں گی۔ کیونکہ وہ بھی اِسی قسم کے اصول کی ماننے والی ہیں۔

دوسرا اصل جو پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے ہم کسی ایسے مذہب کو اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے جس کے اقتصادی، تجارتی اور سوشل قوانین مذہب نے بنائے ہوں اور دراصل یہی وہ وجہ ہے جس کی بناء پر وہ یہودیوں کا سخت دشمن ہے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ، ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۹ء۔ خطبات محمود، جلد ۲۰ صفحہ ۴۳۴)

اس کے علاوہ آپؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ روس تو کمیونسٹ انقلاب کے بعد مذہبی لوگوں کو ہی برداشت نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ مذہبی آزادی دے۔ اسی خطبہ میں آپؓ نے بتایا کہ احمدی مبلغ حضرت مولوی ظہور حسین صاحب کو روسی حکام نے قید میں رکھا اور سخت اذیتیں دی تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی تحریرات میں عالمی طاقتوں کی معاشی پالیسیوں کا بھی گہرا تجزیہ کیا اور نتیجہ نکالتے ہوئے بتایا کہ اصل فاتح وہی ہو گا جو معاشی میدان میں جیتے گا۔ آپؓ نے تین بڑے دھڑوں کی نشاندہی کی، اول: سوشلزم پر مبنی پالیسیاں رکھنے والے ممالک جیسا کہ برطانیہ، فرانس اور امریکہ۔ دوسرے روس کی بالشویک کمیونزم اور تیسرے نمبر پر قومی سوشلزم کا پرچار کرنے والے ممالک جیسا کہ جرمنی، اٹلی

اور اسپین (تفصیل کے لئے دیکھیں، کتاب: نظام نو)

حضرت مصلح موعودؓ نے نازی جرمنی کے نسل پرستانہ پہلو، یعنی ہٹلر کے Herrenvolk کے نظریے (آریائی نسل کی برتری) پر بھی تنقید کی اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایسی غیر انسانی اور امتیازی پالیسیوں کے ماحول میں کسی اور نسل اور کسی دوسری قوم کا وجود قائم رہنا بالکل ناممکن ہے۔ (نظام نو، صفحہ ۳۲ ایڈیشن ۲۰۱۶ء)

خیر سے سبق، بدی سے کراہت

حضورؓ نے اُس دور کی عالمی طاقتوں اور سیاسی عمائدین پر تبصرہ کرتے ہوئے تجزیہ فرمایا کہ ان لوگوں کی کامیابیوں نیز ناکامیوں سے بھی کئی مفید سبق سیکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اڈولف ہٹلر کی غیر معمولی شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ’’ہٹلر کی امنگوں اور اس کے جذبات اور اس کی بیداری کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اِس زمانہ کا ایک غیر معمولی انسان تھا جس کے اندر ایک ایسی آگ تھی جو اپنے گرد و پیش کی سینکڑوں میل تک کی چیزوں کو بھسم کرتی چلی جاتی تھی۔ وہ آگ نہ تھی بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک آتش فشاں پہاڑ تھا جس نے اپنے سارے ملک کو ہلا دیا۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍اگست ۱۹۴۵ء، خطبات محمود، جلد ۲۶ صفحہ ۳۳۸)

حضورؓ نے ہٹلر کے زوال کی وجہ اس کی اپنے حریفوں کے بارے میں غلط فہمی قرار دی ہے، جس کی وجہ سے ’’اُس نے خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکا لیا۔‘‘

حضورؓ نے قومی کامیابی کے لیے عوام کی اپنے امیر و قائد کی مکمل اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کو لازمی قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں آپؓ نے مسولینی کی مثال دی ہے۔ گو آپؓ نے اس کی جابرانہ فطرت پر تنقید بھی کی ہے، لیکن اس کی شخصیت کے اس پہلو کا حوالہ بھی دیا ہے جس سے کچھ سیکھا اور فائدہ اٹھایا جاسکے۔ آپؓ نے بتایا کہ کس طرح مسولینی نے قوم میں فرمانبرداری کی روح قائم کی اور اٹلی کو بے بسی کی حالت سے اٹھایا اور اسے ایک عظیم طاقت میں تبدیل کیا جو اب بلندی پر کھڑی ہے اور متواتر اور بار بار چیلنج دے رہی ہے کہ اگر کسی طاقت میں دم خم ہے تو اس کا مقابلہ کرلے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍اگست ۱۹۳۶ء)

آپؓ نے بتایا کہ اس غیر معمولی کامیابی کی اصل جڑ قرآنی تعلیم (أطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم) میں ہے اور افراد جماعت کو سمجھایا کہ اگر اطالوی قوم اپنے راہنما کی مذہبی پابندی کے بغیر اس قدر اطاعت کرسکتی ہیں تو احمدی لوگ جو دینی طور پر اطاعت امام کے پابند ہیں، وہ اطاعت کے اس معیار کو کیوں نہیں پاسکتے۔ آپؓ نے اپنے اس خطبہ جمعہ میں اسلام میں بیعت کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی مثالیں پیش کیں جو نہایت قلیل وسائل کے باوجود دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔

آمریت اور خلافت میں بنیادی فرق

اطاعت امام کی اہمیت وضرورت پر اس قدر زور دینے کے ساتھ ساتھ حضرت مصلح موعودؓ اس امر سے بھی خوب آگاہ تھے کہ لوگ اسلامی خلافت کو آمریت ہی نہ سمجھنے لگ جائیں۔ اس لئے آپؓ نے واضح فرمایا کہ اگرچہ اسلام خلیفہ کی مطلق اطاعت کا حکم دیتا ہے، لیکن اسلام کا پیش کردہ نظامِ حکومت دنیاوی آمریت سے ہزاروں درجے بہتر اور اس سے بہت بڑھ کر ہے جو یورپین ممالک میں قائم ہے۔

آپؓ نے دونوں نظاموں کی مشابہتیں اور باہمی فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’بے شک ان دونوں میں ایک مشابہت بھی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح لوگ ڈکٹیٹروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ خلفاء کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ ڈکٹیٹر خود قانون ساز ہوتا ہے مگر خلیفہ قانون ساز نہیں بلکہ ایک اور قانون کے تابع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ہٹلر قانون ساز ہے۔ مسولینی قانون ساز ہے، لینن قانون ساز ہے لیکن اسلامی خلیفہ نظام اور قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح جماعت کا ایک عام فرد۔ وہ قانون ساز نہیں بلکہ خدائی قانون کا تابع ہوتا ہے اور اسی قانون کو وہ لوگوں سے منواتا ہے‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍جولائی ۱۹۳۹ء، خطبات محمود، جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۲)

حضورؓ نے اپنے اسی خطبہ میں بھی اور متعدد دیگر مواقع پر بھی ان مسلمان فرقوں کی اس سوچ کا سختی سے ردّ فرمایا ہے جو فاشزم کو اسلام کی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

آپؓ نے نہ صرف فاشزم کی مذمت کی ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ فاشزم کو تو اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ۱۹۳۹ء میں ہونے والی اطالیہ ترک جنگ کے واقعات، اٹلی کے البانیہ اور ترکی پر حملوں کا تجزیہ کرتے ہوئے حضورؓ نے صاف الفاظ میں فرمایا کہ جرمنی اور اٹلی ’’وہ لوگ ہیں کہ جہاں جہاں ان کا بس چلے گا وہاں اسلام کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ انگریز ہزار بُرے سہی لیکن ان میں یہ مادہ ہے کہ وہ مذہب کے معاملہ میں کم سے کم دخل اندازی کرتے ہیں اور اس لحاظ سے انگریز اٹلی اور جرمنی سے بہتر ہیں۔‘‘ (خطابات شوریٰ، جلد دوم صفحہ ۴۲۴)

حضرت مصلح موعودؓ کی ہم عصر مسلم قیادت اور یورپی فاشزم

حضرت مصلح موعودؓ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے بعد یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آپؓ کے ہم عصر مسلم راہنماؤں کا فاشزم کے بارے میں کیا موقف تھا۔

حضورؓ نے ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ کے دوران روم میں مسولینی سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات تب برطانیہ کے طرف سے اٹلی میں متعین سفیر [غالباً سر رانلڈ ولیم گراہم] کے ذریعے طے ہوئی تھی اور ایک گھنٹے کا وقت مقرر ہوا، لیکن تقریباً پون گھنٹہ ٹیکسی ڈرائیور کو ایڈریس سمجھانے میں ضائع ہوگیا۔ باقی وقت میں مسولینی نے ہندوستانی سیاست اور مہاتما گاندھی میں خاص دلچسپی سے بات کی۔ مگر حضورؓ کو اس بات کا افسوس رہا کہ ملاقات کا وقت اتنا محدود تھا کہ مسولینی سے اٹلی میں احمدیہ مشن قائم کرنے کے امکانات پر بات نہ ہوسکی۔ (ماخوذ از خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷؍جون ۱۹۵۸ء نیز ’’سفر یورپ‘‘ حضرت بھائی عبدالرحمان قادیانی کی ڈائری، صفحہ ۱۵۴)

یہ ملاقات اُس وقت ہوئی تھی جب مسولینی ابھی اٹلی کا وزیرِ اعظم تھا اور مکمل فاشسٹ آمر نہیں بنا تھا۔ جب وہ آمر بنا تو دیگر مسلم راہنما اس سے ملے۔ ان میں سرفہرست مسلمانانِ برصغیر کے قومی شاعر سر محمد اقبال تھے۔

علامہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس کے بعد روم کا دورہ کیا اور مسولینی سے ملاقات کی۔ اس مضمون کی تحقیق کے دوران خاکسار کو اٹلی کے نیشنل آرکائیوز میں موجود مسولینی کے ریکارڈز دیکھنے کا موقع ملا اور مسولینی کے دفتری روزنامچے میں ۲۷؍نومبر ۱۹۳۱ء کی تاریخ میں اندراج ملا:

Sir Muhammad Iqbal – grande poeta mussulmano

یعنی سر محمد اقبال — عظیم مسلمان شاعر

Mussolini records, Archivio Centrale Dello Stato (Italian state archives), Segreteria Particolare, Di S. E. Il Capo Del Gerverno

علامہ اقبال کے فرزند جاوید اقبال کی مرتب کردہ سوانح عمری ’’زندہ رود‘‘ میں درج ہے کہ یہ ملاقات تقریباً چالیس منٹ جاری رہی۔ (زندہ رود، سنگ میل پبلشرز، ۲۰۱۹ء، لاہور، صفحہ ۵۱۹)

علامہ اقبال اپنی اس ملاقات سے کافی متأثر تھے جو اُن کے اِس جواب سے بھی عیاں ہے جو انہوں نے ایک صحافی کے سوال کے جواب میں دیا، مسولینی کے بارے میں کہا: ’’آپ کا ڈوچے ایک لوتھر ہے، مگر بغیر انجیل کے۔‘‘

علامہ اقبال نے بعد ازاں مسولینی کے بارے میں اپنے تأثرات کو شعری شکل بھی دی، اور کہا:

فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے؟
وہ کہ ہے جس کی نگہ مثلِ شعاعِ آفتاب

ڈاکٹر جاوید اقبال، جو سر محمد اقبال کے فرزند اور سوانح نگار ہیں، مسولینی کے بارے میں علامہ اقبال کے نقطۂ نظر کی تعیین کرنے میں اپنی دشواری کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کام کو آسان بنانے کے لیے وہ خود اقبال کا ایک خط پیش کرتے ہیں جو انہوں نے آل احمد سرور کو ۱۲؍مارچ ۱۹۳۷ء کو لکھا: ’’مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس میں آپ کو تناقض نظر آتا ہے، آپ درست فرماتے ہیں لیکن اگر اس بندہ خدا میں ڈیول (شیطان) اور سینٹ (ولی) دونوں کی خصوصیات جمع ہوں تو اس کا میں کیا علاج کروں۔ مسولینی سے اگر کبھی آپ کی ملاقات ہو آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس کی نگاہ میں ایک ناممکن البیان تیزی ہے، جس کو شعاع آفتاب سے ہی تعبیر کرسکتے ہیں۔ کم از کم مجھے اس قسم کا احساس ہوا۔‘‘ (اقبال نامہ۔ مجموعہ مکاتیب اقبال۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۱۴۔ ایڈیٹر: شیخ عطاء اللہ ایم اے۔ شائع کردہ شیخ محمد اشرف لاہور)

لیبیا کے مسلمانوں کا مسولینی کو رحمتِ الٰہی قرار دینا

اس خونریز حملہ کے بعد مسولینی کو ملنے والی فتح کے باوجود لیبیا کے مسلمان مارچ ۱۹۳۷ء میں ہونے والے مسولینی کے دورہ لیبیا پر بے حد خوش نظر آئے۔ مسولینی کے گورنر جنرل نے اس دورے کا مقصد یہ بتایا تھا کہ مسولینی خود کو لیبیا کے عوام کے سامنے ’’سلطنت کے بانی‘‘ اور ’’سلطنتِ روم کے وقار کے محافظ‘‘ کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔

Proclamation by Governor General Italo Balbo to the Libyan people, 10 March 1937

لیکن لیبیا کے مسلمانوں نے تو شاہ سے بڑھ کر شاہ سے وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف پُرتپاک استقبال کیا بلکہ مسولینی کو سیفِ اسلام بھی پیش کر ڈالی۔ ان دو مسلمان فوجیوں میں سے جنہوں نے مصر میں اٹلی کی عسکری مہم میں اہم کردار ادا کیا تھا، ایک آگے آیا اور سیفِ اسلام پیش کرتے ہوئے کہا: ’’فاشسٹ اٹلی کے فخرمند بیٹو! لیبیا کے فوجیوں اور مسلمانوں کی طرف سے مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ فاتح دوچے کو یہ آبدار اسلامی تلوار پیش کروں۔ اس لمحے بحیرۂ روم کے سواحل پر بسنے والے تمام مسلمانوں کے دل ہمارے ساتھ دھڑک رہے ہیں جو تعریف و امید سے لبریز ہوکر آپ میں وہ عظیم سیاستدان دیکھتے ہیں جو یقینِ محکم کے ساتھ ہماری تقدیر کی باگ تھامے ہوئے ہے۔‘‘

Popolo d’Italia, 19 March 1937, quoted by John L Wright in Mussolini, Libya, and the Sword of Islam, in Italian Colonialism, Ed R Ben-Ghiat, M Fuller, Palgrave, New York, 2005

لیبیا کی وفاشعار مسلم عوام کو مخاطب کرتے ہوئے جواباً مسولینی نے کہا: ’’آپ نے اٹلی سے اپنی وفاداری ثابت کی، اس وقت جب اٹلی ایک دور دراز جنگ میں مصروف تھا اور آپ نے ہزاروں رضا کار فراہم کیے جنہوں نے ہماری فتح میں قیمتی حصہ ڈالا۔‘‘

اس کے بعد مسولینی نے لیبیا اور حبشہ کے مسلمانوں کو امن، انصاف، خوشحالی، شریعتِ نبویؐ کا احترام اور اسلام اور تمام مسلمانانِ عالم سے ہمدردی کا وعدہ کیا۔

Gaspare Ambrosini, I problem del Mediterraneo, Istituto Nazionale di Cultura Fascista, Rome, 1937

مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں کا مسولینی کو سراہنا

لیبیا سے باہر بھی بعض مسلمان مسولینی کی اس سیاسی چال پر پُر امید نظر آئے اور محض ڈھونگ کے طور پر دکھائی گئی عالمِ اسلام سے اس دوستی سے از حد متاثر نظر آئے۔ مثلاً فلسطین سے شائع ہونے والے اخبار ’’فلسطین‘‘ نے اپنے ۱۷ مارچ ۱۹۳۷ء کے شمارہ میں مسولینی کو ہمدردیاں دکھانے پر خراج تحسین پیش کیا۔ (Filastin,17March1937)

جمال الدین افغانی کی جمعیتِ اسلامی (pan-Islamism) طرزِ فکر کے پیروکار اور عکہ شہر کے میئر اسعد الشقیری نے مسولینی کے اظہارِ دوستی کو اس کی زیادتیوں کا کفارہ قرار دیا اور لیبیا و حبشہ کے مسلمانوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی۔ (فلسطین، شمارہ 17 مارچ 1937ء)

جبکہ قاہرہ کے اخبار ’’البلاغ‘‘ نے تو مسولینی کے اعلان میں امید کی کرن دیکھی اور اسے جرمن قیصر ولہیم دوم (Wilhelm II) کے اس وعدے سے تشبیہ دی جو اس نے ۱۸۹۸ء میں قسطنطنیہ، یروشلم اور دمشق کے دورے سے پہلے عثمانی سلطان عبدالحمید ثانی سے کیا تھا۔

ایک فاشسٹ لیڈر کو سیف اسلام پیش کرنے والے مسلمانوں کا بھرم مزید کیا رکھنے کی کوشش کرسکتے ہیں جبکہ ایک نامور مقامی مسلم راہنما، جو شہر درنہ کے قاضی بھی تھے، نے مسولینی کو درنہ کی مسجد کی سیڑھیوں پر ثناء خوانی کرتے ہوئے اسے خدائی مشیّت کا امین قرار دیا اور کہا کہ کیونکہ وہ خدا اس کے ذریعہ سے دنیا کو دوبارہ امن اور خوشحالی دینا چاہتا ہے۔

اسی موقع پر قاضیٔ شہر نے مسولینی کو داد و تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان آپ کی اسلام کے لئے خصوصی توجہ سے فیض یاب ہونگے۔

(New York Times, 13 March 1937)

......باقی صفحہ ۳۷ پر......

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنص

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْ اِمَامَنَا بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَکُنْ مَعَہٗ حَیْثُ مَا



تقریب عالمی بیعت جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۵ء



اختتامی خطاب جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۵ء

امیرالمومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے روزمرّہ امور کا احاطہ چند صفحات میں ممکن نہیں۔ ذیل میں یکم جولائی ۲۰۲۵ء سے ۳۰؍جون ۲۰۲۶ء کے دوران حضورِ انور کی بعض مصروفیات کی ایک جھلک پیش ہے۔

☆...**۵؍جولائی:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ جماعت احمدیہ برطانیہ

☆...**۲۴؍جولائی:** معائنہ انتظامات جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۵ء اور کارکنان سے خطاب

☆...**۲۵ تا ۲۷؍جولائی:** جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۵ء پر خطبہ جمعہ کے علاوہ چار خطابات

☆...**۲۷؍جولائی:** جلسہ سالانہ برطانیہ پر ’عالمی بیعت‘ کا انعقاد

☆...**۶؍اگست:** حضور انور نے ایوان مسرور میں منعقدہ مشاعرہ زیر اہتمام تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کو رونق بخشی



نیشنل مجلس عاملہ جماعت احمدیہ برطانیہ کی حضور انور کے ساتھ ملاقات

☆...**۱۰؍اگست:** کیمرون سے آنے والے ڈی بی ایس ٹی وی کے ڈائریکٹر کی ملاقات

☆...**۱۰؍اگست:** جلسہ سالانہ برطانیہ پر بھارت سے آئے ہوئے وفد کی ملاقات

☆...**۱۷؍اگست:** جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۲۵ء کے شعبہ خدمت خلق کے ناظمین اور وقارِ عمل کی ٹیم کی گروپ تصاویر

☆...**۳۰؍اگست:** جلسہ سالانہ جرمنی کے دوسرے دن مستورات سے خطاب (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...**۳۱؍اگست:** اختتامی خطاب جلسہ سالانہ جرمنی ۲۰۲۵ء (ایوان مسرور)

☆...**۶؍ستمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ ایسٹ ریجن، امریکہ

☆...**۹؍ستمبر:** گیانا کے ہائی کمشنر برائے برطانیہ ڈاکٹر راجندر سنگھ کی ملاقات

☆...**۱۳؍ستمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ Midwest ریجن، امریکہ

☆...**۱۴؍ستمبر:** ملاقات اساتذہ جامعہ احمدیہ جرمنی

☆...**۲۰؍ستمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ایسٹ ریجن، امریکہ

☆...**۲۱؍ستمبر:** اختتامی خطاب برموقع اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ (بمقام Puttenham)

☆...**۲۳؍ستمبر:** Aldershot اور Farnborough کی رکن پارلیمنٹ Alex Baker صاحبہ کی ملاقات

☆...**۲۶؍ستمبر:** برطانیہ میں نیپال کے سفیر جناب چندر کمار گھیمیرے کی ملاقات



جلسہ سالانہ جرمنی ۲۰۲۵ء مستورات سے خطاب (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...**۲۷؍ستمبر:** خطاب برموقع اجتماع لجنہ اماء اللہ برطانیہ (بمقام Puttenham)

☆...**۲۸؍ستمبر:** اختتامی خطاب برموقع اجتماع مجلس انصار اللہ برطانیہ (بمقام Puttenham)

☆...**۲۹؍ستمبر:** مجلس خدام الاحمدیہ ایسٹ ریجن، امریکہ کے دوسرے وفد کی ملاقات

☆...**۴؍اکتوبر:** ملاقات لجنہ اماء اللہ ریجن Mitte، جرمنی

☆...**۵؍اکتوبر:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ ناروے و لجنہ طالبات

☆...**۱۱؍اکتوبر:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ آئرلینڈ

☆...**۱۲؍اکتوبر:** ملاقات واقفات نو اور ناصرات الاحمدیہ آئرلینڈ

☆...**۱۸؍اکتوبر:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ کینیڈا

☆...**۱۹؍اکتوبر:** ملاقات ممبرات احمدیہ مسلم وومن سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کینیڈا

☆...**۲۰؍اکتوبر:** ملاقات لجنہ اماء اللہ و ناصرات ریجن North-Rhine، جرمنی

☆...**۲۵؍اکتوبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ Midwest ریجن، امریکہ

☆...**۲۶؍اکتوبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ Schleswig-Holstein ریجن، جرمنی

☆...**۲۷؍اکتوبر:** بوسنیا کے شہر Goražde کے میئر کی ملاقات

☆... **یکم نومبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ Southwest ریجن، امریکہ

☆...**۲؍نومبر:** ملاقات ٹیم ممبران ہیومینٹی فرسٹ یوکے

☆...**۹؍نومبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ سویڈن

☆...**۱۶؍نومبر:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ ہالینڈ

☆...**۱۷؍نومبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ میری لینڈ ریجن، امریکہ

☆...**۲۳؍نومبر:** افتتاح مسجد بیت الرحیم (کارڈف، ویلز)

☆...**۲۹؍نومبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ساؤتھ ایسٹ ریجن، امریکہ

☆...**۳۰؍نومبر:** صوبہ اونٹاریو، کینیڈا کے وزیرِ توانائی و معدنیات اسٹیفن لیچے کی ملاقات

☆...**۳۰؍نومبر:** اختتامی خطاب برموقع ہیومینٹی فرسٹ انٹرنیشنل کانفرنس

☆...**۶؍دسمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ورجینیا ریجن، امریکہ

☆...**۶؍دسمبر:** گروپ تصویر نیشنل مجلس عاملہ مجلس اطفال الاحمدیہ جرمنی

☆...**۱۴؍دسمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ و مجلس اطفال الاحمدیہ اٹلی



ممبرات احمدیہ مسلم وومن سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کینیڈا کی حضور انور سے ملاقات

☆...**۲۴؍دسمبر:** جنوبی ویلز کے علاقہ ساؤتھ گلیمورگن کاؤنٹی کی ہائی شیرف Janet Davies کی ملاقات

☆...**۲۸؍دسمبر:** اختتامی خطاب جلسہ سالانہ قادیان ۲۰۲۵ء (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...**۲۹؍دسمبر:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ریاست ورجینیا، امریکہ

☆...**۴؍جنوری:** میکسیکو میں وقف عارضی کرنے والے مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ





افتتاح مسجد بیت الرحیم (کارڈف، ویلز)

کے گروپ کی ملاقات

☆...**۶؍جنوری:** سویڈن سے وقف عارضی کے لیے آئے ہوئے خدام کی ملاقات

☆...**۱۰؍جنوری:** تنزانیہ کے برطانیہ میں ہائی کمشنر جناب Mbelwa Kairuki اور ان کے سیاسی ایلچی کی ملاقات

☆...**۱۱؍جنوری:** ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ویسٹ کوسٹ، امریکہ

☆...**۱۷؍جنوری:** وقف نو مرکزیہ کی ایپ کا اجرا اور شاملینِ انٹرنیشنل وقفِ نَو ریفریشر کورس سے مختصر خطاب (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...**۱۸؍جنوری:** ملاقات نیشنل مجلس عاملہ مجلس انصار اللہ سوئٹزرلینڈ

☆...**۲۴؍جنوری:** ملاقات مربیان سلسلہ جماعت احمدیہ برطانیہ

☆...**۲۵؍جنوری:** ملاقات مجلس انصار اللہ فرانس

☆...**۲۶؍جنوری:** Liberal Democrats کے سربراہ Sir Ed Davey کی ملاقات

۳۱؍جنوری: مجالس عاملہ جماعت ہیملٹن اور ہیملٹن ماؤنٹن، کینیڈا کی ملاقات

۲؍فروری: ملاقات نومبائعین از جماعت احمدیہ کینیڈا

۷؍فروری: جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam کے ٹیم ممبران کی ملاقات۔ دوران ملاقات حضورِ انور نے حدیث کے حوالے سے تیار کردہ

...صرہ العزیز کی مصروفیات کی ایک جھلک

(یکم جولائی ۲۰۲۵ء تا ۳۰؍جون ۲۰۲۶ء)

...کَانَ وَانۡصُرۡہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا



جلسہ سالانہ قادیان ۲۰۲۵ء

نئی ایپ کا بھی اجرا فرمایا۔

☆...ملاقات نیشنل مجلس عاملہ جماعت احمدیہ جرمنی

۸؍فروری: آن لائن ملاقات طالبات لجنہ اماء اللہ سویڈن

۱۵؍فروری: ملاقات واقفین نو فرانس

☆...۱۹؍مارچ: ملاقات معتکفین و معتکفات

☆...۲۰؍مارچ: خطبہ عید الفطر

☆...۲۲؍مارچ: ٹی آئی کالج اولڈ ایسوسی ایشن یوکے کی سالانہ تقریب کے موقع پر شاملین تقریب کی حضور انور کے ساتھ گروپ تصاویر

☆...۲۸؍مارچ: ملاقات لجنہ اماء اللہ و ناصرات الاحمدیہ فن لینڈ

☆...۲۹؍مارچ: امریکہ اور کینیڈا کے احمدی ڈاکٹرز اور طبی ماہرین کی ملاقات

☆...۳۰؍مارچ: گروپ تصاویر مجلس اطفال الاحمدیہ جرمنی

☆...۵؍اپریل: ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ کینیڈا مقامی ریجن

☆...۱۰؍اپریل: گروپ تصاویر سائیکلنگ گروپ مجلس انصار اللہ برطانیہ

☆...۱۱؍اپریل: ملاقات لجنہ اماء اللہ و ناصرات الاحمدیہ ریڈشٹاٹ، جرمنی

☆...۱۴؍اپریل: ملاقات مجلس انصار اللہ شکاگو و سیئٹل، امریکہ

☆...۱۸؍اپریل: ملاقات احمدی طلبہ (خدام) جرمنی

☆...۱۹؍اپریل: ملاقات مجلس خدام الاحمدیہ ناروے

☆...۲۰؍اپریل: جرمنی کے شہر ہائیڈل برگ کی ڈپٹی میئر، سٹیفنی جانسن کی ملاقات

☆...۲۱؍اپریل: ملاقات مجلس انصار اللہ گلف سٹیٹس ریجن، امریکہ

☆...۲۵؍اپریل: اختتامی خطاب نیشنل اجتماع واقفات نَو برطانیہ (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...۲۶؍اپریل: اختتامی خطاب نیشنل اجتماع واقفین نَو برطانیہ (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...۲؍مئی: خطاب برموقع تقریب تقسیم اسناد جامعہ احمدیہ یوکے، جرمنی، کینیڈا، گھانا اور انڈونیشیا (بمقام جامعہ احمدیہ یوکے)



وقف نو مرکزیہ کی ایپ کا اجرا

☆...۹؍مئی: ملاقات مجلس انصار اللہ مقامی اور گلف ریجن، امریکہ

☆...زمبابوے سے تعلق رکھنے والے ایک مصنف اور موازنہ مذاہب کے عالم مسٹر آرچیبالڈ گانڈا (Archibald Ganda)، کی ملاقات

☆...۱۰؍مئی: ملاقات نیشنل مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ

☆...۱۶؍مئی: خطاب برموقع نیشنل پیس سمپوزیم ۲۰۲۶ء (ایوان مسرور، اسلام آباد)

☆...۱۶ و ۱۷؍مئی: پیس سمپوزیم ۲۰۲۶ء پر حاضر مہمانوں کی ملاقاتیں

☆...۲۰؍مئی: سٹن و چیم کے ممبر آف پارلیمنٹ لیوک ٹیلر اور گلڈ فورڈ کے ممبر آف پارلیمنٹ زوی فرینکلن کی ملاقات

☆...۲۷؍مئی: خطبہ عید الاضحیٰ

☆...۳۱؍مئی: ملاقات واقفین نو بیلجیم

☆... یکم جون: ایڈیشنل وکالتِ تصنیف کی امریکہ سے تعلق رکھنے والی ٹیم کی ملاقات

☆...۷؍جون: جرمنی سے تعلق رکھنے والی یونیورسٹی کی طالبات کی ملاقات

☆...۸؍جون: ملاقات مجلس انصار اللہ ویسٹ نیویارک، امریکہ

☆...۱۳؍جون: ملاقات مجلس انصار اللہ لاس اینجلس، امریکہ

☆...۱۴؍جون: ملاقات مجلس عاملہ جماعت بالٹی مور، امریکہ

☆...۲۰؍جون: ملاقات مجلس انصار اللہ امریکہ

☆...۲۱؍جون: ملاقات مجلس عاملہ جماعت ووڈرویل، کینیڈا

☆... گروپ تصاویر ایگزیکٹو کمیٹی IAAAE اور ٹیم ممبرز ’’واٹر فار لائف‘‘ پراجیکٹ

☆...۲۸؍جون: ملاقات لجنہ اماء اللہ و ناصرات الاحمدیہ سوئٹزرلینڈ

اعلاناتِ نکاح

☆...الفضل انٹرنیشنل کو موصولہ رپورٹس کے مطابق حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سال مسجد مبارک، اسلام آباد میں ۲۶؍مواقع پر کل ۱۵۵؍اعلاناتِ نکاح فرمائے اور ان کے بابرکت ہونے کے لیے دعا کی۔

راؤنڈ اسلام آباد

☆... حضورِ انور نے دورانِ سال مختلف مواقع پر اسلام آباد کے مختلف حصوں کا راؤنڈ فرمایا اور ان مواقع پر موجود خوش قسمت بچے اور بچیوں میں چاکلیٹس تقسیم فرمائیں۔



خطاب برموقع تقریب تقسیم اسناد جامعہ احمدیہ یوکے ۲۰۲۶ء



خطاب برموقع نیشنل اجتماع واقفین نَو برطانیہ ۲۰۲۶ء

رخصتی

☆... حضورِ انور نے دورانِ سال بعض مواقع پر اسلام آباد سے دعا کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھنے والے جوڑوں کی رخصتی فرمائی۔

نماز ہائے جنازہ

☆...الفضل انٹرنیشنل کو موصولہ رپورٹس کے مطابق حضورِ انور نے دورانِ سال خطبات جمعہ و دیگر مواقع پر جن کی کُل تعداد ۷۷؍رہی ۶۸؍افراد کی نماز ہائے جنازہ حاضر اور ۳۵۵؍افراد کی نماز ہائے جنازہ غائب پڑھائی۔

دفتری ملاقاتیں

☆... حضورِ انور نے قریباً ہر ہفتے کے دوران دفتری ملاقاتیں فرمائیں جن میں افسرانِ صیغہ جات، مربیانِ سلسلہ اور دیگر احباب نے حضورِ انور سے ہدایات اور راہنمائی حاصل کی۔

ذاتی ملاقاتیں

☆...دورانِ سال بہت سے خوش نصیبوں نے اپنے پیارے امام سے ذاتی ملاقات کی سعادت بھی حاصل کی۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

☆...☆...☆



حضورِ انور حدیث کے حوالے سے تیار کردہ نئی ایپ کا اجرا فرماتے ہوئے



اختتامی خطاب برموقع ہیومینٹی فرسٹ انٹرنیشنل کانفرنس

غیر محاربین کے تحفظ کا اسلامی تصوّر

(لئیق احمد مشتاق۔ مبلغ سلسلہ سُرینام۔ جنوبی امریکہ)

غیر محاربین کے تحفظ کے لیے شارع اسلام ﷺ کی ہدایات وفرمودات اتنے واضح، بیّن، مدلل و مفصّل اور یقینی و کامل ہیں کہ انسانی تاریخ ان کی نظیر لانے سے قاصر تھی، ہے اور تا ابد رہے گی

حرب اور جنگ وجدل کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود انسان کا زمین پر وجود۔ اس کا آغاز قبل از تاریخ کے قبائلی تصادمات سے ہوا اور ارتقاء آج کے جوہری اور سائبر دور تک پہنچ چکا ہے۔ تاریخ دانوں کے مطابق، جنگیں صرف زمین یا وسائل پر قبضے کا نام نہیں رہیں، بلکہ انہوں نے انسانی تہذیبوں کے عروج و زوال، جغرافیائی حدود، اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ جنگ انسان کی تاریخ کا وہ اندوہناک باب ہے جس میں نہ صرف خون کی ندیاں بہائی گئیں بلکہ تہذیبوں کو پروان چڑھانے یا مٹانے کا سبب بھی بنی۔ انسانی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے کہ انسان نے بے دریغ اپنی ہی جنس کے خون سے زمین کو رنگا اور اپنی ہی جنس کی نسل کشی کی۔

طلوع اسلام سے قبل دنیا میں موجود مذاہب بھی جنگ و جدال کی تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ بطور نمونہ اس اقتباس کا مطالعہ فرمائیں: ”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمن کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں۔ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا میراث کے طور پر تجھ کو دیا ہے، کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔ بلکہ ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم ہے بالکل نیست کر دینا۔ تا کہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنا نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔ جب تُو کسی شہر کو فتح کرنے کے لیے اُس سے جنگ کرے اور مدت تک اُس کا محاصرہ کیے رہے تو اُس کے درختوں کو کلہاڑی سے نہ کاٹ ڈالنا کیونکہ اُن کا پھل تیرے کھانے کے کام میں آئے گا سو تُو اُن کو مت کاٹنا کیونکہ کیا میدان کا درخت انسان ہے کہ تُو اُس کا محاصرہ کرے؟ سو فقط اُن ہی درختوں کو کاٹ کر اُڑا دینا جو تیری دانست میں کھانے کے مطلب کے نہ ہوں اور تُو اُس شہر کے مقابل جو تجھ سے جنگ کرتا ہو برجوں کو بنا لینا جب تک وہ سر نہ ہو جائے۔“ (استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰۔۲۰)

طلوع اسلام سے قبل جنگوں کا رواج اور طریق کار کیسا تھا، روئے زمین پر موجود سب سے سچا کلام اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ۔ (النمل:۳۵) جب بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے باشندوں میں سے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور وہ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں: ”جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ہمیشہ لڑائیوں کی وضع اسی طرح پر چلی آئی ہے کہ فتح کرنے والے مغلوب فریق کا مال لوٹ لیتے ہیں بلکہ اُن کے ملک پر بھی قبضہ کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی فتح پانے والے بادشاہوں میں یہی رسم جاری ہے مگر قرآن شریف نے ظلم اور زیادتی کی تعلیم نہیں دی۔“ (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۳)

عصر حاضر میں مہذب، ترقی یافتہ، انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں اور جنیوا کنونشن کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا ماضی کتنا سیاہ اور بھیانک ہے درج ذیل تلخ حقائق اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

شہنشاہِ ایران ”قبادِ اوّل“ ساسانی خاندان کا بیسواں حکمران تھا، جس نے ۴۸۸ء سے ۵۳۱ء تک حکومت کی۔ قباد کے زمانے میں جب حکومتِ ایران کے ایما پر حیرہ کے بادشاہ منذر نے شام پر چڑھائی کی تو انطاکیہ میں چار سو عیسائی راہبات کو پکڑ کر اپنے بت عزیٰ پر ذبح کر دیا۔ اور جب خسرو پرویز نے سلطنتِ روم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اپنی تمام مملکت میں مسیحی رعایا کے کلیسا مسمار کرا دیے اور مسیحیوں کو آتش پرستی پر مجبور کر دیا۔ سینٹ ہلینا اور قسطنطین کے عظیم الشان گرجا گھروں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔ نوے ہزار عیسائیوں کو قتل و قید کیا۔ خود ایران میں جب مانی نے اپنے نظریات کا پرچار کیا تو شاہِ ایران بہرام نے ایسی شدید کارروائی کی کہ اس کے ایک ایک ماننے والے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا اور خود مانی کو گرفتار کر کے اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروا کر جنڈی سابور کے دروازے پر لٹکا دیا۔ جب رومن شہنشاہ ہرقل کے سفیر صلح کا پیغام لے کر خسرو پرویز کے دربار میں پہنچے تو خسرو نے ان کے رئیس کی کھال کھنچوا ڈالی اور باقی سفیروں کو قید کر دیا۔ (حالتِ جنگ میں انسانی حقوق کی پاسداری اور اسلامی تعلیمات۔ از محمد عیسیٰ منصوری، مطبوعہ پندرہ روزہ الشریعہ یکم دسمبر ۲۰۰۰ء۔ صفحہ ۱۰)

اسلام سے پہلے عربوں کے نزدیک لڑائی سے زیادہ پسندیدہ اور مرغوب کوئی چیز نہیں تھی۔ عرب میدانِ جنگ کے علاوہ کہیں اور مرنے کو اپنے لیے عار اور ذلت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک جنگوں کا مقصد قتل و غارت گری، لوٹ مار، اموال پر قبضہ، غلام باندی بنانے کا شوق، حسین لڑکیوں کا حصول، زرخیز علاقوں، باغات، چراگاہوں اور پانی کے چشموں پر قبضہ کرنا ہوتا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب میں جتنی بھی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں وہ عموماً اپنے تفاخر، غرور اور بڑائی کے اظہار سے شروع ہوئیں۔

تاریخ کے جھروکے سے جھانکنے والے افراد کے لیے ظہور اسلام سے قبل لڑی جانے والی حربِ بسوس، حرب داحس، حرب فجار، حربِ اوس وخزرج کی تفصیل دیکھنا ضروری ہے۔ ان تمام جنگوں میں ایک چیز قدرے مشترک ہے کہ حملے کے وقت محارب اور غیر محارب ظالم ومظلوم کے فرق کے بغیر جنگ کی گئی اور انسانی خون کے دریا بہائے گئے۔ یوں جب برّو بحر میں فساد برپا تھا ایک پاکیزہ و مطہّر رسول کامل و اکمل دین کے ساتھ اُم القریٰ میں ظاہر ہوا۔ اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران:۲۰) کا فرمان ابد الدہر تک اس دین کی حیثیت اس کی عظمت وشان اور اس کے مقام پر گواہ رہے گا۔

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات دیگر مذاہب کی طرح محض چند رسوم وعقائد کا مجموعہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کسی انسان کی اختراع یا اس کے ہاتھوں بنایا ہوا قانون و دستور ہے، بلکہ خالقِ کائنات کا نازل کردہ نظامِ حیات ہے، جس میں ہر شعبہ زندگی کے متعلق انسانیت کے لیے راہنما اصول بتلائے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو ہر شخص اپنا سکتا ہے، کوئی بھی شخص ان اصول کو اپنا کر اس کے دامن رحمت وعافیت میں جگہ پا سکتا ہے۔ نبی و شارع کامل ﷺ نے جو دین پیش کیا وہ صرف اخلاقیات اور عبادات پر ہی مشتمل نہیں بلکہ یہ دین پوری زندگی کا انسانی ضابطہ حیات ہے۔ یہ دین زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔

وہ معلّم جہاں جس نے نوع انسان کو آداب زیست سکھائے، اخلاقی، روحانی، سیاسی، عسکری، علمی، فکری اور تمدنی اصلاح کی اُسی شرفِ انسانی کے قییم اور افواج قدوسیاں کے سپہ سالار ﷺ نے حربی قواعد وضوابط میں ایسی بنیادی تبدیلیاں کیں اور اس درجہ ان کی اصلاح کی، جنگ کے ایسے اصول وضع فرمائے جو تا ابد زندہ و تابندہ اور عدیم المثال رہیں گے۔ اسلام نے جنگ کی اصلاح و تطہیر کے سلسلہ میں سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ دشمن کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ اہلِ قتال اور غیر اہلِ قتال۔ جنگ کے اس ارفع اور پاکیزہ تصور کے تحت اسلام نے جنگ کا ایک مکمل ضابطہ اور قوانین وضع کیے جس میں جنگ کے آداب، اخلاقی حدود، محاربین جنگ کا ایک مکمل ضابطہ اور قوانین و فرائض، مقاتلین و غیر مقاتلین کا امتیاز، قیدیوں کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق، نہ صرف تفصیل سے بتائے بلکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اقوال و افعال سے اعلیٰ نمونے قائم کر کے ہر دور کے لیے عملی نظائر اور مثال بھی قائم فرما دی۔

غیر محاربین کے تحفظ کے لیے شارع اسلام ﷺ کی ہدایات و فرمودات اتنے واضح، بیّن، مدلل و مفصّل اور یقینی و کامل ہیں کہ انسانی تاریخ ان کی نظیر لانے سے قاصر تھی، ہے اور تا ابد رہے گی۔

اسلام میں جنگ و امن کے دوران غیر محاربین (یعنی وہ لوگ جو براہِ راست جنگ میں شامل نہ ہوں) کا تحفظ ایک بنیادی اور اٹل اصول ہے۔ شریعت نے حالتِ جنگ میں بھی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی راہنماؤں اور عام شہریوں کو قتل یا نقصان پہنچانے سے سختی سے منع کیا ہے۔ غیر محاربین کے تحفظ کے اہم اصول درج ذیل ہیں:

خواتین اور بچوں کی حفاظت: نبی اکرم ﷺ نے حالتِ جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔

بوڑھے اور بیمار: میدانِ جنگ میں حصہ نہ لینے والے بزرگ، اپاہج اور بیمار افراد پر ہتھیار اٹھانا ممنوع ہے۔

مذہبی پیشوا اور عبادت گاہیں: راہبوں، پادریوں اور عبادت میں مصروف افراد کی جان و مال کا تحفظ لازم ہے، اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا گناہ ہے۔

مزدور اور کسان: وہ عام شہری جو اپنے روزگار (کھیتی باڑی، مزدوری) میں مصروف ہوں اور جنگ کا حصہ نہ ہوں، ان کا قتل جائز نہیں۔

سفیر اور قاصد: جنگ کے دوران امن کا پیغام لانے والے یا سفارتی تعلقات رکھنے والے افراد کو مکمل استثنیٰ اور امان حاصل ہوتی ہے۔

اسلام کسی مسلمان کے ہاتھوں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ کسی قسم کی ظلم و زیادتی کو ہرگز برداشت نہیں کرتا خواہ اس ظلم و اذیت کا تعلق ہاتھ سے ہو یا زبان سے۔ ظلم کی قباحت و حرمت پر اور دنیا و آخرت میں اس کے دردناک انجام پر کثرت کے ساتھ آیات اور احادیث موجود ہیں۔

غیر محاربین کے تحفظ کے لیے احکم الالحاکمین کا یہ فرمان روزِ روشن کی طرح واضح ہے: وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ۔ (البقرہ:۱۹۱) اور اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

کتنا روشن واضح اور کامل فرمان الٰہی ہے کہ ہتھیار صرف اور صرف اس کے مقابل اٹھایا جائے جو ہتھیار سے برسرِ پیکار ہے۔ اس حد سے بڑھنا اللہ کو پسند نہیں۔

احکام رسول ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ امْرَأَةً، وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي

رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَۃً، فَأَنْکَرَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ۔ (صحیح مسلم کِتَاب الْجِھَادِ وَالسِّیَرِ۔ باب تَحْرِیمِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ فِی الْحَرْبِ۔ حدیث: ۴۵۴۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی جنگوں میں سے کسی ایک جنگ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کیے جانے کو ناپسند فرمایا۔

عَنْ رَبَاحِ بْنِ رَبِیعٍ، قَالَ: کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی غَزْوَۃٍ فَرَأَی النَّاسَ مُجْتَمِعِینَ عَلَی شَیْءٍ، فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ: انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ ھٰؤُلَاءِ۔ فَجَاءَ فَقَالَ: عَلَی امْرَأَۃٍ قَتِیلٍ، فَقَالَ: مَا کَانَتْ ھٰذِہٖ لِتُقَاتِلَ قَالَ: وَعَلَی الْمُقَدِّمَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیدِ، فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ: قُلْ لِخَالِدٍ لَا یَقْتُلَنَّ امْرَأَۃً وَلَا عَسِیفًا۔ (سنن ابی داود کِتَاب الْجِھَادِ باب فِی قَتْلِ النِّسَاءِ حدیث: ۲۶۶۹) حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز کے پاس اکٹھے ہیں تو ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ''جاؤ دیکھو یہ لوگ کس چیز کے پاس اکٹھے ہیں'' وہ دیکھ کر آیا اور اس نے بتایا کہ لوگ ایک مقتول عورت کے پاس اکٹھا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو ایسی نہیں تھی کہ قتال کرے''۔ مقدمۃ الجیش (فوج کے اگلے حصہ) پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مقرر تھے تو آپ ﷺ نے ایک شخص سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ ہرگز کسی عورت کو نہ ماریں اور نہ کسی مزدور کو۔

حَدَّثَنِی أَنَسُ بْنُ مَالِکٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلَی مِلَّۃِ رَسُولِ اللّٰہِ، وَلَا تَقْتُلُوا شَیْخًا فَانِیًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِیرًا وَلَا امْرَأَۃً وَلَا تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَکُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِینَ۔ (سنن ابی داود کِتَاب الْجِھَادِ باب فِی دُعَاءِ الْمُشْرِکِینَ۔ حدیث: ۲۶۱۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجاہدین کو رخصت کرتے وقت) فرمایا: ''تم لوگ اللہ کے نام سے، اللہ کی تائید اور توفیق کے ساتھ، اللہ کے رسول کے دین پر جاؤ، اور بوڑھوں کو جو مرنے والے ہوں نہ مارنا، نہ بچوں کو، نہ چھوٹے لڑکوں کو، اور نہ ہی عورتوں کو، اور غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور غنیمت کے مال کو اکٹھا کر لینا، صلح کرنا اور نیکی کرنا، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ قَتَلَ فِی حَرَمِ اللّٰہِ أَوْ قَتَلَ غَیْرَ قَاتِلِہٖ أَوْ قَتَلَ بِذُحُولِ الْجَاھِلِیَّۃِ۔ (مسند الإمام أحمد مسند المکثرین من الصحابۃ مسند عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالی عنھما) حضرت عمر بن شعیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ کے نزدیک بدترین فاسق وہ ہیں جو مسجد حرام میں قتل کرتے ہیں، جو اس کو قتل کرتے ہیں جس نے اس سے جنگ نہیں کی، یا وہ جو جہالت کے بدلے میں قتل کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِی شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِنْ أَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ تَعَالَی مَنْ قَتَلَ غَیْرَ قَاتِلِہٖ۔ (المستدرک علی الصحیحین کِتَابُ الْحُدُودِ۔ أَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ مَنْ قَتَلَ غَیْرَ قَاتِلِہٖ۔ حدیث نمبر: ۸۲۲۳) حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جو ان لوگوں کو قتل کرے جنہوں نے اس سے جنگ نہیں کی۔

سنہ آٹھ ہجری میں وہ فاتح اعظم دس ہزار قدوسیوں کے جلو میں فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تو آپ ﷺ کی زبان اطہر سے نکلے ہوئے یہ الفاظ غیر محاربین کے تحفظ کی زندہ اور ابدی مثال بن گئے: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِی سُفْیَانَ فَھُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَلْقَی السِّلَاحَ فَھُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَہُ فَھُوَ آمِنٌ۔ (صحیح مسلم کِتَاب الْجِھَادِ وَالسِّیَرِ باب فَتْحِ مَکَّۃَ۔ حدیث: ترقیم عبدالباقی: ۱۷۸۰ ترقیم شاملہ: ۴۶۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان دی جاتی ہے اور جو ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امان ہے اور جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امان دی جاتی ہے۔''

عن عائشۃ قالت: وُجِدَ فی قائم سیف رسول اللہ ﷺ کتابان: إِنَّ أَشَدَّ الناس عُتوًّا: رجلٌ ضربَ غیرَ ضاربِہ، ورجلٌ قتلَ غیرَ قاتلِہ، ورجلٌ تولّی غیرَ أھل نِعمَتِہ، فمن فعلَ ذلک فقد کفَرَ باللّٰہ ورسولِہ، ولا یُقبل منہ صَرْفٌ ولا عَدْلٌ۔ (المستدرک علی الصحیحین کِتَابُ الْحُدُودِ أَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ مَنْ قَتَلَ غَیْرَ قَاتِلِہٖ حدیث: ۸۲۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے دستے میں دو تحریریں پائی گئیں: ''بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش وہ ہے جو اسے مارے جس نے اسے نہیں مارا، اور وہ جو اسے قتل کرے جس نے (اس کے کسی عزیز کو) قتل نہیں کیا، اور وہ جو اپنے محسنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے وفاداری کا رشتہ جوڑے، تو جس نے ایسا کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اس کا کوئی نفل یا فرض عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔''

اکابرین امت کے اقوال

حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی قیادت میں شام کی طرف لشکر بھیجا، اور روانگی کے وقت انہیں نصیحت فرمائی: إِنَّکَ سَتَجِدُ قَوْمًا زَعَمُوا أَنَّھُمْ حَبَسُوا أَنْفُسَھُمْ لِلّٰہِ، فَذَرْھُمْ وَمَا زَعَمُوا أَنَّھُمْ حَبَسُوا أَنْفُسَھُمْ لَہٗ... وَإِنِّی مُوصِیکَ بِعَشْرٍ: لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَۃً، وَلَا صَبِیًّا، وَلَا کَبِیرًا ھَرِمًا، وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا، وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا، وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاۃً، وَلَا بَعِیرًا إِلَّا لِمَأْکَلَۃٍ، وَلَا تَحْرِقَنَّ نَحْلًا، وَلَا تُغَرِّقَنَّہُ، وَلَا تَغْلُلْ، وَلَا تَجْبُنْ۔ (موطا امام مالک روایۃ یحییٰ، کِتَابُ الْجِھَادِ بَابُ النَّھْیِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ فِی الْغَزْوِ حدیث: ۹۶۸) فرمایا: ''تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے آپ کو خدا کے لیے وقف کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس لیے انہیں ان کے دعوے پر چھوڑ دو... اور میں تمہیں دس باتوں کا حکم دیتا ہوں: عورت کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے کو، نہ کسی بوڑھے کو، اور کسی پھلدار درخت کو مت کاٹنا، کسی بستی کو نہ اجاڑنا۔ کوئی پھلدار درخت نہ کاٹنا، کھانے کی ضرورت کے سوا کسی بھیڑ یا اونٹ کو ذبح نہ کرنا۔ غداری نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔''

حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف اسلامی لشکر کو روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ أُوصِیکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، اغْزُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ، قَاتِلُوا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ؛ فَإِنَّ اللّٰہَ نَاصِرٌ دِینَہُ، وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَجْبُنُوا وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْأَرْضِ، وَلَا تُغْرِقُنَّ نَخْلًا وَلَا تَحْرِقُنَّھَا، وَلَا تَعْقِرُوا بَھِیمَۃً وَلَا شَجَرَۃً تُثْمِرُ وَلَا تَھْدِمُوا بَیْعَۃً۔ (شرح مشکل الآثار الطحاوی۔ أبو جعفر الطحاوی بَابُ بَیَانِ مُشْکِلِ مَا رُوِیَ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - فِی قَطْعِ الْمُسْلِمِینَ نَخْلَ بَنِی النَّضِیرِ وَتَحْرِیقِھَا، وَفِی السَّبَبِ الَّذِی فِیہِ نَزَلَتْ: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِینَۃٍ أَوْ تَرَکْتُمُوھَا قَائِمَۃً عَلَی أُصُولِھَا) یعنی: ''میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو خدا کے منکر ہیں، کیونکہ خدا اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ غبن نہ کرو، خیانت نہ کرو، بزدل نہ بنو، زمین میں فساد نہ کرو، کھجور کے درختوں کو نہ جلاؤ، کسی جانور کو بلاوجہ ذبح نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہ گرانا، اور کسی معبد خانے کو منہدم نہ کرنا۔''

عن ابن عباس: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ یقول: لَا تَقْتُلُوا النِّسَاءَ وَلَا الصِّبْیَانَ وَلَا الشَّیْخَ الْکَبِیرَ وَلَا مَنْ أَلْقَی إِلَیْکُمُ السَّلَمَ وکفَّ یدہ، فإن فعلتم ھذا فقَدَ اعْتَدَیْتُمْ۔ (تفسیر طبری، جلد ۳۔ صفحہ ۵۶۳۔ مکتبہ شاملہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ البقرۃ کی آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں: عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو یا جو تمہارے پاس صلح لے کر آئے اور وہ اپنے ہاتھ کو لڑائی سے روکے، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً تم نے زیادتی کی۔

عن یحیی بن یحیی الغسانی، قال: کتبتُ إلی عمر بن عبد العزیز أسألہُ عن قولہ: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، قال: فکتب إلیّ: إِنَّ ذٰلِکَ فِی النِّسَاءِ وَالذُّرِّیَّۃِ وَمَنْ لَمْ یَنْصِبْ لَکَ الْحَرْبَ مِنْھُمْ۔ (تفسیر طبری، جلد ۳۔ صفحہ ۵۶۲۔ مکتبہ شاملہ) یحییٰ بن یحییٰ غسانی سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا اور ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ''اور اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، لیکن حد سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' انہوں نے جواب دیا: ''یہ عورتوں، بچوں اور ان میں سے اُن لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے آپ کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے۔''

پھر مُرور زمانہ سے اس کامل و اکمل تعلیم پر ذاتی خیالات و بدعات کی دبیز تہ جمتی چلی گئی اور تیرہ صدیاں تاریکی میں بیت گئیں یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے جوش مارا اور اصدق الصادقین کے پیشگوئیوں کے موافق چودھویں صدی کے شروع میں دین کو زندہ کرنے اور شریعت کو قائم کرنے کے لیے باغ ملت میں ایک گل رعنا کھلا، جس نے جنگ و جدال کی بجائے صلح و امن کا سفید جھنڈا کُل عالم میں بلند کیا۔

امام آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''نصاریٰ وغیرہ سے جو خدا نے محبت کرنے سے ممانعت فرمائی تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ نیکی اور احسان اور ہمدردی کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے۔ نہیں بلکہ جن لوگوں نے تمہارے قتل کرنے کے لیے لڑائیاں نہیں کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نہیں نکالا وہ اگرچہ عیسائی ہوں یا یہودی ہوں بے شک ان پر احسان کرو۔ ان سے ہمدردی کرو۔ انصاف کرو کہ خدا ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے۔'' (نور القرآن نمبر ۲، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۳۵)

وہ امام صادق اور حکم عدل فرماتا ہے: ''قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے تلوار سے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جاوے اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ ان سے بے شک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کیا کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (الممتحنۃ: ۹)'' (ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۵، ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

سلطان حرف و حکمت اپنی معرکہ آراء تصنیف چشمہ معرفت میں بیان فرماتے ہیں: ''... اس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لیے تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے اور چوری ڈاکہ میں مشغول رہتے تھے اور یہ جنگ بحیثیت بادشاہ ہونے کے تھا نہ بحیثیت رسالت جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرۃ: ۱۹۱) (ترجمہ) تم خدا کے راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں یعنی دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو اور زیادتی مت کرو۔ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۴۳)

پھر اسی تصنیف لطیف میں تحریر فرماتے ہیں: ''اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف یہی بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی کا اُس وقت گیا تھا جب وہ ناحق قتل کئے جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں حکم دیا مظلوم ٹھیر چکے تھے اور ایسی حالت میں دو صورتیں تھیں یا تو خدا کافروں کی تلوار سے اُس کو فنا کر دیتا اور یا مقابلہ کی اجازت دیتا اور وہ بھی اس شرط سے کہ آپ اُن کی مدد کرتا کیونکہ اُن میں جنگ کی طاقت ہی نہیں تھی۔ اور پھر ایک اور آیت ہے جس میں خدا نے اس اجازت کے ساتھ ایک اور قید بھی لگا دی ہے اور وہ آیت سیپارہ دوم سورۃ البقرۃ میں ہے اور اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ تمہیں قتل کرنے کے لیے آتے ہیں اُن کا دفع شر کے لیے مقابلہ تو کرو مگر کچھ زیادتی نہ کرو اور وہ آیت یہ ہے وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرۃ: ۱۹۱) یعنی خدا کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ لڑو جو لڑنے میں سبقت کرتے ہیں اور تم پر چڑھ چڑھ کے آتے ہیں مگر اُن پر زیادتی نہ کرو اور تحقیقاً یاد رکھو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف پارہ اٹھائیس سورۃ الممتحنہ میں فرمایا ہے لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (الممتحنۃ: ۹) ترجمہ۔ یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین کو نابود کرنے کی غرض سے تمہارے قتل کرنے کے لیے چڑھائی نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن سے نہیں نکالا خدا تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا

کہ تم اُن سے احسان کرو اور اپنے مال کا کوئی حصہ اُن کو دے دو اور معاملات میں اُن سے انصاف کا برتاؤ کرو اور خدا اُن لوگوں سے پیار کرتا ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی احسان اور مروت اور انصاف سے پیش آتے ہیں خاص کر ایسے دشمن جو بہت بہت دکھ دے چکے ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے یعنی پارہ دہم سورۂ توبہ میں۔ وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ۔ (التوبۃ:۶) یعنی اگر لڑائی کے ایام میں کوئی شخص مشرکوں میں سے خدا کے کلام کو سننا چاہے تو اُس کو پناہ دے دو جب تک کہ وہ خدا کے کلام کو سن لے اور پھر اس کو اپنے امن کی جگہ میں پہنچا دو کیونکہ وہ ایک جاہل قوم ہے اور نہیں جانتے کہ وہ کس سے لڑائی کر رہے ہیں۔ اور پھر سورہ حج پارہ سترہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا۔ (الحج:۴۱) (ترجمہ) یعنی اگر خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہ ہوتی کہ بعض کو بعض کے ساتھ دفع کرتا تو ظلم کی نوبت یہاں تک پہنچتی کہ گوشہ گزینوں کے خلوت خانے ڈھائے جاتے اور عیسائیوں کے گرجے مسمار کئے جاتے اور یہودیوں کے معبد نابود کئے جاتے اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے ذکر خدا ہوتا ہے منہدم کی جاتیں۔ اس جگہ خدا تعالیٰ یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا میں ہی حامی ہوں اور اسلام کا فرض ہے کہ اگر مثلاً کسی عیسائی ملک پر قبضہ کرے تو اُن کے عبادت خانوں سے کچھ تعرض نہ کرے اور منع کر دے کہ اُن کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں اور یہی ہدایت احادیث نبویہ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ کوئی اسلامی سپہ سالار کسی قوم کے مقابلہ کے لیے۔ مامور ہوتا تھا تو اُس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور فقراء کے خلوت خانوں سے تعرض نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کس قدر تعصب کے طریقوں سے دور ہے کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں اور یہودیوں کے معبدوں کا ایسا ہی حامی ہے جیسا کہ مساجد کا حامی ہے ہاں البتہ اس خدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فنا ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دے دیا ہے۔'' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۹۲۔ ۳۹۴)

حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ۔ اِنَّمَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ (الممتحنۃ:۹ و ۱۰) ترجمہ۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے لڑے نہیں دین کے مقدمہ میں اور نہ تم کو نکالا تمہارے گھروں سے کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو۔ اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بے شک اللہ پسند کرتا ہے عدل و انصاف کرنے والوں کو۔''

تفسیر۔ جو لوگ تم سے مذہبی عداوت پر نہیں لڑتے۔ اور نہ انہوں نے تم کو جلا وطن کیا۔ ان سے سلوک اور انصاف کے برتاؤ سے اللہ تعالیٰ کبھی منع نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے منصف تو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پیارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی محبت و دوستی سے تم کو منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے مذہبی جنگ کی اور اسلام کے باعث تم سے لڑے اور تم کو جلا وطن کیا۔ اور تمہاری جلا وطنی میں تمہارے دشمنوں کے مددگار ہوئے۔ اور جو ایسے دشمنوں سے پیار کریں وہی ظالم ہیں۔

تارک اسلام آریہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ قرآن کہتا ہے ''مشرک اور کافر ناپاک ہیں ان سے دوستی مت لگاؤ۔'' فرمایا ''منو دھیا نمبر ۲ شلوک نمبر ۱۳۔ جو شخص وید کے احکام کو بذریعہ علم منطق سمجھ کر وید شاستر کی توہین کرتا ہے۔ وہ ناستک یعنی کافر ہے۔ اس کو سادہ لوگ اپنی منڈلی سے باہر کر دیں۔ کافر کا لفظ بعینہٖ مطبوع نول کشور میں ہے۔ پھر ستیارتھ پرکاش سملاس نمبر ۱۰ صفحہ ۳۵۲ فقرہ نمبر ۶ میں ہے کبھی ناستک، شہوت پرست، دغا باز، دروغ گو، خود غرض، فریبی، حیلہ باز وغیرہ بُرے آدمیوں کی صحبت نہ کرے۔ آیت (اہل کمال) یعنی جو سچ بولنے والا دھرماتما اور دوسروں کی بہبودی جن کو عزیز ہے ہمیشہ ان کی صحبت کرنے کا نام سریشٹ آچار (پاکیزہ چلن) ہے۔

ستیارتھ سملاس صفحہ ۶ ستیارتھ صفحہ ۲۱۱ فقرہ ۵۳ ۔منو ۷۔ ۱۹۵، ۱۹۶۔ دشمن کو چاروں طرف محاصرہ کر کے رکھے اور اس کے ملک کو تکلیف پہنچا کر چارہ خوراک۔ پانی اور ہیزم کو تلف و خراب کر دیوے۔ دشمن کے تالاب شہر کی فصیل اور کھائی کو توڑ پھوڑ دیوے۔ رات کے وقت ان کو خوف دیوے اور فتح پانے کی تجاویز کرے او نادان! کیا ناپاک اور بے ایمان اور منکر سے پاک اور ایماندار اور حق کے ماننے والے دلی تعلق پیدا کر سکتے ہیں؟ چیت رامیوں، اگھوریوں، ناستکوں سے اب تجھے تعلق ہو سکتا ہے اور کیا سعید و شقی۔ برے بھلے۔ دیواسرین سنگرام (جنگ) چاہیے۔ یا باہم پریم۔ اے سچائی سے دانستہ دشمنی کرنیوالے فلاح سے کوسوں بھاگنے والے! کبھی تو غور سے کام لے کیا یہ تیرے اعتراض کچھ بھی راستی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور اظہار حق کے لیے ایک اور آیت جو تمہارے اعتراض کی بیخ کنی کر دے تجھ کو سناتا ہوں۔

لَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ۔ اِنَّمَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔

اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ۔ احسان کرو تم ان سے اور انصاف کرو طرف ان کے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

یہ آیت کسی بے قابو مجذوب کا قول نہیں ہے۔ نہ کسی فلسفی کا خام خیال ہے بلکہ یہ اس شخص کا فرمودہ ہے جو ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا جو اتنی قدرت رکھتی تھی اور جس کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جیسے اصول کو چاہتی نافذ کر سکتی تھی۔ اور فرقوں اور اشخاص نے دین میں بھی اور سیاست مدن میں بھی مذہبی آزادی بخشنے کی ترغیب دی ہے مگر اس کے عمل درآمد کی تاکید صرف اس وقت تک کی ہے جب تک وہ خود بے قابو اور کمزور رہے ہیں لیکن شارع اسلام نے مذہبی آزادی کی ترغیب ہی نہیں دی بلکہ اُس کو احکام شریعت میں داخل کر دیا ہے۔ رسولؐ اللہ نے بنی حارث اور بنی نجران کے بڑے اسقف اور اساقفہ کو اور اُن کے مریدوں اور راہبوں کو بایں مضمون لکھا۔ کہ ہر چیز قلیل و کثیر جس حیثیت سے اب تمہارے کنائس اور خانقاہوں میں ہے۔ اُسی حیثیت سے وہ تمہارے پاس باقی رہے گی اور تم اسے اسی طرح کام میں لاؤ جس طرح اب لاتے ہو۔ خود خداوند عالم اور اس کا رسول عہد کرتا ہے کہ کوئی اُسقُفِ اعظم اپنی عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور کوئی اسقف اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا جاوے گا۔ اور ان کی حکومت اور حقوق میں کچھ تغیر و تبدل نہ کیا جائے گا اور نہ اس بات میں کچھ تغیر کیا جاوے گا جو اُن میں مرسوم و مروج ہو اور جب تک وہ صلح و تدین کو اپنا شعار رکھیں گے اُن پر کسی قسم کا جَور نہ کیا جاوے گا نہ وہ کسی پر جور و ظلم کرنے پائیں گے۔

جس زمانہ میں آنحضرتؐ مبعوث ہوئے اُس زمانہ میں مختلف قوموں کے باہمی فرائض کو کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ جب مختلف قومیں یا قبیلے باہم لڑتے بھڑتے تھے تو نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ضعیف آدمی تہ تیغ بے دریغ کئے جاتے اور بے گناہ لونڈی غلام بنائے جاتے اور قوم فاتح قوم مفتوح کے معبودوں یعنی بتوں کو لوٹ لے جاتی تھی۔ تیرہ سو برس کے عرصے میں رومیوں نے ایک ایسا سلسلہ قوانین اختراع کیا تھا۔ جو وسیع بھی تھا اور مضامین عالیہ سے مملو بھی تھا۔ مگر اُس اخلاق اور اُس انسانیت و مروت کو جو ایک قوم کو دوسری قوم سے کرنی چاہیے۔ رومی خاک بھی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ فقط اس غرض سے لڑائیاں لڑتے تھے کہ گردونواح کی قوموں کو مغلوب و مقہور کریں۔ اُن کے نزدیک عہد و پیمان کا نقض کر دینا کچھ بڑی بات نہ تھی بلکہ مصالح وقت پر مبنی تھی۔

دین مسیحی کے جاری ہونے سے بھی ان خیالات میں کچھ تغیر و تبدل نہ ہوا۔ عیسائیوں کے زمانے میں بھی لڑائی میں وہی بے رحمیاں اور وہی قتل اور لوٹ مار ہوتی تھی جو رومیوں کے عہد میں ہوتی تھی اور فاتحین مفتوحین کو بلا تکلف لونڈی غلام بنا ڈالتے تھے اور عہد و پیمان کر کے پھر توڑ ڈالنا بے ایمان سرداران فوج کی رائے پر موقوف تھا۔

الغرض دین مسیحی نے قومی اخلاق کا کچھ تصفیہ نہ کیا۔ اس زمانہ کے محققین مسیحی نے اس قومی اخلاق کے فقدان کو اپنے دین میں ایک نقص عظیم نہیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ نقص اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ ان کا دین ناقص اور ناتمام چھوڑ دیا گیا تھا۔

مذہب پروٹسٹنٹ نے جب فروغ پایا تب بھی علمائے مسیحی کی مذہبی تعدی میں کچھ فرق نہ آیا۔ ہالم صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ''اس مہذب دین (پروٹسٹنٹ) کے مختلف شعبوں اور فرقوں سے اعظم معاصی، یہ معصیت سرزد ہوئی کہ بندگانِ خدا پر دین میں جبر و اکراہ کرتے ہیں۔ اور یہ گناہ ایسا ہے کہ ہر ایک ایماندار آدمی جتنی زیادہ کتب کی سیر کرتا ہے۔ اتنی ہی اس کو ان سے کدورت اور نفرت ہوتی جاتی ہے۔''

الغرض عیسائیوں کے جدید فرقوں میں باہم یا کلیسائے روم سے اعتقاداتِ مذہبی میں کیسا ہی اختلاف عظیم ہو۔ مگر اس باب خاص میں وہ سب متفق الرائے ہیں کہ جو قومیں دین مسیحی کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اُن سے کوئی سلسلہ مواجب و حقوق مشترکہ کا قائم رکھنا یا کسی قسم کا فرض اُن کی نسبت بجالانا حرام مطلق ہے برخلاف دینِ مسیحی کے یہ بات اسلام کی طینت میں داخل نہیں کہ اور اہل مذاہب سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ اس زمانۂ جاہلیت میں جبکہ نصف دنیا پر اخلاقی اور تمدنی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے وہ اصول تمام بنی آدم کی مساوات کے تعلیم فرمائے جن کی قدر اور مذہبوں میں بہت کم کی جاتی تھی۔ چنانچہ وہ لائق مؤرخ (ہالم صاحب) جس کا قول ہم نے پہلے نقل کیا ہے لکھتا ہے کہ ''دین اسلام بندگانِ خدا پر عرض کیا گیا مگر کبھی ان سے جبراً نہیں قبول کرایا گیا۔ اور جس شخص نے اس دین کو بطیب خاطر قبول کیا اس کو وہی حقوق بخشے گئے۔ جو قوم فاتح کے تھے۔ اور اس دین نے مغلوب قوموں کو ان شرائط سے بری کر دیا جو ابتدائے خلقتِ عالم سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ہر ایک فاتح نے مفتوحین پر قائم کئے تھے۔'' ہم اس امر کا قطعی انکار کرتے ہیں کہ اسلام نے کبھی لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہا ہو۔ بلکہ اسلام نے فقط اپنی ذات کی حفاظت کے لیے تلوار پکڑی اور اسی غرض سے شمشیر بکف رہا۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۷۲ تا ۷۵)

مستشرقین کی آرا

فرانسیسی محقق اور انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس (ICRC) کے سابق اعلیٰ عہدیدار ڈاکٹر مارسیل بوازار (Marcel A.Boisard) اپنی کتاب Humanism in Islam میں اسلامی قوانینِ جنگ کے تحت غیر محاربین (سویلینز) کے تحفظ اور جنگی ضوابط پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

“Armed conflicts must also be conducted with propriety: Muslim teaching has developed extremely precise and inhibitive rules for the safety of non-combatants, humane treatment of the vanquished, and protection of the civilian population living in occupied territory.”(Humanism in Islam. Marcel A. Boisard)

خلاصہ: ''مسلح تنازعات بھی شائستگی کے ساتھ لڑے جانے چاہئیں۔ اسلامی تعلیمات نے غیر محاربین کی سلامتی، مغلوب فریق کے ساتھ انسانیت پر مبنی سلوک، اور مقبوضہ علاقے میں رہائش پذیر عام شہریوں کے تحفظ کے لیے انتہائی واضح دقیق اور مؤثر اصول وضع کیے ہیں۔''

ان کی کتاب کا یہی اقتباس اور جائزہ ریڈ کراس کے اپنے آفیشل جنرل International Review of the Red Cross (جلد ۲۰، شمارہ ۲۱۵) کے صفحہ ۱۰۰ پر بھی بعینہٖ شائع کیا گیا ہے۔

برطانوی مصنف اسٹینلے لین پول (Stanley Lane-Poole) اپنی کتاب The Speeches and Table Talk of the Prophet Mohammad کے دیباچے میں رقمطراز ہے:

”The day of Mohammad’s greatest triumph over his enemies was also the day of his grandest victory over himself. He freely forgave the Koreysh... and gave an amnesty to the whole population of Mekka... no house was robbed, no women insulted.” (The Speeches and Table Talk of the Prophet Mohammad by Stanley Lane-Poole.Page xlvii -47)

خلاصہ: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے اپنے دشمنوں پر سب سے بڑی فتح کا دن، درحقیقت ان کی اپنی ذات پر بھی سب سے عظیم فتح کا دن تھا۔ آپؐ نے قریش کو کھلے دل سے معاف کر دیا... اور مکہ کی پوری آبادی کو عام معافی عطا فرمائی... نہ کسی گھر میں لوٹ مار ہوئی اور نہ ہی کسی خاتون کی بے حرمتی کی گئی۔''

حرف آخر

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسل
ترے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

خالق کائنات نے اپنے عبد کامل ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق اس عہد میں اس کے ظلِ کاملؑ کو مبعوث فرمایا۔ اُس امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت وصداقت کو ثابت کیا بلکہ کُل عالم کو ''پیغام صلح'' بھی دیا۔ اُس کی رحلت کے بعد اس کے جانشین اس کے خلفاء اس مقدس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آج صرف خلافت حقہ اسلامیہ ہی ہے جو ظلمتوں کی یورش میں روشنی کا ضمیر بن کر چمک رہی ہے۔ ایک کے بعد دوسرا خلیفہ خداداد بصیرت اور نہایت عمیق نظر سے عالمی سطح کی سیاسی کشمکش کا تجزیہ فرما کر اس کا حل پیش کرتا چلا آرہا ہے۔ ''نظام نَو''ہو یا ''امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ''، ''خلیج کا بحران اور نظام جہانِ نو'' ہو کہ ''عالمی بحران اور امن کی راہ'' عالمی اور بین الاقوامی سطح کے تمام مسائل کا حقیقی، منصفانہ اور بہترین حل ان فرمودات و تحریرات میں موجود ہے۔ اور کھول کر بتایا کہ دنیا کا پائیدار امن، بنی نوع انسان کی حقیقی آزادی اور خوشحالی کا راستہ صرف اور صرف اسلام کا پیش کردہ نظام عدل ہی ہے۔

اسلام کا قانونِ جنگ جسے اصطلاحِ شرع میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کچھ تو خود نام نہاد مسلمانوں کی بداطواریوں، اوچھی ونامناسب حرکات وسکنات، اور ہوش سے زیادہ جوش وجذباتیت کے اظہار، دوسری جانب اعدائے اسلام کی سازشوں، افواہوں اور غلط پروپیگنڈوں اور ان کی جانب سے اس کی غلط توضیح وتشریح اس کے حقیقی مفہوم کو پردۂ خفا میں رکھنے کی وجہ سے معاشرہ کی اصلاح، امنِ عامہ کے قیام اور دنیا سے ظلم وسفاکیت اور فساد وبگاڑ کے دور کرنے میں اس کا حقیقی اور بامعنی کردار نگاہوں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور پروپیگنڈے کے اس دور میں ایک احمدی مسلمان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مختلف ذرائع تشہیر کے ذریعے اسلامی احکام وتعلیمات کے روشن اور تابناک پہلوؤں کا اظہار کرتا رہے، تا کہ رفتارِ زمانہ اور خود مسلمانوں کی غفلت اور نادانی کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات کی خوبیوں پر گردوغبار کی جو دبیز تہ جم چکی ہے اس کی صفائی ہو اور اسلامی تعلیمات کا حقیقی، روشن وتابناک چہرہ دنیا کے سامنے آئے۔

☆...☆...☆

یہ درسِ محمد ﷺ، ہے دنیا کو دینا

یہ جنگ و جدل یہ تباہی کی باتیں
یہ آتش یہ خنجر لڑائی کی باتیں

ہے کیوں قتل و غارت یہ تخریب کیسی
یہ اُجڑی ہوئی سی ہے تہذیب کیسی

ہیں بچوں کی چیخیں جوانوں کی آہیں
بھیانک یہ منظر بھی مانگیں پناہیں

ہُوا کیا کہ انساں ہے انساں کا دشمن
زمیں کیوں بنا دی ہے لاشوں کا مدفن

سنو پھر تماشہ یہ کیوں ہو رہا ہے
زمانہ بھی خاموش کیوں سو رہا ہے

بھلا دی ہے سب نے وہ تعلیمِ قرآں
کہ تھا درگزر عدل و انصاف و احساں

وہ امن و اماں کے پیمبر کا اسوہ ﷺ
وہ ہادی وہ کامل وہ رہبر کا اسوہ ﷺ

جہاں سیف سے پہلے اخلاق بولے
وہاں رحمتوں کے دریچے تھے کھولے

بُجھا دی گئی تھی جو نفرت کی آتش
ہوئی پھر محبت کی شفقت کی بارش

کہا جنگ میں حد سے آگے نہ بڑھنا
نہ بچوں پہ حملہ نہ عورت پہ کرنا

ملے کامرانی تو عاجز ہی بننا
حلیمی کا دامن بھی تھامے ہی رکھنا

امانت تھا مالِ غنیمت کو جانا
تو قیدی کی عزت کو اول تھا مانا

نہ دنیا کی دولت، نہ تھی خواہشِ زر
قناعت کی دولت سے روشن تھا ہر گھر

زمانے کو پھر ہے اسی کی ضرورت
مٹانی جہاں سے ہے ساری کدورت

چلانا ہے دنیا کو پھر راہِ حق پر
اخوت کا پرچم لگانا ہے گھر گھر

نہ بدلے کی چاہت نہ نفرت کا جذبہ
رہے صبر و تقویٰ ہی ہر اک کا رستہ

جہاں میں محبت کو رائج ہے کرنا
یہ درسِ محمد ﷺ، ہے دنیا کو دینا

رضائے الٰہی جو پیشِ نظر ہو
تو قائم زمانے میں امن و ظفر ہو

(منصورہ فضل منؔ۔ قادیان)

اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں فتح و نصرت کے مواقع پر عفو و درگزر

(شہود آصف، استاد جامعہ احمدیہ انٹرنیشنل گھانا)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں اور دوسرے لوگوں پر بکلّی فتح پا کر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دیکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا۔ اور صرف انہیں چند لوگوں کو سزا دی جن کو سزا دینے کے لئے حضرت احدیّت کی طرف سے قطعی حکم وارد ہو چکا تھا۔ اور بجز ان ازلی ملعونوں کے ہر یک دشمن کا گناہ بخش دیا اور فتح پا کر سب کو لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ (یوسف: ۹۳) کہا

انسانی تاریخ کا گہرا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ روزِ اوّل سے ہی طاقت کا حصول اور غلبے کی خواہش انسانی سرشت کا حصہ رہی ہے۔ قدیم زمانے سے فاتح اقوام اپنی قوت کے نشے میں مفتوحین کے ساتھ نہایت سفّاکانہ اور غیر انسانی سلوک کرتی آئی ہیں۔ اپنی ہیبت قائم رکھنے اور بغاوتوں کا سدِباب کرنے کے لیے قتلِ عام، غلامی، خواتین کی بے حرمتی اور اجتماعی سزاؤں کو جائز سمجھا جاتا تھا۔

قدیم آشوری سلطنت (Assyrian Empire) اپنے غیر معمولی مظالم کے لیے بدنام تھی۔ آشوری حکمرانوں کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکست خوردہ اقوام کے ہزاروں افراد کو قتل کرتے، بعض کی زندہ کھال کھینچ لیتے اور ان کے سروں کے مینار تعمیر کرتے تھے۔ خود آشوری بادشاہ اشور ناصر پال دوم (۸۸۳-۸۵۹ قبل مسیح) نے اپنے کتبوں میں مخالفین کے سروں کے ڈھیر لگانے، عبرت ناک سزائیں دینے اور نوجوانوں کو زندہ جلانے کا فخر سے ذکر کیا ہے۔

(Assyrian Royal Inscriptions, V:2 by Albert Kirk Grayson)

یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کے مطابق بعض سیتھیائی (Scythian) قبائل اپنے مقتول دشمنوں کی کھوپڑیوں کو برتنوں کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ (The Histories, Book 4, Ch: 65) مفتوحہ علاقوں کی عورتوں اور بچوں کو غلام اور لونڈی بنانا تقریباً تمام بڑی قدیم سلطنتوں کا معمول تھا۔

منگول فتوحات، خصوصاً چنگیز خان اور اس کے جانشینوں کے دَور میں، وسط ایشیا، خراسان اور بغداد میں بڑے پیمانے پر قتلِ عام ہوا اور مقتولین کے سروں کے مینار تعمیر کیے گئے۔ بعد ازاں تیمور لنگ نے بھی دہلی اور اصفہان سمیت مختلف علاقوں میں ہزاروں کھوپڑیوں کے مینار بنوائے، جن کا ذکر متعدد مسلم اور مغربی مورخین نے کیا ہے۔ (https://www.medievalists.net/2025/06/timur-the-lames-pyramids-of-skulls-terror-as-a-medieval-imperial-strategy)

قبل از اسلام مذاہب کی تاریخ بھی بڑی حد تک اسی طرزِ عمل کی عکاس ہے۔ توریت میں دشمنوں کے بالمقابل قصاص اور بدلہ کی تعلیم موجود ہے۔ جنگ کی صورت میں دشمن کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ مثلاً کتابِ استثناء (باب ۲۰، آیات ۱۶۔۱۷) میں بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا: ''اُن قوموں کے شہروں میں… کسی جیتی جان کو بچا نہ رکھنا… بلکہ انہیں بالکل نیست و نابود کر دینا۔''

اسی طرح کتابِ سموئیل اول میں حضرت سموئیلؑ کے ذریعے شاہ ساؤل کو حکم دیا گیا: ''عمالیق کو مار… اُن پر ترس نہ کھا بلکہ مرد اور عورت، بچے اور شیر خوار، گائے بیل اور بھیڑ بکری، اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال۔'' (سموئیل اول، باب ۱۵، آیت ۳)

دنیا کے دیگر قدیم مذاہب سے وابستہ تاریخی روایات بھی جنگ اور مفتوح اقوام کے ساتھ اسی نوعیت کے طرزِ عمل کی متعدد مثالیں پیش کرتی ہیں۔

تہذیب یافتہ اقوام کے سیاہ کارنامے

اگر ہم عہدِ جدید پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے مادی ترقی اور بین الاقوامی قوانین کی تشکیل میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں، مگر انسانی سرشت کی درندگی آج بھی پوری شدت سے موجود ہے۔ گذشتہ صدی کی دو عالمی جنگوں نے جو تباہی مچائی، وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ جاپان کے دو شہروں پر امریکہ کی جانب سے گرائے گئے ایٹم بموں نے لمحوں میں لاکھوں معصوم جانیں نگل لیں، جبکہ ان کے تباہ کن اثرات آج بھی وہاں کے باشندے بھگت رہے ہیں۔

موجودہ دَور میں غزہ اس ظلم و بربریت کی تازہ مثال ہے۔ اگرچہ حماس کے شدت پسندوں کے حملے میں ناجائز طور پر تقریباً ۱۴۰۰؍افراد ہلاک کیے گئے، لیکن اس کے جواب میں اسرائیلی حکومت اور فوج کی جانب سے جس پیمانے پر تباہی اور بربریّت کا مظاہرہ کیا گیا، اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے جاری جنگ میں غزہ کی شہری آبادی شدید جانی، انسانی اور معاشی تباہی سے دوچار ہوئی ہے۔ اقوامِ متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں کے مطابق جون ۲۰۲۶ء تک ۷۲؍ہزار سے زائد فلسطینی جاں بحق، ایک لاکھ ۷۲؍ہزار سے زائد زخمی اور لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔ (https://www.unrwa.org/resources/reports/unrwa-situation-report-227-humanitarian-crisis-gaza-strip-and-occupied-west-bank)

اسی طرح عراق، لیبیا اور بعد ازاں شام پر امریکی قیادت میں ہونے والے مغربی حملوں نے ان ممالک کو طویل عدم استحکام، خانہ جنگی، دہشت گردی اور معاشی تباہی کی دلدل میں دھکیل دیا۔ لاکھوں جانوں کے ضیاع کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے نام پر عالمی طاقتوں نے ان خِطوں کے وسائل، خصوصاً تیل، پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا، جبکہ مقامی آبادی مزید غربت اور بدحالی کا شکار ہوئی۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک جاری بوسنیائی جنگ کے دوران بوسنیائی مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر نسلی تطہیر، اجتماعی قتل اور جبری نقل مکانی کی گئی۔ جولائی ۱۹۹۵ء میں سریبرینیتسا (Srebrenica) میں آٹھ ہزار سے زائد مسلمان مردوں اور لڑکوں کا قتلِ عام کیا گیا، جسے بین الاقوامی فوجداری ٹریبونل (ICTY) اور اقوامِ متحدہ نے باقاعدہ ''نسل کشی'' قرار دیا۔ یہی ان اقوام کا حقیقی چہرہ ہے جو مہذب اور متمدن کہلاتی ہیں۔

ترقی پذیر دنیا میں ظلم وستم کا تسلسل

ترقی پذیر، خصوصاً افریقی ممالک کی حالیہ تاریخ بھی ظلم و تشدد سے بھری پڑی ہے۔ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۳ء تک لائبیریا دو خونریز خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں رہا، جہاں مختلف مسلّح گروہوں نے قتلِ عام، بچوں کو جبری سپاہی بنانے، خواتین پر جنسی تشدد اور شہری آبادی کو دہشت زدہ کرنے کو جنگی حکمتِ عملی بنایا۔ ان تنازعات میں تقریباً ڈھائی لاکھ افراد ہلاک اور لاکھوں بے گھر ہوئے۔

اسی طرح ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۲ء تک جاری رہنے والی سیرالیون کی خانہ جنگی جدید تاریخ کے سفاک ترین تنازعات میں شمار ہوتی ہے، جہاں باغی گروہوں نے ہزاروں شہریوں کو قتل کیا، اجتماعی عصمت دری کی، بچوں کو زبردستی جنگ میں جھونکا اور ہاتھ پاؤں کاٹنے جیسے ہولناک مظالم ڈھائے۔ مزید برآں، جمہوریہ کانگو میں ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر سے جاری خونریز تنازعات، جنہیں 'افریقہ کی عالمی جنگ' کہا جاتا ہے، آج بھی لاکھوں انسانوں کے لیے ایک مسلسل المیہ بنے ہوئے ہیں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کا ظہور اور عفو و درگزر کی لازوال داستانیں

تاریخِ عالم میں ایک ایسا درخشاں دَور بھی آیا جس نے انسانی تاریخ کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اس دَور نے اخلاق و کردار، عدل و انصاف، عفو و درگزر، محبت و اخوّت اور احسان و اکرام کے ایسے بلند معیار قائم کیے کہ نہ اس سے پہلے کوئی مذہب ان کی مثال پیش کر سکا اور نہ بعد کی عظیم ترین تہذیبیں اور حکومتیں۔ نہ کوئی عادل ترین فرمانروا ایسے نمونے قائم کر سکا اور نہ کوئی عظیم فاتح ان کے قریب پہنچ سکا۔ یہ وہ مبارک دَور تھا جب سرورِ عالم، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپؐ نے انسانیت کو ایسے ابدی اور لازوال اسوے عطا فرمائے جو قیامت تک رشد و ہدایت کا سرچشمہ رہیں گے۔ محبت و اخوّت، عفو و درگزر اور احسان واکرام کے ایسے بے مثال مظاہر دنیا نے دیکھے کہ آج بھی اہلِ فکر و دانش ان پر حیران ہیں۔ لاکھوں کروڑوں درود و سلام ہوں اس رحمتِ دو عالم ﷺ پر جنہوں نے اپنے ماننے والوں پر تو بے شمار احسانات فرمائے ہی، اپنے بدترین مخالفین کو بھی اپنی محبت، سخاوت، عفو اور شفقت سے اس طرح نوازا کہ وہ بھی اس فیض سے مالا مال ہو گئے۔

عام انسانی فطرت یہ ہے کہ فتح کے بعد سب سے پہلا خیال دشمن سے انتقام لینے کا آتا ہے۔ اگر کوئی شخص دشمن کی زیادتی کا اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر کیا گیا ہو تو یہ انصاف ہے، لیکن اگر وہ قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود معاف کر دے تو یہ بلند اخلاق کی علامت ہے۔ اس سے بھی بلند تر مقام یہ ہے کہ معاف کرنے کے بعد اسی دشمن پر احسان اور لطف و کرم کی بارش کر دی جائے۔ یہی خلقِ عظیم اسوۂ محمدی ﷺ کا امتیاز ہے، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔ آپؐ کی محبت، احسان، شفقت اور عفو و درگزر نے ایسے لوگوں کے دل بھی بدل دیے جو اپنے سینوں میں نفرت اور عداوت کے پتھر اٹھائے پھرتے تھے، اور آپؐ کی رحمت نے ان سخت دل دشمنوں کو بھی موم کر دیا جو کبھی آپؐ کا چہرۂ انور دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ اسی خلقِ عظیم کی عملی تفسیر ہے۔ خواہ مکہ میں کمزوری اور مظلومیت کا دَور ہو، مدینہ میں دفاعی جنگوں کا زمانہ، فتوحات و کامرانیوں کے ایام ہوں یا پورے عرب پر غلبہ حاصل ہونے کے بعد اقتدار و اختیار کا مرحلہ، ہر حال میں آپؐ کی زندگی عفو، رحمت، حلم اور حسنِ سلوک کی روشن داستانوں سے عبارت نظر آتی ہے۔ یہی وہ عظیم امتیاز ہے جس نے آپؐ کو نہ صرف ایک فاتح، بلکہ تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا محسن اور سب سے اعلیٰ اخلاقی راہنما بنا دیا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اسلام نے عدل کی تعلیم دے کر انسان کو انصاف کی راہ دکھائی، مگر اس سے ایک بلند تر مقام پر فائز کرتے ہوئے احسان اور عفو کی تلقین بھی فرمائی۔ تاہم حقیقی عفو وہ ہے جو قوّت و اقتدار کے باوجود اصلاح اور خیر خواہی کی نیت سے کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ (الشوریٰ:۴۱)

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص عفو و درگزر کا عظیم خلق عطا فرمایا تھا۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں آپؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''پس اللہ کی رحمت کے باعث تو ان کے لیے نرم ہو گیا، اور اگر تو تُندخو اور سخت دل ہوتا تو وہ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے۔ پس انہیں معاف کر، ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کر۔'' (آلِ عمران: ۱۶۰) یہی عظیم وصف سابقہ صحائف میں بھی بیان ہوا ہے، جہاں آنے والے نبی کی یہ علامت ذکر کی گئی کہ وہ سخت مزاج اور تُندخو نہیں ہو گا۔

نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ سال اس حقیقت پر روشن گواہ ہیں کہ آپؐ نے کفارِ مکہ کی شدید ترین اذیتوں، مظالم اور تکالیف کو نہایت صبر، استقامت اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے صحابۂ کرامؓ کو بھی صبر اور عفو کی تلقین فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا تو آپ ﷺ اور آپؐ کے جانثار صحابہؓ نے اپنے آبائی وطن، گھر بار، جائیدادوں، کاروبار اور حتیٰ کہ اپنے عزیز و اقارب کو بھی اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ

دیا اور ایک اجنبی سرزمین میں جا بسے۔ لیکن وہاں بھی دشمن نے چین سے جینے نہ دیا۔ چنانچہ جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں نے دین کے دفاع اور مظلوموں کی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھائے۔ ان دفاعی جنگوں کے دوران بھی دنیا نے رسولِ اکرم ﷺ کی بے مثال رحمت، شفقت، انسان دوستی اور حسنِ سلوک کے ایسے مناظر دیکھے جن کی مثال تاریخِ جنگ میں نہیں ملتی۔

غزوۂ بدر اور اسیرانِ مکہ سے حسن سلوک

بدر کا دن تاریخِ اسلام میں یوم الفرقان کے نام سے معروف ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ اپنے جانی دشمنوں کے سامنے میدانِ جنگ میں صحیح معنوں میں آمنے سامنے ہوئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں مکہ کے تیرہ سالہ مظالم تازہ تھے۔ حضرت بلالؓ کی اذیتیں، حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ کی شہادت، اور رسول اللہ ﷺ کی مسلسل توہین و ایذا کسی کے ذہن سے محو نہ ہوئی تھی۔ جنگ میں مسلمانوں نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ستر کے قریب دشمن کے آدمی ہلاک ہوئے اور تقریباً اتنے ہی قید ہوئے۔

دشمن قیدی اپنے انجام سے خوف زدہ تھے، مگر رحمتِ عالم ﷺ نے ان کے ساتھ ایسا کریمانہ سلوک فرمایا کہ وہ حیران رہ گئے۔ آپؐ نے انہیں صحابۂ کرامؓ میں تقسیم کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ چنانچہ صحابہؓ انہیں عمدہ کھانا کھلاتے اور خود کھجوروں پر گزارا کر لیتے تھے۔

اسیرانِ بدر کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ تمام دشمنانِ اسلام کو قتل کر دیا جائے، جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور انتقام لینے کی بجائے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جو فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے انہیں بلا معاوضہ چھوڑ دیا گیا، جبکہ لکھنا جاننے والے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مجلد ۲)

غزوۂ بنو مصطلق کے قیدیوں سے حسنِ سلوک

غزوۂ بنو مصطلق ۵ ہجری میں پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بڑی تعداد میں قیدی ہاتھ آئے۔ ان میں قبیلے کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت الحارثؓ بھی شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر نکاح کا پیغام دیا، جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ جب صحابۂ کرامؓ کو اس مبارک رشتے کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہمارے غلام کیسے رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ تمام صحابہؓ نے اپنے حصے کے تمام قیدی بلا معاوضہ آزاد کر دیے۔ اس عظیم حسنِ سلوک نے بنو مصطلق کے دل جیت لیے اور پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔

یہود کی بار بار عہد شکنی کے باوجود عفو و درگزر

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودی قبائل کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے ذریعے انہیں مذہبی آزادی اور شہری حقوق عطا کرتے ہوئے ایک مشترکہ ریاست قائم کی۔ تاہم بدر کے بعد بنو قینقاع نے عہد شکنی اور سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہود سے امن اور صلح کی تمام کوششیں مسترد ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا۔ شکست کے بعد، عرب کے مروّجہ دستور کے برعکس، آپ ﷺ نے عبد اللہ بن اُبی کے اصرار پر ان کی جانیں بخش دیں اور انہیں اپنے اموال کے ساتھ مدینہ چھوڑنے کی اجازت دے دی، حالانکہ اس جرم کی سزا اس وقت کے عربی معاشرے اور یہودی شریعت دونوں میں موت سمجھی جاتی تھی۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مجلد ۲)

بعد ازاں بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ محاصرے کے بعد جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تو آپؐ نے انتقام لینے کے بجائے ان کی جانیں بخش دیں اور دس دن کی مہلت دی کہ اپنا سامان لے کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ روایات کے مطابق وہ اپنے گھروں کی شہتیریں تک نکال کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر)

مدینہ سے نکلنے کے بعد بھی یہود نے خیبر میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں جاری رکھیں اور غزوۂ خندق میں مشرکین کی مالی اور عسکری مدد کی۔ اس کے باوجود جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جلاوطن کرنے کی بجائے ان کی درخواست پر آدھی پیداوار کے عوض زمینیں انہی کے پاس رہنے دیں تاکہ ان کا معاشی نظام برقرار رہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المزارعۃ) یہ عفو و درگزر اور رحم کا ایسا بے مثال نمونہ تھا جس کی مثال فاتحین کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

غزوہ حنین / بنو ہوازن کے قیدی

غزوۂ حنین میں بنو ہوازن کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھ بڑی تعداد میں قیدی اور مالِ غنیمت آیا۔ تاہم رحمتِ عالم ﷺ نے فتح کے فوراً بعد مال تقسیم کرنے کی بجائے اس امید پر انتظار فرمایا کہ شاید بنو ہوازن توبہ کر کے معافی کے خواستگار ہوں۔ سترہ روز تک وہ نہ آئے تو مالِ غنیمت اور قیدی تقسیم کر دیے گئے۔

تقسیم کے اگلے ہی دن بنو ہوازن کا وفد حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہم توبہ کر کے ایمان لے آئے ہیں، مہربانی فرما کر ہمارے قیدی اور مال ہمیں واپس کر دیں۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ کے خاندان کے افراد نے بھی رحم کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تقسیم سے پہلے فیصلہ میرے اختیار میں تھا، لیکن اب قیدی اور مال صحابہؓ کی ملکیت بن چکے ہیں، اس لیے ان کی رضا ضروری ہے۔ پھر آپؐ نے انہیں اختیار دیا کہ یا قیدی واپس لے لیں یا مال، کیونکہ دونوں ایک ساتھ واپس کرنا ممکن نہیں۔ انہوں نے قیدیوں کو واپس لینے کو ترجیح دی۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی توبہ کر کے ایمان لے آئے ہیں۔ اگر تم خوشی سے اپنے قیدی واپس کر دو تو یہ تمہارا احسان ہوگا، اور اگر کوئی اپنے حق سے دستبردار نہ ہونا چاہے تو میں آئندہ مالِ غنیمت سے اس کا بدل ادا کر دوں گا۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہؓ نے بخوشی اپنے حصے کے قیدی واپس کر دیے، اور اس طرح تقریباً چھ ہزار قیدی، غلام اور لونڈیاں بلا معاوضہ آزاد کر دی گئیں۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی)

رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حملوں کے باوجود عفو و درگزر کے بے مثال نمونے

دوسروں پر ہونے والے مظالم کو معاف کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، لیکن اپنی ذات پر ہونے والی زیادتیوں سے درگزر کرنا اعلیٰ ترین اخلاق کی علامت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل) آپؐ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے لیے متعدد حملے کیے گئے، مگر آپؐ نے ذاتی انتقام کی بجائے ہمیشہ عفو و درگزر کا راستہ اختیار فرمایا۔

غزوۂ خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے آپؐ کو زہر آلود گوشت پیش کیا۔ جرم ثابت ہونے کے باوجود آپؐ نے اسے معاف فرما دیا۔ صحابہؓ نے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ (بخاری، کتاب الھبۃ، باب قبول الھدیۃ من المشرکین)

غزوۂ ذات الرقاع میں غورث بن حارث نے آپؐ کو سوتے ہوئے قتل کرنے کی غرض سے تلوار کھینچ لی، لیکن اللہ تعالیٰ کے رعب سے اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ قریش کے اسّی مسلح افراد جبلِ تنعیم سے اتر کر نمازِ فجر کے وقت رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ پر اچانک حملہ کرنے آئے تاکہ آپؐ کو شہید کر دیں، مگر وہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے سب کو معاف کر کے آزاد فرما دیا۔ (سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورۃ الفتح)

ایک مرتبہ ایک یہودی نے سلام کی بجائے ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ'' (تم پر ہلاکت ہو) کہا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں اجازت دی جائے کہ اسے قتل کر دیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اسے قتل نہ کرو۔ (بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب اذا عرض الذمی او غیرہ بسب النبی)

فتح مکہ۔ فاتحانہ اقتدار میں عفو و کرم کی درخشاں مثال

فتح مکہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اسی سرزمین میں انتہائی عاجزی کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے کبھی آپ کو اپنی جان بچاتے ہوئے ہجرت کرنا پڑی تھی۔ آپؐ دس ہزار جان نثار صحابہ کے ساتھ اس قدر انکساری سے شہر میں داخل ہوئے کہ آپؐ کا سر مبارک اونٹ کے کوہان سے لگ رہا تھا۔ قریش اپنے مظالم کو یاد کر کے خوف زدہ کھڑے تھے اور رحمت کی امید لگائے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے آپؐ کے راستوں میں کانٹے بچھائے، پتھر برسائے، اونٹ کی اوجھڑیاں آپؐ کی پشت مبارک پر رکھیں، قتل کی سازشیں کیں اور برسوں آپؐ کو ایذا پہنچاتے رہے۔ آج وہی سب آپؐ کے سامنے مجرم بنے کھڑے تھے۔ مگر رحمتِ عالم ﷺ نے انتقام لینے کے بجائے فرمایا: ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

تاریخِ انسانیت میں کسی فاتح کی زندگی میں عفو و درگزر کی اس سے عظیم مثال نہیں ملتی۔ آج تک کوئی فاتح اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ ایسا کریمانہ سلوک نہ کر سکا۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مجلد ۲)

حضرت حمزہؓ کے قاتل کو معاف فرمانا

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے نہایت محبوب چچا تھے۔ غزوۂ اُحد میں ان کی المناک شہادت نے آپؐ کو گہرے رنج میں مبتلا کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد ان کا قاتل وحشی طائف چلا گیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا طلبگار ہوا۔ آپؐ نے صرف اتنا دریافت فرمایا: ''کیا تم ہی نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟'' اس کے اقرار پر آپؐ کی آنکھیں نم ہوگئیں، مگر اس کے باوجود اسے معاف فرما دیا اور صرف یہ فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو میرے سامنے کم آیا کرو تاکہ مجھے حمزہؓ کی یاد نہ آئے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزۃ بن عبد المطلبؓ)

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو امان

ابو جہل اور اس کا بیٹا عکرمہ اسلام کے بدترین دشمنوں میں شمار ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عکرمہ اپنے جرائم کے خوف سے یمن بھاگ گیا۔ اس کی اہلیہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لیے امان حاصل کی اور یمن جا کر اسے واپس آنے پر آمادہ کیا۔ حاضر ہو کر عکرمہ نے دریافت کیا: کیا واقعی آپ نے مجھے امان دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تمہیں امان دی گئی ہے۔ یہ سن کر عکرمہ نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (السیرۃ الحلبیۃ، لعلامہ ابوالفرج نورالدین، ذکر فتح مکہ شرفھا اللہ تعالیٰ)

اپنی بیٹی کے قاتل کو بھی معاف فرما دیا

ہبار بن الاسود نے ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ پر نیزے سے حملہ کیا تھا، جس سے وہ اونٹ سے گر گئیں، ان کا حمل ضائع ہوگیا اور بعد میں یہی زخم ان کی وفات کا سبب بنا۔ فتح مکہ کے وقت وہ فرار ہوگیا، مگر بعد میں مدینہ آ کر معافی کا طالب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اسے معاف فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا: ہبار! میں نے تجھے معاف کیا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ (سیرت الحلبیہ، جلد ۳)

ہند کے ساتھ حسنِ سلوک

ابو سفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ اسلام کی صفِ اوّل کی دشمن تھی۔ غزوۂ اُحد میں اسی نے حضرت حمزہؓ کی میت کی بے حرمتی کی تھی۔ فتح مکہ کے بعد وہ نقاب اوڑھ کر عورتوں کی بیعت میں حاضر ہوئی۔ گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اسے پہچان لیا اور فرمایا: کیا تم ابو سفیان کی بیوی ہند ہو؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اب میں دل سے مسلمان ہو چکی ہوں، میرے گذشتہ جرائم سے درگزر فرمائیں۔ آپؐ نے اسے معاف فرما دیا۔ آپ ﷺ کے عفو و کرم نے اس کے دل کی دنیا بدل دی اور وہ اسلام کی مخلص خادمہ بن گئی۔

فتح مکہ کے موقع پر معاف کیے جانے والے یہ چند افراد محض مثال ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عفو و کرم سے سینکڑوں دل بدل گئے اور بے شمار سابقہ دشمن اسلام کے وفادار سپاہی بن گئے۔ ان میں ابو سفیان، صفوان بن امیّہ، حویرث بن نقیذ، سہیل بن عمرو، عبد اللہ بن ابی سرح اور زہیر جیسے افراد شامل تھے۔ ثمامہ بن اثال جیسے سرکش سرداروں کو بھی آپ ﷺ نے معاف فرمایا، منافقین کے سردار کے ساتھ بھی آخر دم تک حلم، شفقت اور درگزر کا معاملہ فرمایا۔

دفاعی جنگوں کے دوران رسول خدا ﷺ کے اعلیٰ ترین اخلاق اور عفو و درگزر کے بے مثل نمونوں کی تعریف اسلام کے اشد ترین مخالف بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ مشہور مستشرق Sir William Muir لکھتا ہے: اپنی طاقت کے عروج پر بھی آپ منصف اور معتدل رہے۔ آپ اپنے اُن دشمنوں سے نرمی میں ذرہ بھی کمی نہ کرتے جو آپ کے دعاوی کو بخوشی قبول کر لیتے۔ مکہ والوں ......باقی صفحہ ۱۸ پر......

جنگوں میں بھی سرکارؐ کی تعلیم ملی ہے

سلطانِ دو عالم کا ہر اک وصف جلی ہے
جنگوں میں بھی سرکارؐ کی تعلیم ملی ہے

آقاؐ نے سکھائی ہے ہمیں رسمِ شجاعت
میدان میں قائم رہی اخلاق کی عظمت

دشمن پہ بھی آقاؐ نے کبھی ظلم نہ ڈھایا
تلوار اٹھانے کا سلیقہ بھی سکھایا

پامال نہ کرنا کبھی لاشوں کی قبا کو
مایوس نہ کرنا کبھی خالق کی رضا کو

وحشت کا مٹایا ہے جہاں سے جو فسانہ
تصویرِ محبت ہے محمدؐ کا زمانہ

تاریخ جہاں ڈھونڈے گی کیا ایسا سپاہی؟
جس نے نہ مچائی کبھی میداں میں تباہی

فرمانِ نبیؐ ہے یہ، سنو لشکرِ اسلام!
کردار سے اپنے نہ کرو دین کو بدنام

بیمار پہ، معذور پہ تلوار نہ آئے
جو گوشہ نشیں ہو وہ کبھی دُکھ نہ اٹھائے

گر خوف سے دشمن بھی پکارے شہِ دیں کو
رحمت کی قبا ڈھانپ لے اُس دشتِ زمیں کو

کافر بھی اگر وعدہ کرے، تم نہ مکرنا
ایمان کا شیوہ ہے عداوت سے نہ ڈرنا

مسمار نہ کرنا کبھی دشمن کے مکانات
پامال نہ ہوں کھیتیاں اور باغ و نباتات

جو پیڑ بھی سایہ دے اسے تم نہ گرانا
سیراب زمینوں کو کبھی تم نہ جلانا

یاربّ! ہمیں اِس دین کی راہوں پہ رواں کر
سرکارؐ کی تعلیم سے ہر قلب جواں کر

بشریٰ کو شہِ دیں کی شریعت نے ہی پالا
طوفانِ عداوت کو محبت میں ہے ڈھالا

(بشریٰ سعید عاطف۔ مالٹا)

بقیہ: اسلام۔حقوقِ انسانی کا علمبردار......از صفحہ نمبر ۳۴

ہو تو خوب جم کر لڑو اور ظالموں کو قتل کرو اور جب اچھی طرح جنگ ہو لے تو اس کے بعد دشمن کے آدمیوں میں سے قیدی پکڑو۔ پھر اگر اصلاح کی امید ہو اور حالات مناسب ہوں تو اُن قیدیوں کو بعد میں یونہی احسان کے طور پر چھوڑ دو یا مناسب فدیہ لے کر انہیں رہا کر دو اور اگر ضروری ہو تو اُنہیں قید میں ہی رکھو، حتیٰ کہ جنگ ختم ہو جائے۔

یہ آیت جنگی قیدیوں کے متعلق اسلامی شریعت میں بطور بنیادی پتھر کے ہے، جس میں وہ مختلف صورتیں بتادی گئی ہیں جو قیدیوں کے معاملہ میں مختلف حالات کے ماتحت اختیار کی جاسکتی ہیں۔ (سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۴۱۱۔۴۱۲)

کفار مکہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے رہے لیکن جب مکہ کی فتح کا بگل بجا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کی فتح و کامرانی عطا فرمائی تو ہمارے آقا و مولیٰ کا اہلِ مکہ کے ساتھ حُسنِ سلوک دیکھنے کے قابل تھا۔ کیسا دلآویز اور شاندار منظر ہو گا جب اسلامی لشکر رسولِ خدا ﷺ کی قیادت میں مظفر و منصور فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو وہی اکابرینِ مکہ اور ظلم وستم ڈھانے والے لوگ آپؐ کے حضور پیش کیے گئے۔ آپؐ اُس وقت ان کے متعلق جو سخت سے سخت فیصلہ فرماتے، اُس پر دنیا کا کوئی امن پسند اور منصف مزاج اعتراض نہ کرسکتا۔ مگر آپؐ نے اُن لوگوں کو کوئی سزا دینا تو دُور کی بات۔ اُن کو لعنت ملامت کرنا بھی پسند نہ فرمایا اور صاف فرمادیا کہ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡھَبُوۡا اَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ کہ جاؤ تم سے کوئی باز پُرس نہیں کی جاتی، تم سب آزاد ہو۔ (سیرت ابن ہشام، جلد ۴؛ البدایہ والنہایہ، جلد ۴)

چنانچہ یہ وہ بہترین سلوک تھا جو رحمة للعالمین ﷺ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ فرمایا اور اُس صورت میں کیا، جب آپؐ کی حیثیت ایک فاتح کی تھی۔ یہ ہیں وہ حقوقِ انسانی جن کا اسلام علمبردار ہے اور اِس ضمن میں رسول کریم ﷺ کے پاکیزہ اُسوہ حسنہ کی شاندار مثال ہے۔ تاریخ عالم میں فاتحین کی جانب سے ایسی مثال بہت کم ملتی ہے۔ الغرض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی حالات میں انسانی حقوق کے جو اصول قائم فرمائے، وہ انسانی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ الغرض آپ ﷺ نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، قیدیوں، مذہبی شخصیات اور عام شہریوں کے حقوق کی حفاظت کو یقینی بنایا، ماحولیات اور املاک کے تحفظ کی تعلیم دی، عہد و پیمان کی پابندی پر زور دیا اور دشمنوں کے ساتھ بھی رحم و انصاف کا سلوک فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی جنگی تعلیمات آج بھی بین الاقوامی انسانی قانون اور انسانی حقوق کے اصولوں کے لیے ایک روشن مینار اور قابلِ تقلید نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

اسلام دشمنی کی حالت میں بھی انصاف کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ (المائدہ:۹) اے ایماندارو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے ایستادہ ہو جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اِس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو، وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے یقیناً آگاہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اِس قرآنی تعلیم کو عملی طور پر نافذ کر کے ثابت فرمایا کہ جنگ بھی انصاف کے اصولوں سے بالاتر نہیں ہوسکتی۔

قیدیوں کے حقوق کے حوالے سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ مزید فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی طرف سے تاکیدی حکم تھا کہ جب تک عملاً لڑائی نہ ہو لے، قیدیوں کو نہ پکڑا جائے۔ یہ نہیں کہ دشمن کو دیکھا اور کمزور پا کر قیدی پکڑنے شروع کر دیے۔ حکم تھا کہ جو قیدی پکڑے جائیں اُنہیں بعد میں حسبِ حالات یا تو بطور احسان کے یونہی چھوڑ دیا جاوے یا اگر ضروری ہو تو قید میں رکھا جاوے۔ مگر یہ قید اُس وقت تک رہ سکتی ہے کہ جب تک جنگ جاری رہے۔ اِس کے بعد نہیں۔ قیدیوں کے ساتھ نہایت درجہ نرمی اور شفقت کے سلوک کا حکم تھا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم صحابہؓ کو خود اپنے آرام کی نسبت بھی قیدیوں کے آرام کا خیال زیادہ رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ بھی حکم تھا کہ جو قیدی آپس میں قریبی رشتہ دار ہوں اُن کو ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ کیا جاوے۔ (جامع ترمذی، ابواب السیر) (سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۳۱۹)

آخر پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسلام کے اِن سنہری اصولوں اور حقوقِ انسانی کے پائدار قوانین کو جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے نافذ فرمائے تھے، تمام دنیا کے مسلمانوں اور غیروں کو اپنانے اور اِن کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ انہی روشن اصولوں اور اُن حقوقِ انسانی کو جن کا علمبردار اسلام ہے، امیر المومنین حضرت خلیفة المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی عظیم قیادت میں لے کے آگے بڑھ رہی ہے اور چاہتی ہے کہ پوری دنیا میں امن قائم ہو جائے۔ خدائے واحد کی شریعت، آنحضرت ﷺ کے احکامات و ارشادات اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی تعلیمات دنیا بھر میں نافذ ہوں تا کہ دنیا بھر کے باسی چین وسکون کی سانس لیتے ہوئے امن و امان اور شانتی و آشتی کے ماحول میں زندگی گزار سکیں آمین یا رب العالمین۔

☆...☆...☆

ربوہ کا موسم (۱۰تا۱۶؍جولائی ۲۰۲۶ء)

۱۰؍جولائی جمعة المبارک کو فجر کے وقت ہلکی ہوا رواں دواں تھی۔ جونہی سورج کچھ اونچا ہوا تو گرمی بڑھنا شروع ہوگئی، تاہم ہلکی ہوا جاری تھی۔ آسمان صاف تھا، سورج اپنی آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ہفتہ کو صبح کے وقت ہوا بالکل بند تھی لیکن خنکی ہونے کی وجہ سے ٹھنڈک بنی ہوئی تھی۔ سارا دن دھوپ کی وجہ سے زوروں پر گرمی پڑتی رہی۔ تاہم قبل از دوپہر اچانک بادل اٹھے اور کچھ دیر بعد دو گھنٹے تک موسلا دھار برستی رہی۔ اتوار کو ہلکی ٹھنڈی ہوا دن بھر چلتی رہی۔ سوموار کو آسمان بادلوں سے خالی ہونے کی وجہ سے دھوپ جوبن پر چمکتی رہی۔ منگل کو فجر کے وقت ہوا بند تھی۔ بادلوں کی ہلکی تہ بھی دن بھر چھائی رہی، جس سے سورج پوری طرح زمین پر دھوپ نہ بکھیر سکا۔ نماز مغرب کے لگ بھگ دو تین گھنٹے کے لیے تیز اور مُوسلا دھار بارش برستی رہی۔ بدھ کو ہوا چلنے سے موسم کچھ بہتر تھا لیکن جمعرات کو بعد دوپہر ہوا بالکل بند رہی۔ اس ہفتے کا اوسط ٹمپریچر زیادہ سے زیادہ ۴۱؍ اور کم سے کم ۳۲؍ درجہ سینٹی گریڈ رہا۔ (ابو سدید)

اسلام میں جنگی جرائم کی ممانعت
اور موجودہ دَور کے جنگی جرائم سے موازنہ

(میم ۔الف۔شہزاد)

آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی کہ جنگ میں صرف ان لوگوں سے لڑنا ہے جو کہ جنگ میں براہ راست شامل ہوئے ہیں۔ آپ نے بڑا واضح حکم دیا کہ کسی بھی معصوم شخص پر ہرگز حملہ نہ کیا جائے۔ نہ ہی کسی عورت، بچے اور معمر شخص پر حملہ کیا جائے۔ آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ کسی بھی مذہبی راہنما یا پادری کو اس کی عبادت گاہ میں نشانہ نہ بنایا جائے۔ مزید آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی کہ کسی بھی شخص کو جبری مسلمان نہ بنایا جائے (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ)

انسانی تاریخ کا کوئی دَور جنگوں کے حالات اور انسانوں کے باہمی اختلافات سے خالی نہیں۔ ہمیشہ ہی اخلاقی ضابطوں اور قوانین کو پامال کیا گیا اور ایسے سنگین جنگی جرائم کا ارتکاب کیا گیا جن کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس کرۂ ارضی پر لڑی جانے والی اکثر و بیشتر جنگوں میں نہ کسی اخلاقی ضابطے کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ کسی قانون واصول کی پاسداری کا خیال ذہن انسانی میں آتا ہے، بلکہ ان جنگوں کے ذریعے کائنات انسانی کو فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنادیا جاتا ہے اور مدمقابل اقوام اور ملکوں کے انسانوں کو بے دریغ تہہ تیغ کر دیا جاتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں مخصوص رنگ و نسل اور جنس و علاقے کے رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے یہاں جنگ کے اغراض ومقاصد کا وجہ جواز کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کن حالات میں جنگ کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اور کن مواقع پر جنگ کی اجازت نہیں ہے؟ کیا کمزور انسانوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے جنگ کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ قرین انصاف ہے کہ جب جی چاہا اپنے جابرانہ نظام کے تسلط کے لیے کسی بھی ملک کی سرحد میں فوجیں اتار دیں؟ ان تمام سوالوں کا تشفی بخش جواب انسانی قوانینِ جنگ میں نہیں مل سکتا۔ اس کے بالمقابل دین اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ اسلام نے جنگ کے اصول وضابطے مقرر کیے ہیں۔ ان کا پاس ولحاظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ان اصول و قواعد کی پاس داری سے کسی کو مفر نہیں ہے، کیونکہ اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کے لیے جب جنگ ناگزیر ضرورت بن جائے تو تلوار اٹھانے والوں کو کھلی چھوٹ نہیں مل جاتی، بلکہ حدود وقیود میں رہ کر فتنہ وفساد، سفّاکیت ودرندگی اور ظلم وجور کے سدباب کے لیے اپنی طاقت وقوت کا استعمال بجا قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اعزاز تو صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے جنگ وجہاد کے واضح مقاصد متعین کیے اور اس کے آداب واصول مرتب کیے اور بلاجواز قتل وخون ریزی کو سنگین جرم قرار دیا۔ کسی مسلمان فرد یا اسلامی حکومت کو ان بنیادی اصول وضوابط میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قوانین ہمہ گیر اور دائمی نوعیت کے ہیں۔ نامور مصری عالم پروفیسر محمد قطب لکھتے ہیں کہ ''اسلام کی یہ جنگیں کسی فوجی قائد کی خودغرضی اور ہوسِ ملک گیری کی پیداوار نہیں تھیں، اور نہ ان کے پیچھے دوسروں کو غلام بنانے کا جذبہ کارفرما تھا، بلکہ یہ جنگیں محض خدا کے لیے لڑی گئیں اور ان کا اصل مقصد رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ تھا، مگر بات صرف جذبے پر ہی ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ اس نے ان جنگوں کے لیے باقاعدہ اصول و قوانین بھی مقرر کیے''۔ (اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، صفحہ ۹۰) اسلام نے آکر جنگ وجدل اور اختلافات کو کچھ حدود وقیود کا پابند بنایا اور اس کے پیروکاروں نے ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کا پاس رکھا ہے اور رہتی دنیا کے لیے لازوال مثالیں چھوڑی ہیں۔ بین الاقوامی طور پر بھی امن وسلامتی کے لیے مختلف نوعیت کے معاہدات اور کنونشنز منعقد ہوئے ہیں۔ جن میں مختلف قوانین کو ترتیب دیا گیا ہے۔ لیکن ہمیشہ ہی ان قوموں نے اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی سنگین خلاف ورزی کی ہے اور ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

جنگ کی اجازت اور ضرورت

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے ایک سال بعد ۱۲؍صفر سنہ ۲؍ہجری میں سورۃ الحج کی آیات ۴۰-۴۱ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ ۣالَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ۔ ترجمہ: اُن لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جارہا ہے (قتال کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اور یقیناً اللہ اُنکی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (یعنی) وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے۔ اور اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کا دفاع اُن میں سے بعض کو بعض دوسروں سے بِھڑا کر نہ کیا جاتا تو راہب خانے منہدم کر دیئے جاتے اور گرجے بھی اور یہود کے معابد بھی اور مساجد بھی جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور یقیناً اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔

یہ آیت کریمہ جو جہاد بالسیف کے متعلق سب سے پہلی آیت ہے کمال صفائی کے ساتھ یہ بتارہی ہے کہ ان جنگوں میں ابتداکفار کی طرف سے تھی جو اسلام کو بزور مٹانا چاہتے تھے اور مسلمان مظلوم تھے اور انہوں نے محض خود حفاظتی اور دفاع میں تلوار اٹھائی تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں کو دفاعی جنگوں کی اجازت دے کر اپنی نصرت کا وعدہ فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جو جنگیں لڑی گئیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسلام کی لڑائیاں تین قسم سے باہر نہیں۔ ۱۔ دفاعی طور پر یعنی بطریق حفاظت خود اختیاری۔ ۲۔ بطور سزا یعنی خون کے عوض میں خون۔ ۳۔ بطور آزادی قائم کرنے کے یعنی بغرض مزاحموں کی قوت توڑنے کے جو مسلمان ہونے پر قتل کرتے تھے۔ (مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۲)

جنگی جرائم

جنگی جرائم سے مراد جنگ کے قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی اور ایسے اقدامات ہیں جن سے بنیادی انسانی حقوق غصب ہوں، جیسے: قتل و غارت گری، ناروا سلوک، سول آبادی کو نشانا بنانا، مفتوحہ علاقے کی تباہی و بربادی، جنگی قیدیوں کا قتل، یرغمالیوں کا قتل، لوگوں کی جائیداد کی لوٹ مار، شہروں، قصبوں، دیہاتوں کی تباہی و بربادی، مفتوحین کو اپنی خدمت پر مجبور کرنا، عصمت دری کرنا، مثلہ کرنا، کیمیاوی گیس وممنوعہ ہتھیاروں کا استعمال، پھانسیاں اور عمر قید، قومی وملکی معیشت پر قبضہ، بلاجواز اور بلااشتعال حملے، غیر محارب معصوم لوگوں کو نشانہ بنانا، جانی و مالی نقصان پہنچانا، قدرتی وسائل پر غاصبانہ قبضہ، خوارک، ادویات اور راستوں کی بندش، مسافروں اور راہ گیروں کو نشانہ بنانا، عبرتناک غیر انسانی سلوک، صرف اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے حملے کرنا، عسکری برتری ظاہر کرنے کے لیے حملے کرنا، سکولوں، ہسپتالوں کو تباہ کرنا، معصوم بچوں، عورتوں اور معمر افراد کا قتل، رہائشی مکانوں اور عمارتوں کو مسمار کرنا، دہشت اور دبدبہ قائم کرنا، نسلی، قومی، ملکی اور مذہبی تعصب و اختلاف کی وجہ سے قتل کرنا، آزادیٔ رائے کی بندش، ہائبرڈ حملے، سائبر حملے، میڈیا حملے، بائیولوجیکل حملے اور اکنامک حملے وغیرہ جیسی بے شمار شکلیں ہیں۔

ظلم وبربریت اور فساد کی ممانعت

جنگ نام ہی وحشت وبربریت اور قتل وغارت گری کا ہے۔ جب فاتح اقوام کسی شہر یا ملک میں داخل ہوتی ہیں تو سفّاکی اور درندگی کی تمام حدیں پار کرجاتی ہیں۔ انسانی خون ندیوں کی صورت میں بہایا جاتا ہے حتیٰ کہ معصوم بچے، بوڑھے، بیمار اور عورتوں تک کی جان اور عزت محفوظ نہیں رہتی۔ مفتوح اقوام کے گھر بار اور کاروبار تباہ وبرباد کر کے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی ہے اور اُن کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک رَوا رکھا جاتا ہے۔ یہ ماضی بعید کے قصے یا باتیں نہیں بلکہ آج بھی اہل دنیا اسی سوچ اور خود ساختہ اُصول پر کارفرما ہے۔ آج بھی جن کے پاس طاقت ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے لیے اُصول و قواعد بنانا اور اُن پر عمل کروانا گویا صرف اُنہی کا حق ہے۔ قرآن کریم ایسے ہی جنونیوں کے بارے میں فرماتا ہے: قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡہَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَہۡلِہَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَکَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ۔ (النّمل:۳۵) یقیناً جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس کے باشندوں میں سے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

چنانچہ جنگ عظیم اوّل اور دوم کی تباہ کاریاں، جاپان کے انڈونیشیا پر خوفناک اور انسانیت سوز مظالم، ویتنام اور بوسنیا میں وحشت وبربریت کی داستانیں اور پھر افریقی ممالک میں ہونے والی جنگوں کے المناک واقعات کو تاریخ کیسے فراموش کی سکتی ہے۔ اسی طرح ایران اور عراق جنگ، عراق اور کویت جنگ، عراق پر امریکہ اور اتحادیوں کی چڑھائی، شام، لیبیا اور افغانستان پر مسلط کی جانے والی جنگیں، روس اور یوکرین کی جنگ، اسرائیل، امریکہ اور ایران کی جنگ اور خاص طور پر گذشتہ چند سالوں سے جاری معصوم فلسطینیوں اور لبنانیوں پر اسرائیل کی جانب سے مسلط کی گئی جنگ کو دیکھیں تو وحشت وبربریت کی اُنہیں داستانوں کو آج پھر دہرایا جارہا ہے۔ اس کے بالمقابل اسلام نے حالت امن اور حالت جنگ ہر دو صورتوں میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات سے نہ صرف منع کیا ہے بلکہ ہمارے آقا وہادی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیا ہے کہ امن ہو یا جنگ، مشکلات کا سامنا ہو یا مصائب کا زمانہ ہر حالت میں ہر انسان کی جان و مال اور عزت وآبرو کا خیال رکھا جائے اور انہیں کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دی جائے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان کو ایک جنگی مہم پر روانہ کرتے ہوئے جنگوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ کی تعلیم کو خلاصۃً بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے یزید! مَیں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، اس کی اطاعت کرنے، اس کی خاطر ایثار کرنے اور اس سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ جب دشمن سے تمہاری مڈھ بھیڑ ہو اور اللہ تمہیں فتح نصیب کرے تو تم خیانت نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا یعنی لوگوں کی، مقتولوں کی شکلیں نہ بگاڑنا اور تم بدعہدی نہ کرنا اور نہ ہی بزدلی دکھانا اور کسی چھوٹے بچے کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی بوڑھے کو اور نہ ہی کسی عورت کو اور نہ کھجور کے درخت کو جلانا اور نہ ہی انہیں تباہ وبرباد کرنا اور کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔ تم کسی جانور کو ذبح نہ کرنا سوائے کھانے کے لیے۔ بلاوجہ جانوروں کو بھی ذبح نہیں کرنا یا مارنا نہیں۔ اور تم کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے آپ کو گرجوں میں وقف کر رکھا ہوگا، پس تم انہیں اور اس چیز کو جس کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہوگا چھوڑ دینا۔ یعنی جو راہب ہیں، گرجوں کے پادری ہیں ان کو کچھ نہیں کہنا۔ (اصحاب بدر جلد دوم صفحہ ۳۲۷ تا۳۲۸)

مصنفہ روتھ کرینسٹین (Ruth Cranston) جنگوں کے دوران آنحضرت ﷺ کے پاکیزہ اسوہ اور عیسائیوں کے نمونہ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ’’محمد عربی (ﷺ) نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ ہر جنگ جو انہوں نے لڑی، مدافعانہ تھی۔ وہ اگر لڑے تو اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لیے اور ایسے اسلحے اور طریق سے لڑے جو اُس زمانے کا رواج تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ چودہ کروڑ عیسائیوں میں سے [یہ کتاب ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھی] جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انسانوں کو ایک بم سے ہلاک کر دیا ہو، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو ایک ایسے لیڈر پر شک کی نظر ڈال سکے جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سو افراد کو تہ تیغ کیا ہو۔ عرب کے نبی کے ہاتھوں ساتویں صدی کے تاریکی کے دَور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہوں، ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس بیان کی تو حاجت ہی نہیں جو قتل انکویزیشن (Inquisition) اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں پھر رہے تھے۔‘‘ (World Faith by Ruth Cranston, Haper and Row Publishers, New York, 1949, page155)

دشمن کو باندھ کر ہلاک کرنے کی ممانعت

آج کی مہذب دنیا میں دشمن کے ساتھ ناروا اور غیر انسانی سلوک کرنے کو معیوب اور باعث شرم و عار نہیں سمجھا جاتا بلکہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کو فتح و کامرانی کے نشے میں روا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے دل دوز مناظر اور اذیت ناک سلوک، دل خراش والم ناک داستانیں امن عالم کے ٹھیکے داروں کے دعووں کو کھوکھلا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اسلام ان تمام معاندِ انسانیت رویوں کو بہ نظر استحقار دیکھتا ہے اور دشمن پر قابو پا لینے اذیتیں دے دے کر ہلاک کرنے سے اپنے پیروکاروں کو سختی سے منع کرتا ہے۔ اور اسے انتہائی معیوب و مذموم جرم قرار دیا ہے۔ عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبد الرحمٰن بن خالدؓ کے ساتھ جنگ پر گئے تھے۔ ایک موقع پر ان کے پاس لشکرِ اعدا میں سے چار نوجوان پکڑے ہوئے آئے۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ انہیں باندھ کر قتل کیا جائے۔ اس کی اطلاع حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ہوئی تو اُنہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے باندھ کر قتل کرنے سے روکا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے باندھ کر قتل نہ کرتا۔ عبد الرحمٰنؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کے کفارہ میں چار غلام آزاد کیے۔ (سنن کتاب الجهاد، باب فی قتل الاسیر بالنبل)

قیدیوں سے بدسلوکی کی ممانعت

بین الاقوامی انسانی حقوق کا شور وغل بلند کرنے والوں نے عہدِ جدید میں قیدیوں سے ایسا ظالمانہ اور سفّاکانہ رویّہ اختیار کیا کہ خدا کی پناہ۔ قیدیوں کے جسمانی اعضاء کاٹنا، برہنہ کرکے تشدد کرنا، برقی جھٹکے لگانا وغیرہ جیسے شرمناک افعال اور ناروا سلوک کا ذکر زبان زد خاص و عام ہے۔ قیدیوں کے ساتھ سلوک کے معاملے کو ہیگ کنونشن ۱۹۰۷ء اور جنیوا کنونشنز ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۹ء میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اس قانون پر آج تک عمل درآمد نہیں ہوا۔

اسلام میں جنگوں کے دوران دشمن کے جتنے افراد قیدی بنتے ان سے حسن سلوک کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی ہوئی تھی کہ قیدیوں کے آرام کا اپنے آرام سے زیادہ خیال رکھا جائے۔ (ترمذی ابواب السیر) جو قیدی پکڑے جائیں اُن میں سے جو قریبی رشتہ دار ہوں اُن کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔ (ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی التفریق بین الصبی)

اسیرانِ بدر کو آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو کھانے کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ صحابہؓ خود کھجوروں پر گزارا کرتے لیکن اپنے قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔ (سیرت ابن ہشام جزء۱ صفحہ ۳۹۴) حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ماں شریک بھائی ابوعزیز کہتے ہیں: ’’مَیں بدر کے قیدیوں میں انصار کے حصہ میں تھا، وہ لوگ آپ ﷺ کے اس حکم کی وجہ سے صبح وشام مجھے روٹی کھلاتے، جب کہ خود کھجور کھاتے تھے۔‘‘ (المعجم الكبير للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۷۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھیں انسانی ہمدردی کی انتہا۔ آپ ﷺ ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دشمن کے منہ پر زخم نہیں لگانا۔ کوشش کرنی ہے کہ دشمن کو کم از کم نقصان پہنچے۔ قیدیوں کے آرام کا خیال رکھنا ہے۔ غالباً جنگ بدر کے ایک قیدی نے بیان کیا کہ جس گھر میں وہ قید تھا اس گھر والے خود کھجور پر گزارا کرتے تھے اور مجھے روٹی دیا کرتے تھے اور اگر کسی بچے کے ہاتھ میں بھی روٹی آ جاتی تھی تو مجھے پیش کر دیتے تھے۔ اس نے ذکر کیا کہ مَیں بعض دفعہ شرمندہ ہوتا تھا اور واپس کرتا تھا لیکن تب بھی (کیونکہ یہ حکم تھا، اسلام کی تعلیم تھی) وہ باصرار روٹی مجھے واپس کر دیا کرتے تھے کہ نہیں تم کھاؤ۔ تو بچوں تک کا یہ حال تھا۔ یہ تھی وہ سلامتی کی تعلیم، امن کی تعلیم، ایک دوسرے سے پیار کی تعلیم، دوسروں کے حقوق کی تعلیم جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت میں قائم کی۔ اور بچہ بچہ جانتا تھا کہ اسلام امن وسلامتی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ... پھر اس امن کو قائم کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر جنگی قیدیوں کے ساتھ کوئی مسلمان زیادتی کا مرتکب ہو تو اس قیدی کو بلا معاوضہ آزاد کر دو۔ ... پھر قیدیوں سے حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم ہے کہ اگر کسی قیدی کو یا غلام کو فدیہ دے کر چھڑانے والا کوئی نہ ہو اور وہ خود بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو فرمایا وَالَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّاٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰکُمۡ (النور: ۳۴) یعنی تمہارے غلاموں یا جنگی قیدیوں میں سے جو تمہیں معاوضہ دینے کا تحریری معاہدہ کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ کہ ان میں یہ صلاحیت ہے، ان کو کوئی ہنر آتا ہے کہ وہ اس معاہدے کے تحت کوئی کام کرکے اپنی روزی کما سکتے ہیں تو تحریری معاہدہ کر لو اور ان کو آزاد کر دو اور وہ مال جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے بھی کچھ انہیں دو۔ یہ جو جنگوں کا خرچ ہے کیونکہ اس وقت انفرادی طور پر پورا کیا جاتا تھا تو جس مالک کے پاس وہ غلام ہے وہ اس کا کچھ خرچ برداشت کرے یا وہ نہیں کرتا تو مسلمان اکٹھے ہو کر اس کے لیے سامان کر دیں اس طرح اس کو آزادی مل جائے یا لکھ کر آزادی مل جائے یا اگر اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی اپنے پاس سے پوری کر دو تا کہ وہ آزادی سے روزی کما سکے اور اس طرح معاشرے کا آزاد شہری بنتے ہوئے ملکی ترقی میں بھی شامل ہو سکے کیونکہ اس کا ہنر اس کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ملک کے بھی کام آ رہا ہو گا۔ تو یہ ہے اسلام کی خوبصورت تعلیم جو ہر پہلو سے ہر طبقے پر سلامتی بکھیرنے والی ہے۔ ہر ایک کو آزادی دلوانے والی ہے‘‘۔ (خطبہ جمعہ ۲۹؍جون ۲۰۰۷ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۰؍جولائی ۲۰۰۷ء) جو قید میں رہے ان سے نہایت احسان کا سلوک فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو چھ ہزار کپڑے کے جوڑے عطا فرمائے۔ (طبقات ابن سعد جزء۲ صفحہ ۱۱۰-۱۱۲) غرضیکہ رسول کریم ﷺ نے جنگ کے بعد بھی دشمنوں کے حقوق کا خیال اس طرح رکھا کہ غیر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

لمبا عرصہ قید میں رکھنے کی ممانعت

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں انسان کی آزادی اور حقوق کی بات کی تو جاتی ہے لیکن اس پر عمل ہوتا کہیں نظر نہیں آتا جنگی قیدیوں کو لمبا لمبا عرصہ جیلوں میں رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے بیشتر دورانِ اسیری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اسلام نے جنگی قیدیوں پر ایک یہ احسان بھی کیا کہ انہیں زیادہ دیر قید میں رکھنے سے منع کیا۔ رسول اللہ ﷺ اوّل تو از راہ احسان ہی قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے جیسا کہ سریہ نخلہ میں دو قیدیوں، غزوہ بنو مصطلق میں ۱۹۰، سریہ جموم میں ۱۰، سریہ عیص میں ۹، سریہ ضمی میں ۱۰۰، غزوۂ حنین میں ۶۰۰۰، سریہ عیینیہ میں ۶۳، سریہ بنوطے میں حاتم طائی کی بیٹی سنانہ پر احسان کرتے ہوئے پورے قبیلے کو آزاد کر دیا۔ یعنی آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کل چھ ہزار سے زائد قیدیوں کو از راہ احسان آزاد فرمایا۔

دوسرے جہاں تک فدیہ لے کر آزاد کرنے کی صورت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ یکمشت بھی لیا اور مکاتبت کے طور پر بھی۔ اور فدیہ کی ایک صورت مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ بھی تھا جیسا کہ ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمانوں کے بدلہ ایک مشرک کو رہا کیا۔ اور تیسری صورت جو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ قیدیوں سے ان کی قابلیت کے مطابق کوئی خدمت بطور فدیہ لے کر آزاد کر دینا جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا کہ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا۔

اور جنگی قیدیوں کے ساتھ جو تیسرا معاملہ ہے کہ جنگ کے اختتام تک قید میں رکھا جائے تو فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنوں کو جنہیں قید کیا جا سکتا تھا اختتام جنگ پر قید کرنے سے قبل ہی آزاد کرتے ہوئے فرمایا: اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کہ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ایک مشہور مصنف سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) اپنے آبائی شہر مکہ میں جب فاتحانہ داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے تو اُن سب کو معاف کر دیا۔ یہ ایسی فتح تھی اور ایسا پاکیزہ فاتحانہ داخلہ تھا جس کی مثال ساری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ (The Speeches and Tablets of the Prophet Mohammad by Stanley Lanepoole, Macmillan and Co. 1882, page xlvi-xlvii)

آگ میں جلانے کی ممانعت

موجودہ دَور میں ایسا آتشیں اسلحہ تیار کر لیا گیا ہے جس سے بڑے پیمانے پر مال و اسباب، مکانات، جنگلات اور فصلوں کو منٹوں میں جلا کر خاکستر کیا جا سکتا ہے۔ ان آگ اگلتے ہتھیاروں کے ذریعہ جنگوں کے دوران انسانی لاشوں، جانوروں اور بے گناہ معصوم زندہ لوگوں کو جلانے کے متعدد اندوہناک سانحے رونما ہو چکے ہیں۔ عرب اور غیر عرب شدّتِ انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔ بلاشبہ آگ سے عذاب آگ کا ربّ ہی دے سکتا ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الجهاد، باب فی کراهیته حرق العدو بالنار) نیز فرمایا: لَا یَنْبَغِی أَنْ یُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔ یعنی آگ کے رب (اللہ تعالیٰ) کے سوا کسی کو روا نہیں کہ کسی کو آگ سے عذاب دے۔ (سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی قتل الذر) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰہِ آگ اللہ کا عذاب ہے۔ اس سے بندوں کو عذاب نہ دو۔ (صحیح بخاری کتاب استتابه المرتدین، باب حکم المرتد والمرتده)

غفلت و بے خبری میں حملہ کرنے کی ممانعت

غفلت اور بے خبری کی حالت میں اچانک حملے موجودہ دَور کے جنگی جرائم میں ایک ایسا جرم ہے جس کی زد میں آنے سے بچنا انتہائی مشکل امر ہے۔ اکثر جنگوں یا باہمی کشیدگی کے دوران میں جان بوجھ کر حملوں میں کچھ وقفہ کر دیا جاتا ہے۔ لوگ ایسے وقتوں میں خوراک و ادویات کے حاصل کرنے کے لیے جب اپنے گھروں اور محفوظ ٹھکانوں سے باہر نکلتے ہیں تو ایسے موقع پر بے خبر ہجوم پر حملے کر کے ہلاک کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر حملوں کے لیے ایسے مواقع اور اوقات کا انتخاب کیا جاتا ہے جب سب بے خبر ہوں۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ راتوں کو اور خصوصاً رات کے آخری حصے میں جب لوگ سو رہے ہوتے اچانک حملہ کر دیتے تھے۔ دورانِ جنگ آپ ﷺ نے دشمنوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان پر غافل ہونے کی حالت میں حملہ کرنے اور شب خون مارنے کی ممانعت فرمائی تا کہ ان پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ ہو۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر رات کے وقت پہنچے۔ آپ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے رات کے وقت پہنچتے تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ جب صبح ہو جاتی تب حملہ کرتے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوة خیبر)

پانی و خوراک روکنے کی ممانعت

جب ہم میدانِ جنگ کی بات کریں تو عام طور پر دنیاداروں کا یہ قاعدہ ہے کہ جنگ کے موقع پر اپنے مخالفین کی خوراک، ادویات اور دیگر ضروری سہولیات بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے تا کہ اُنہیں تکلیف اور اذیت کا سامنا کرنا پڑے جبکہ نبی کریم ﷺ کسی بھی موقع پر دوسروں کے لیے زحمت اور تکلیف گوارا نہ فرماتے۔ اسلام نے جنگ ہو یا امن ہر حالت میں انسانی بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنانے کی تلقین کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ دشمن کو ہلاک یا کمزور کرنے کی غرض سے

یا کسی بھی اور ارادے سے پانی اور خوراک کے حصول سے روکا جائے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس بارے میں فرماتے ہیں کہ ''کہتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں بھی نرم دلی اور رحمت کے اعلیٰ معیار قائم فرمائے۔ مکّہ سے آئے ہوئے ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا تمام تکلیفوں کے زخم ابھی تازہ تھے۔ آپؐ کو اپنے ماننے والوں کی تکلیفوں کا احساس اپنی تکلیفوں سے بھی زیادہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسلامی تعلیم اور اصول و ضوابط کو آپؐ نے نہیں توڑا۔ جو اخلاقی معیار آپؐ کی فطرت کا حصہ تھے اور جو تعلیم کا حصہ تھے ان کو نہیں توڑا۔ آج دیکھ لیں بعض مغربی ممالک جن سے جنگیں لڑ رہے ہیں ان سے کیا کچھ نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلے میں آپؐ کا اُسوہ دیکھیں جس کا تاریخ میں، ایک روایت میں یوں ذکر ملتا ہے۔

جنگِ بدر کے موقع پر جس جگہ اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ کوئی ایسی اچھی جگہ نہیں تھی۔ اس پر حُبابؓ بن منذر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جہاں آپ نے پڑاؤ ڈالنے کی جگہ منتخب کی ہے آیا یہ کسی خدائی الہام کے ماتحت ہے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے؟ یا یہ جگہ آپؐ نے خود پسند کی ہے، آپ کا خیال ہے کہ فوجی تدبیر کے طور پر یہ جگہ اچھی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو محض جنگی حکمت عملی کے باعث میرا خیال تھا کہ یہ جگہ بہتر ہے، اونچی جگہ ہے تو انہوں نے عرض کی کہ یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو لے کر چلیں اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ایک حوض بنالیں گے اور پھر جنگ کریں گے۔ اس صورت میں ہم تو پانی پی سکیں گے لیکن دشمن کو پانی پینے کے لیے نہیں ملے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے چلو تمہاری رائے مان لیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ چل پڑے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد قریش کے چند لوگ پانی پینے اس حوض پر آئے تو صحابہؓ نے روکنے کی کوشش کی تو آپؐ نے فرمایا: نہیں ان کو پانی لے لینے دو۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبد اللہ ... صفحہ ۴۲۴ دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولیٰ)

تو یہ ہے اعلیٰ معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کہ باوجود اس کے کہ دشمن نے کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کے بچوں تک کا دانہ پانی بند کیا ہوا تھا۔ لیکن آپؐ نے اس سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے دشمن کی فوج کے سپاہیوں کو جو پانی کے تالاب، چشمے تک پانی لینے کے لیے آئے تھے اور جس پر آپؐ کا تصرف تھا، آپ کے قبضے میں تھا، انہیں پانی لینے سے نہ روکا۔ کیونکہ یہ اخلاقی ضابطوں سے گری ہوئی حرکت تھی۔'' (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ ۱۰؍مارچ ۲۰۰۶ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۳۱؍مارچ ۲۰۰۶ء)

انتقامی کارروائیوں کی ممانعت

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ فاتح اقوام جوش انتقام میں فتح وکامرانی کے بعد قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کر دیتی ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ نت نئے اسلحہ جات کے ذریعے انسانی لاشوں کے چیتھڑے اڑادیے جاتے ہیں۔ گویا کہ مفتوح قوموں کی تباہی و بربادی مقدّر بن جاتی ہے۔ حالیہ دَور میں خاص طور پر یہ امر بکثرت دیکھنے میں آیا ہے کہ قوموں اور ملکوں کے خلاف دورانِ جنگ اور جنگ ختم ہونے کے بعد بھی انتقامی کارروائیاں جاری رہیں۔ اسلام نے ایسی تمام کارروائیوں کو سنگین جرم قراد دیا ہے۔ اسلامی ریاست ومملکت میں انتقامی سیاست کا کوئی تصوّر موجود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی جواز فراہم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ جنگوں میں بھی انتقامی کارروائی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے فتح مکہ کے موقع سے وفورِ جذبات میں سرشار اور جوشِ جنوں میں بے خود ہو کر یہ کہہ دیا: الیوم یوم الملحمۃ، الیوم تستحل الکعبۃ ''آج لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں جنگ وجدل جائز ہوگا۔'' حضرت ابوسفیان نے آپ ﷺ سے حضرت سعد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: كَذَبَ سَعْدٌ، وَلَكِنْ هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الْكَعْبَةُ۔ یعنی سعد نے غلط کہا، آج خانۂ کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج اس کو غلاف پہنایا جائے گا۔ (بخاری، کتاب المغازی باب أین رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ جب آنحضرت ﷺ چلے یعنی مکے کی طرف تو آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔ ابوسفیان کو پہاڑ کے درّے پر روکے رکھنا تاکہ وہ مسلمانوں کو دیکھ لے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے اسے روکے رکھا مختلف قبائل نبی کریم ﷺ کے ساتھ گزرنے لگے۔ لشکر کا ایک ایک دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرتا گیا۔ جب ایک گروہ گزرا تو ابوسفیان نے کہا عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ قبیلہ غِفار کے لوگ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا مجھے غفار سے کیا سروکار۔ پھر جُہینہ والے گزرے۔ ابوسفیان نے ویسے ہی کہا۔ پھر سعد بن ھُذَیم والے گزرے۔ پھر اس نے ویسے ہی کہا۔ پھر سُلیم والے گزرے۔ پھر اس نے ویسے ہی کہا۔ یہاں تک کہ آخر میں ایک ایسا لشکر آیا کہ ویسا اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا انصار ہیں اور ان کے سردار سعد بن عبادہؓ ہیں جن کے پاس جھنڈا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے پکار کر کہا ابوسفیان! آج کا روز گھمسان کی لڑائی کا روز ہے۔ آج کعبہ میں لڑائی حلال ہوگی۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا عباس! بربادی کا یہ دن کیا خوب ہوگا اگر مقابلے کا موقع مل جاتا۔ یعنی کہ میں دوسری طرف ہوتا یا کہ اس طرف ہونے کی وجہ سے مجھے بھی موقع ملتا کیونکہ اسلام قبول کرلیا تھا۔ پھر ایک اَور دستہ فوج کا آیا اور وہ تمام لشکروں سے چھوٹا تھا۔ ان میں رسول اللہ ﷺ تھے اور آپؐ کے ساتھی مہاجرین تھے اور نبی ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا کیا آپؐ کو علم نہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے کیا کہا ہے؟ آپؐ نے پوچھا کیا کہا ہے؟ اس نے کہا کہ ایسا کہا ہے۔ جو بھی انہوں نے الفاظ استعمال کیے تھے (وہ بتائے)۔ آپؐ نے فرمایا سعدؓ نے درست نہیں کیا بلکہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ کعبہ کی عظمت قائم کرے گا اور کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا۔ کوئی جنگ و نگ نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی، باب أین رکز النبیؐ الرایۃ یوم الفتح حدیث ۴۲۸۰) (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۴۷) اس واقعے کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذرا تھوڑی سی تفصیل سے بیان کیا ہے.... انصار کے کمانڈر سعد بن عبادہؓ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا۔ آج خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے مکہ میں داخل ہونا تلوار کے زور سے حلال کر دیا ہے۔ آج قریشی قوم ذلیل کر دی جائے گی۔ جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ نے اپنی قوم کے قتل کی اجازت دے دی ہے۔ ابھی ابھی انصار کے سردار سعدؓ اور اس کے ساتھی ایسا کہہ رہے تھے... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان، سعدؓ نے غلط کہا ہے۔ آج رحم کا دن ہے۔ آج اللہ تعالیٰ قریش اور خانہ کعبہ کو عزت بخشنے والا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک آدمی کو سعدؓ کی طرف بھجوایا اور فرمایا اپنا جھنڈا اپنے بیٹے قیسؓ کو دے دو کہ وہ تمہاری جگہ انصار کے لشکر کا کمانڈر ہوگا۔ اس طرح آپؐ نے جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے بیٹے کو دے دیا۔ اس طرح آپؐ نے مکہ والوں کا دل بھی رکھ لیا اور انصار کے دلوں کو بھی صدمہ پہنچنے سے محفوظ رکھا۔ (ماخوذ از دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۳۔ خطبہ جمعہ ۱۰؍ جنوری ۲۰۲۰ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۳۱؍ جنوری ۲۰۲۰ء)

پھانسی دینے کی ممانعت

دورِ جدید میں جنگ کے دوران دشمن کو ختم کرنے کے نت نئے طریقے متعارف کروائے گئے اور ان پر عمل درآمد بھی کیا گیا۔ مثلاً پھانسی کا عمل ہے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران دہلی میں پھانسیوں کے گھاٹ قائم کیے گئے۔ رسّہ درخت سے باندھ کر پھندا بے گناہوں کے گلوں میں ڈال کر اسے کافی دیر تک تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ (پہلی جنگ آزادی، مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۰۸ء) پھانسی سے ملتا جلتا عمل ایئرٹائٹ کنٹینرز میں بند کر کے لوگوں کو ہلاک کیا جانا ہے۔ اکثر قیدی کنٹینرز میں ہی دم توڑ جاتے یہ کنٹینرز چلتی پھرتی قبریں تھی۔ (۱۱؍ستمبر سے ابو غریب جیل تک، ادارہ منشورات اسلامی لاہور، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۲۲۔ ۱۲۳) اٹالین نے لیبیا میں اپنی آمد کے موقع پر تقریباً بیس ہزار افراد کو پھانسی دی۔ ان میں اکثر خواتین کو برہنہ کر کے پھانسی پر لٹکایا۔ (تاریخ انقلابات عالم، مشتاق بک کارنر لاہور ۲۰۱۰ء، صفحہ ۳۴۷) آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی موقع پر پھانسی کی سزا نہیں دی۔ حالتِ جنگ ہو یا امن جنگ کے میدان میں لڑنے والے ہوں یا جنگ کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے قیدی ہر ایک کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ نرمی اور عفو کا سلوک فرمایا۔

جنگ کی ابتدا کرنے کی ممانعت

جس طرح گذشتہ زمانوں کی طاقتور اقوام کمزور قوموں پر حملے کر کے انہیں اپنے زیرنگیں کرلیا کرتی تھیں ماضی کی طرح اس دَور کی بڑی بڑی حکومتیں اور طاقتور ملک بھی اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے لیے اور اپنے اقتدار کے اظہار کے لیے اکثر کمزور ملکوں اور حکومتوں پر حملے کر کے اپنا قبضہ جمالیتی اور ان پر حکمرانی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے اظہر من الشّمس ہے کہ آپ ﷺ کا دل نوع انسان کی ہمدردی اور اُن کی خیرخواہی کے جذبات سے موجزن تھا۔ انسان تو انسان آپؐ تمام مخلوقات کے لیے نہایت مہربان اور رحیم وکریم وجود تھے۔ جنگوں کے دوران بھی دنیا نے آپ کی رأفت و محبت اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے عجیب نظارے دیکھے۔

حضرت بُرَیدَہؓ کا بیٹا اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی سریّہ کا امیر مقرر فرماتے تو اُسے خصوصی طور پر خود تقویٰ سے کام لینے کا ارشاد فرماتے اور جو مسلمان اس کے ساتھ جارہے ہوتے ان کی خیرخواہی کا ارشاد فرماتے۔ پھر آپؐ فرماتے: اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ اور ان لوگوں سے جنگ کرو جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہے۔ جہاد کرو اور فساد نہ کرو اور مُثلہ نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو اور جب تم اپنے مشرک دشمنوں سے ملو تو (جنگ سے قبل) ان کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دو اور ان تینوں میں سے وہ جو بھی قبول کرلیں وہ ان کی طرف سے قبول کرلو اور اُن سے جنگ کرنے سے رک جاؤ۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ ا۔ ان کو دعوت اسلام دو۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کا اسلام لانا قبول کرلو اور ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ۔ ۲۔ پھر اُن کو ان کے گھروں سے مہاجرین کے گھروں کی طرف منتقل ہونے کا کہو اور ان کو بتادو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں۔ اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین کی ہیں... ۳۔ پس اگر اسلام میں آنے سے انکار کر دیں تو ان کو کہو کہ جزیہ دینا منظور کرلیں۔ پس اگر وہ جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان سے جزیہ لینا قبول کرلو اور ان پر حملہ آور ہونے سے رُکے رہو۔ اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو اُن کے خلاف اللہ کی مدد طلب کرو اور ان سے جنگ کرو... (سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب وصیۃ الامام حدیث نمبر ۲۸۵۸)

اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجتے ہوئے نصیحت کے رنگ میں فرمایا: لا تقاتلوھم حتی تدعوھم فان اَبَوا فلا تقاتلوھم حتی یبدؤوکم فان بدؤوکم فلا تقاتلوھم حتی یقتلوا منکم قتیلاً ثم اروھم ذالك القتیل وقولوا لھم ھل الی خیرٍ من ھٰذا سبیل؟ فلان یھدی اللّٰہ تعالیٰ علی یدیك خیرٌ لك مما طلعت علیہ الشمس وغربت۔ (المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سھل سرخسی جلد اول صفحہ ۱۲۱۲۔ کتاب السیر باب معاملۃ الجیش مع الکفار، بیت الافکار الدولیۃ، اردن ۲۰۰۹ء) دشمن جو مقابل پر آیا ہے سب سے پہلے اسے دعوتِ اسلام دو۔ اگر وہ انکار کرے تو بھی حملہ میں پہل نہ کرو۔ اور اگر وہ پہل کرے تو بھی آگے نہ بڑھو۔ جب وہ آگے بڑھ کر تمہارا کوئی آدمی مار ڈالیں تو ان کو یہ شہید دکھاؤ اور کہو کچھ سوچو کیا تم اس سے بہتر طرز عمل اختیار نہیں کر سکتے۔ اگر وہ پھر بھی نہ سمجھیں تو اس وقت ان کے حملہ کا بھرپور جواب دو۔ یہ تدریج اس لیے ضروری ہے کہ تیرے ذریعہ کوئی ہدایت پا جائے تو یہ تیرے لیے ساری دنیا سے بہتر ہے جس پر صبح وشام سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ نے اپنے پیغام امن کے ذریعہ جنگوں کے دوران بھی نہ صرف بہت احتیاط اور صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو یہاں تک نصیحت فرمائی ہے کہ اگر کسی جگہ اذان کی آواز سنو تو اُس جگہ کسی شخص کو قتل مت کرنا یعنی بلا تفریق مذہب وملت سب کو امان دے دینا۔ چنانچہ عِصَام مُزَنِی اپنے والد کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ پر روانہ کرتے ہوئے یہ ہدایات دیں کہ اگر تم کوئی مسجد دیکھو یا کسی مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو کسی شخص کو بھی قتل نہ کرو۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین – حدیث نمبر ۲۶۳۲)

عورتوں، بچوں، بوڑھوں کے قتل کی ممانعت

تاریخ مذاہب اور تاریخ سلاطین کا مطالعہ کیا جائے تو قبل از اسلام کسی مذہب میں یا کسی بادشاہ کے بارے میں یہ ذکر نہ ملے گا جس نے اپنی فوج کو مفتوح قوم کے نہتّے لوگوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں، معذوروں کے قتل عام سے منع کیا

ہو۔ بلکہ فوجوں کو کھلی چھٹی ہوتی تھی کہ وہ جو چاہیں مفتوح قوم کے ساتھ کریں۔ اس زمانے کی جنگوں میں بھی اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ مرنے والے کون ہیں بلکہ اکثر تو جان بوجھ کر عورتوں، بچوں بوڑھوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے جو کہ ایک سنگین جرم ہے۔ اسلام واحد ایسا مذہب ہے جس نے دشمنوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کے نہتّوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں، ضعیفوں اور معذوروں وغیرہ کے قتل کی سخت ممانعت فرمائی۔

حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کو رخصت کرتے وقت) فرمایا: ''تم لوگ اللہ کے نام سے، اللہ کی تائید اور توفیق کے ساتھ، اللہ کے رسول کے دین پر جاؤ اور بوڑھوں کو جو مرنے والے ہوں نہ مارنا، نہ بچوں کو، نہ چھوٹے لڑکوں کو، اور نہ ہی عورتوں کو، اور غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور غنیمت کے مال کو اکٹھا کر لینا، صلح کرنا اور نیکی کرنا، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (سنن ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسی غزوہ میں مقتول پائی گئی تو نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب الجہاد والسیر باب قتل النساء فی الحرب)

حضرت حنظلہ الکاتبؓ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھے، ہمارا گزر ایک مقتول عورت کے پاس سے ہوا، وہاں لوگ اکٹھے ہو گئے تھے، آپؐ کو دیکھ کر لوگوں نے آپؐ کے لیے جگہ خالی کر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو لڑنے والوں میں نہ تھی پھر اسے کیوں مار ڈالا گیا۔'' اس کے بعد ایک شخص سے کہا: خالد بن ولید کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ عورتوں، بچوں، مزدوروں اور خادموں کو ہرگز قتل نہ کرنا۔'' (ابن ماجہ کتاب الجہاد بَابُ الْغَارَةِ، وَالْبَيَاتِ، وَقَتْلِ النِّسَاءِ، وَالصِّبْيَانِ)

جنگ احد میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور چودہ خواتین قریش اپنے لشکر کو جوش اور عار دلا کر مسلمانوں سے بدر کے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے اکسانے کے لیے شامل ہوئیں۔ دوران جنگ وہ مرثیے اور رجزیہ اشعار پڑھ کر جوش دلا رہی تھیں کہ اسی دوران حضرت ابو دجانہؓ جن کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ نے تلوار یہ تاکید کرتے ہوئے تھمائی کہ اس تلوار کا حق ادا کرنا اور وہ حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلم کو قتل نہ کیا جائے اور کوئی کافر بھاگ کر بچنے نہ پائے، مشرکین کو پاش پاش کرتے ہوئے ان عورتوں کے پاس جا پہنچے۔ پہلے حضرت ابو دجانہؓ نے انہیں مارنے کے لیے تلوار اٹھائی مگر پھر رک گئے اور چھوڑ دیا۔ حضرت زبیرؓ جو یہ سارا معاملہ دیکھ رہے تھے انہوں نے جب بعد میں ان سے پوچھا کہ عورت پر تلوار اٹھا کر پھر تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا تو ابو دجانہؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو اس سے برتر سمجھا کہ اس سے عورت کو قتل کروں۔ (تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول صفحہ ۱۸۰)

ایک اَور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: بڈھے کو نہیں مارنا چاہیے، بچے کو نہیں مارنا چاہیے، عورت کو نہیں مارنا چاہیے اور ہمیشہ صلح اور احسان کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین)

دنیا کی عظیم طاقتیں جو اپنی طاقت اور اقتدار کے نشے میں اس قدر مدہوش ہیں کہ ذرا احساس تک نہیں ہوتا کہ اپنی عالی شان طاقتوں کے اظہار کے لیے کتنے کمزور طبقے کو اپنے ظلم و جبر کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ کچھ ہوش کریں اور عقل سے کام لیں اور دیکھیں اس ربّ عظیم کے بندہ اعظم اور عالی مرتبت نبی ﷺ کو کہ کیسا پاک نمونہ اور کیسی شاندار تعلیم اس دَور میں اس نے پیش کی۔

عصمت دری کی ممانعت

صلیبی حملوں کا سلسلہ تقریباً ساڑھے تین سو سال جاری رہا۔ صلیبی جہاں جاتے تھے وہاں قتل و غارت گری، عصمت دری اور تباہی و بربادی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ ۱۲۱۸ء میں تاتاریوں نے خوارزم شہر کی عورتوں کے لباس اتروا کر ان کا آپس میں مکوں کا مقابلہ کروایا اور پھر ان کو تلواروں سے شہید کر دیا۔ (طبقات ناصری، اُردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۸۵ء، جلد ۲) ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے دوران اونچے گھرانوں کی مستورات، بیواوں اور شادی شدہ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی انہیں نیلام کیا گیا اور ذبح بھی کیا گیا۔ (سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶) عہد جدید میں جاپان میں دوسری جنگ عظیم کے دوران ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کے بعد جنگ کے اختتام پر ایک انتہائی مہلک اور تباہ کن بم جنرل میکارتھر کی صورت میں پہنچا۔ اس کی وجہ سے عورتیں، جوان لڑکیاں رسوائی، بے آبروئی کے اس لرزہ خیز اور روح فرسا دور سے گزریں جس کے تصوّر سے آج بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ (اسلام اور عدل واحسان، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۵۳) سربوں نے بوسنیا میں عصمت دری کے کیمپ قائم کیے۔ عورتوں کی عصمت دری ان کے خاندان کے لوگوں کے سامنے کی جاتی تھی۔ (مقدمۂ بوسنیا، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۵۴۔ ۱۰۷)

عام عوام کے ساتھ جنگوں میں جو سلوک ہوا سو ہوا اس شرمناک فعل سے امرا، حکمران اور بادشاہ بھی محفوظ نہیں رہے۔ ان کے خاندانوں کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی زار روس اپنے وقت کا عظیم حکمران جب اس کی سلطنت کا تختہ الٹا تو اس کے سامنے اس کی جوان لڑکیوں کی جبراً عصمت دری کی گئی۔ (انوار العلوم جلد ۷ صفحہ ۵۵۹)

اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق نہ تو بلاوجہ کسی عورت کو قتل کیا جائے گا اور نہ اس کی عفت وعصمت کو مخدوش و داغ دار کیا جائے گا۔ اسلام اپنے پیروکاروں کی ذہنی پاکیزگی کا پورا اہتمام اور انہیں ہر طرح کی جنسی آلودگی سے پاک رکھتا ہے۔ اسلام نے عورت کو تحفظ فراہم کیا اور معاشرے میں عزّت واحترام کا مقام دیا۔ جنگ میں دشمن کی بیٹی پر ہاتھ اٹھانے اور اس کی عصمت دری کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔ یہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے مفتوح قوم کی عورتوں کی عصمت کی پاسبانی کا حکم دیا۔

ازمنہ ماضیہ میں جنگ کے بعد فاتح قوم مفتوح قوم کی عورتوں کی بے دریغ عصمت دری کو اپنا حق سمجھتی تھی اور اس میں فخر محسوس کرتی تھی۔ لیکن بانیٔ اسلام ﷺ نے اس قبیح فعل کو جتنا حالت امن میں قابل سزا جرم قرار دیا ہے اتنا ہی میدانِ جنگ میں بھی اور جنگ کے بعد بھی قرار دیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم اور تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے اصحابؓ نے آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے اس جہان فانی سے رخصت فرما جانے کے بعد بھی بے شمار جنگیں لڑ لیں لیکن کبھی کسی ایک جنگ میں بھی دشمن کی عورتوں کی عزتوں کی پامالی نہیں کی۔

راستوں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت

جنگوں کے دوران دنیاداروں کا ایک یہ بھی طریق ہے کہ وہ اپنے فوجیوں کے آرام کی خاطر دیگر لوگوں کے حقوق کو بری طرح پامال کرتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے لشکر اسلام میں شامل لوگوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ جب لڑائی کے لیے نکلیں تو ایسی جگہ پر پڑاؤ نہ ڈالیں کہ لوگوں کے لیے تکلیف کا موجب ہو اور کوچ کے وقت ایسی طرز پر نہ چلیں کہ لوگوں کے لیے رستہ چلنا مشکل ہو جائے یا بلاضرورت زیادہ جگہ گھیر لیں اور راستے میں کسی کی تکلیف کا باعث بنیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا۔ جب لشکر نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا تو بعض لوگوں نے بلاضرورت زیادہ جگہ گھیر لی اور راستے میں لوگوں کو نقصان پہنچایا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کے لیے مقرر فرمایا کہ جو جگہ کو تنگ کرے یا راستہ میں کسی کو نقصان پہنچائے اس کا کوئی جہاد نہیں۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب مایومر من انضمام العسکر)

دشمن کے اموال پر قبضے کی ممانعت

دنیاداروں کی یہ بھی رِیت رہی ہے کہ وہ جنگوں کے دوران اپنے دشمنوں کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں وہ جائز سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ ترقی کے دَور میں بھی اپنے دشمن کو نیچا دکھانے کے لیے ہر انسانی قدر پامال کر دی جاتی ہے۔ قبل از اسلام عربوں کا پیشہ لوٹ مار تھا اور دورانِ جنگ وہ دشمن کی ہر چیز کو اپنے لیے حلال سمجھتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے آ کر ان کی عملی تربیت کی اور انہیں باور کرایا کہ لوٹ مار کا مال حلال نہیں اور اس طرح دشمن کے مال پر قبضہ کرنا درست نہیں۔ جنگ خیبر کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ جنگِ خیبر کے موقع پر یہودیوں کا ایک چرواہا مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے عرض کیا کہ ان سینکڑوں بکریوں کا کیا کروں جو میری تحویل میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں کے قلعہ کی طرف اُن کو ہانک دو حسبِ عادت یہ خود بخود قلعہ کے اندر چلی جائیں گی۔ نومسلم یسار حبشیؓ نے ایسا ہی کیا اور بکریاں قلعے کے پاس پہنچ گئیں جہاں سے قلعے والوں نے ان کو اندر داخل کر لیا۔ (کتاب المغازی اردو جلد دوم صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ السیرة النبویة از اسماعیل بن کثیر جزء ۳ صفحہ ۳۶۱ سنة سبع من الهجرة، غزوه خیبر فی اولھا، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کر لیا جو رومیوں کے علاقہ میں تھا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کو دوبارہ دشمن کے حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس وقت حمص کو خالی کر دیا جائے اس فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے وہاں کے عیسائیوں کو بلایا اور اُن سے کہا کہ ہم تم سے جزیہ وصول کر چکے ہیں مگر یہ جزیہ اس شرط کے ماتحت لیا گیا تھا کہ ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ اب چونکہ خود ہمارے لیے ایک نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے اور ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لیے ہم جزیہ کی رقم تمہیں واپس کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی لاکھ روپیہ جو عیسائیوں سے جزیہ کے طور پر لیا گیا تھا انہیں واپس کر دیا گیا۔ اس اعلیٰ درجہ کے نمونہ کا ان عیسائیوں پر اتنا اثر ہوا کہ جب اسلامی لشکر روانہ ہوا تو وہ ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو دوبارہ ہم میں واپس لائے اور یہودی بھی بڑے جوش سے یہ کہتے جاتے تھے کہ توراۃ کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ تفسیر سورۃ الحج صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ ۲۰۲۳ء)

چنانچہ ایک دفعہ دوران سفر خوراک کی قلت کی وجہ سے کافی پریشانی ہوئی۔ اتفاق سے بکریوں کا ایک ریوڑ وہاں سے گزرتا نظر آیا۔ سب نے وہ بکریاں لے کر ذبح کر لیں۔ آپ ﷺ کو جب علم ہوا تو دیکھا کہ ہنڈیوں میں گوشت پک رہا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی آپ نے اس سے ہنڈیاں الٹ دیں اور گوشت کو مٹی میں لت پت کرنے لگے، اور پھر فرمایا لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں، یا فرمایا: مردار لوٹ کے مال سے زیادہ حلال نہیں۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فِي النَّهْيِ عَنِ النُّهْبَى، إِذَا كَانَ فِي الطَّعَامِ قِلَّةٌ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ)

ابو لبید کہتے ہیں کہ ہم عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کے ساتھ کابل میں تھے وہاں لوگوں کو مالِ غنیمت ملا تو انہوں نے اسے لوٹ لیا، عبدالرحمٰن نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ لوٹنے سے منع فرماتے تھے، تو لوگوں نے جو کچھ لیا تھا واپس لوٹا دیا، پھر انہوں نے اسے ان میں تقسیم کر دیا۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فِي النَّهْيِ عَنِ النُّهْبَى، إِذَا كَانَ فِي الطَّعَامِ قِلَّةٌ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ)

اسلام سے باہر اس طرح کی مثالیں کہیں نظر نہیں آئیں گی جبکہ اس کے برعکس موجودہ دَور میں جنگوں کی ایک بنیادی وجہ ہی لوگوں کے مالوں اور جائیدادوں پر قبضہ کرنا ہے۔ یہ صرف اسلام ہی کا فخر اور اعزاز ہے کہ جو حالت جنگ ہو یا امن ہر حال میں دشمن کے اموال کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔

غیر محارب سے جنگ کی ممانعت

اسلام نے جو قوانینِ جنگ وضع کیے ہیں ان میں اتنی جامعیت ہے کہ دورِ جدید کا مہذب انسان بھی ان کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق ایسے لوگوں کے ساتھ جو جنگ کی طرح نہیں ڈالتے اور پر امن رہتے ہیں ان سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ قرآن مجید کی یہ بیّن تعلیم ہے: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں قتال نہیں کیا اور نہ تمہیں بے وطن کیا کہ تم اُن سے نیکی کرو اور اُن سے انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنۃ: ۹)
آپ ﷺ نے فرمایا: جب لڑائی کے لیے مسلمان جائیں تو اپنے دشمنوں کے ملک میں ڈر اور خوف پیدا نہ کریں اور عوام الناس پر سختی نہ کریں۔ (مسلم کتاب الجہاد باب فی امر الجیوش بالتیسیر و ترک التنفیر)

لاشوں کی بے حرمتی اور مثلہ کرنے کی ممانعت

عرب میں اپنے دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ بہت بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کی باقاعدہ نذریں مانی جاتی تھیں۔ زندہ آدمی کی کھال کھینچنا، اس کے جسم کی بوٹی بوٹی کرنا، اعضاء کی قطع و برید، درندوں سے پھڑوانا، جانوروں کی کھالوں میں سی دینا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ (رسول اللہ ﷺ میدان جنگ

میں، مقبول اکیڈمی انار کلی لاہور، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۲۷۲)عہد وسطیٰ میں بھی عہد قدیم کی طرح مثلہ کی رسم باقی رہی۔مثلاً سقوط یروشلم کے دوران انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔شہر کی گلیوں میں انسانی سروں، ہاتھوں اور پیروں کے ڈھیر لگ گئے۔ (اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۵۳) تیمور کو انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنا کر خوشی ملتی تھی۔ اس نے ایران، افغانستان، ہندوستان اور عراق میں بغداد پر حملوں کے دوران لاکھوں انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنوائے۔ (سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۵۴-۸۹)عہد جدید میں سقوط ڈھاکہ کے دوران، آنکھیں نکالنے، اعضاء کی قطع و برید اور عورتوں کی چھاتیاں کاٹنے جیسے المناک واقعات عام تھے۔ (سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۵۳۳-۵۴۸) صلیب پرست سربوں نے ۱۹۴۱ء میں بوسنیا کے مسلمانوں کا ان کے گھروں اور مسجدوں میں مثلہ کیا۔ ۹/۱۱ کے بعد برما کے مسلمانوں کی نسل کشی کے دوران بودھوں نے بھی لاشوں کے مثلہ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ (مقدمۂ بوسنیا، فیروزسنز لاہور، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۵۳تا۱۰۷)

عہد نبویؐ میں اس تشدد پسندی کی مثال جنگ احد میں کفار مکہ کا مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ دینا اور ہندہ زوجہ ابوسفیان کا جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ سینے سے نکلوا کر چبانا ہے۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کفّار نے خود اپنے عمل سے اپنے لیے اُس بدلے کو جائز بنا دیا ہے جس کو ہم ناجائز سمجھتے تھے۔مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس وقت آپ کو وحی ہوئی کہ کفّار جو کچھ کرتے ہیں اُن کو کرنے دو تم رحم اور انصاف کا دامن ہمیشہ تھامے رکھو۔ (سیرت ابن ہشام جزء ۳صفحہ ۱۹۶) آپ ﷺ نے اپنے متبعین کو ایسی اخلاق سوز اور وحشیانہ کارروائیوں سے منع فرمایا۔حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مثلہ (یعنی ناک، کان و دیگر اعضا کاٹنے) سے روکتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد بَابٌ فِی النَّهْیِ عَنِ الْمُثْلَةِ)رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں کی لاشوں کو بھی احترام کا حق دیا اور جنگِ بدر کے موقع پر ۲۴؍مشرک سرداروں کی لاشوں پر مٹی ڈلوا کر دفنا دیا۔ اسی طرح جنگِ خندق میں مشرکین کا سردار نوفل بن عبداللہ مخزومی عمرو بن عبدود وغیرہ کے ساتھ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔حضرت زبیر بن العوامؓ اس کے مقابلے میں آئے اور اسے زیر کرلیا۔ اسی دوران حضرت علیؓ نے بھی نیزہ مارا اور وہ دشمن رسولؐ خندق میں گر کر ہلاک ہوگیا۔مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ دس ہزار درہم لے لیں اور نوفل کی نعش واپس کردیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: ہم مُردوں کی قیمت نہیں لیا کرتے۔تم اپنی نعش واپس لے جاؤ۔ یہ کیا ہی بدترین دیت ہے۔ (سنن الترمذی جزء ۴صفحہ ۲۱۴، دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۳صفحہ ۴۳۷تا۴۳۸) یہ کسی بھی طرح سے جائز نہیں ہے کہ انسانی لاشوں کے ساتھ درندگی کا سلوک کیا جائے۔ عبداللہ بن یزید انصاریؓ روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال لوٹنے اور جسم کو مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم، باب النھی بغیر اذن صاحبہ) آپ ﷺ نے فرمایا: کسی صورت میں مسلمانوں کو مثلہ کرنے کی اجازت نہیں، یعنی مسلمانوں کو مقتولین جنگ کی ہتک کرنے یا اُن کے اعضاء کاٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ (مسلم کتاب الجهاد والسیر باب تامیر الامام الامراء علی البعوث)

توحید کا اقرار کرنے والے کے قتل کی ممانعت

بانی اسلامؐ نے اس قدر رحم دلی کا نمونہ دکھایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اسلام کے خلاف حالت جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے بھی توحید کا اقرار کر دے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ کتب حدیث میں درج ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ کے لیے روانہ کیا ہم بنو جُھَینَہ کی ایک شاخ حُرُقَا پر صبح کے وقت حملہ آور ہوئے (دورانِ جنگ) میں نے ایک شخص پر قابو پالیا۔ اس پر اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنا شروع کر دیا۔ (اس کے باوجود) میں نے اسے نیزہ مار کر ختم کر دیا مگر یہ بات میرے دل میں کھٹکتی رہی۔ چنانچہ میں نے اس واقعہ کا ذکر نبی ﷺ سے کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اس کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یارسول اللہ! اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اسلحہ کے خوف کے باعث کہا تھا۔ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا۔ تم نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے خوف کے باعث لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا تھا یا ویسے ہی توحید کا اقرار کیا تھا۔ آنحضور ﷺ نے یہ بات میرے سامنے اتنے تکرار سے کہی کہ میں نے اس بات کی خواہش کی کہ کاش میں آج ہی ایمان لایا ہوتا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)

عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور مذہبی راہنماؤں کے قتل کی ممانعت

جس طرح زمانہ قدیم میں عبادت گاہیں مسمار یا ان کی بے حرمتی کی جاتی رہی اور مذہبی رہنماؤں کا قتل کیا جاتا رہا زمانہ حال میں بھی یہ ظلم پوری شدت کے ساتھ جاری ہے۔ ماضی میں عبادت گاہوں کو فاتح اقوام اپنے گھوڑوں کے اصطبل اور جانوروں کو باندھنے وغیرہ کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اسلام نے مذہبی عبادت گاہوں اور راہنماؤں تقدس بحال کیا اور اپنے ماننے والوں کو نہ صرف ان کا احترام کرنے کی تعلیم دی بلکہ ان کی حفاظت کے طریق میں بھی اسلام نے ایک نمایاں امتیاز پیدا کیا۔ آپ ﷺ جب کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تھے تو اسے نصیحت فرماتے تھے کہ مذہبی عبادت گاہوں کے لوگوں کو قتل نہ کرنا۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ جلد اول صفحہ ۳۲۷) عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے کسی لشکر کو روانہ کرتے تو حکم فرماتے کہ وَلَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ۔ کہ مذہبی راہنماؤں کو قتل نہ کرنا۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب روایت نمبر ۲۷۲۸)

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جب کسی فوج کو روانہ فرماتے تھے تو اس کے امیر کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ اَلَّذِیْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمْ حَبَسُوْا اَنْفُسَهُمْ لِلّٰهِ فَذَرْهُمْ وَمَا زَعَمُوْا اَنَّهُمْ حَبَّسُوْا اَنْفُسَهُمْ لَهٗ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے خیال میں اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان کو کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جس چیز کو وہ مقدس سمجھتے ہوں اسے بھی کچھ نہ کہنا۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ جلد اول)

۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ایک امان لکھ کر دی جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے والا، اس کے احکام کے خلاف کرنے والا اور اپنے دین کو ذلیل کرنے والا خیال کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امان نامہ میں حکم دیا کہ مسلمان عیسائیوں کے گرجاؤں، راہبوں کے مکانوں اور زیارت گاہوں کو ان کے دشمنوں سے بچائیں اور تمام مضر اور تکلیف دہ چیزوں سے پورے طور پر ان کی حفاظت کریں، نہ ان پر بے جا ٹیکس لگایا جائے، نہ کوئی اپنی حدود سے خارج کیا جائے، نہ کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے نکالا جائے، نہ کوئی زائر اپنی زیارت سے روکا جائے اور نہ مسلمانوں کے مکان بنانے کے لیے عیسائیوں کے گرجا گھر مسمار کیے جائیں...اگر عیسائیوں کو اپنے گرجوں اور سومعوں کی تعمیر میں یا اپنے کسی مذہبی امر میں مدد کی ضرورت ہو تو مسلمانوں کو ہر طرح ان کی اعانت کرنی چاہیے۔ تم یہ خیال مت کرو کہ اس سے ان کے مذہب میں شرکت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ تو صرف ان کے احتیاج کو رفع کرنا ہے اور رسول خداؐ کے ان احکام کی پیروی کرنا ہے جو خدا کے حکم سے ان کے حق میں تحریر ہوئے۔

جنگ کے وقت یا اس زمانے میں جب کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے برسرپیکار ہوں کسی عیسائی سے اس لیے نفرت یا عداوت نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ مسلمانوں میں رہتا ہے۔ جو کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا سلوک کرے گا تو وہ نا منصف اور رسول کا نافرمان اور سرکش خیال کیا جائے گا۔

اس امان نامہ کو نقل کرتے ہوئے مشہور مؤرخ ایڈمنڈ اولی لکھتا ہے۔ یہ ایک نہایت وقیع اور عظیم الشان پروانۂ آزادی ہے اور دنیا کی تاریخ میں اعلیٰ درجہ کی مساواتِ حقوق کی ایک قابل وقعت شریفانہ یادگار ہے۔(جنگ روس و روم (کاسل) مصنفہ ایڈمنولی جلد اول صفحہ ۱۷۶-۱۷۷۔بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍تا۲۸؍ اکتوبر ۲۰۲۱ء)

سفیر کے قتل کی ممانعت

گذشتہ زمانوں میں بھی اور موجودہ دور کی جنگوں میں اکثر دشمن کو کمزور کرنے کے لیے اور اس پر دباؤ ڈالنے کے لیے سفیروں کو قتل کر دیا جاتا یا قیدی بنالیا جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے سفارت کی تکریم اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار فرمائی اور اس کی خاص تلقین فرمائی کیونکہ اگر کوئی ملک کسی سفیر سے بدسلوکی یا اسے قتل کرے تو اسے اعلان جنگ سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ جنگ موتہ کی وجہ بھی یہ تھی کہ حاکم غسان رومی گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیرؓ کو گرفتار کر کے شہید کر دیا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی حصہ اول صفحہ ۳۳۹)

اسلام سے پہلے سفیروں کا قتل منع نہیں تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو سفیر پہلے بھیجا اس کے اونٹ کو قریش نے مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کرنا چاہا لیکن باہر والوں نے بچالیا۔ (سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی حصہ اول صفحہ ۳۶۳) جس پر آپ ﷺ نے اپنا سفیر حضرت عثمانؓ کو مقرر فرمایا اور جب آپ ﷺ نے اپنے سفیر حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ سنی تو چودہ سو صحابہ سے آپؓ کا بدلہ لینے کے لیے بیعت رضوان لی۔

مسیلمہ کذاب کے دو سفیر (ابن نواحہ اور ابن اثال) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کا خط لے کر آئے اور گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر یہ نہ ہوتا کہ سفیر قتل نہ کیے جائیں تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔'' (ابوداؤد کتاب الجهاد باب الرسل)

ابو رافع قبطیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہؐ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھجوایا۔ رسول کریمؐ کو دیکھ کر میرے دل میں اسلام کی سچائی گھر کر گئی۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں قریش کی طرف لوٹ کر واپس نہیں جانا چاہتا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: مَیں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ ہی سفیر کو روکتا ہوں۔ آپ اس وقت بہر حال واپس چلے جاؤ پھر اگر بعد میں یہی ارادہ ہو کہ اسلام قبول کرنا ہے تو وہاں جاکر واپس آجانا۔ چنانچہ یہ قریش کے پاس لوٹ گئے اور بعد میں آکر اسلام قبول کیا۔ (ابوداؤد کتاب الجهاد باب ۱۶۳ بحوالہ اسوۂ انسان کاملؐ)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''کسی بھی قوم سے اچھے تعلقات کے لیے اس کے سفیروں سے حسن سلوک انتہائی ضروری ہے۔ آپؐ کا حکم تھا کہ غیر ملکی سفیروں سے خاص سلوک کرنا ہے۔ ان کا ادب اور احترام کرنا ہے اگر غلطی بھی ہو جائے تو صرف نظر کرنی ہے، چشم پوشی کرنی ہے۔'' (خطبہ جمعہ ۲۹؍جون ۲۰۰۷ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۰؍جولائی ۲۰۰۷ء)

حرف آخر

سیدنا و امامنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی کہ جنگ میں صرف ان لوگوں سے لڑنا ہے جو کہ جنگ میں براہ راست شامل ہوئے ہیں۔ آپ نے بڑا واضح حکم دیا کہ کسی بھی معصوم شخص پر ہرگز حملہ نہ کیا جائے۔ نہ ہی کسی عورت، بچے اور معمر شخص پر حملہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ کسی بھی مذہبی راہنما یا پادری کو اس کی عبادت گاہ میں نشانہ نہ بنایا جائے۔ مزید آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی کہ کسی بھی شخص کو جبری مسلمان نہ بنایا جائے۔ آپ نے تعلیم دی کہ اگر مسلمانوں کو امن کی خاطر جنگ کرنا پڑے تو عوام الناس میں خوف وہراس نہ پیدا کریں اور نہ ہی عوام الناس پر سختی کی جائے۔ آپ نے تعلیم دی کہ جنگی قیدیوں کو توجہ دی جائے اور ان کا ایسا خیال رکھا جائے کہ جیسے انسان خود اپنا خیال رکھتا ہے۔ آپ نے تعلیم دی کہ نہ کوئی عمارت گرائی جائے اور نہ ہی درخت کاٹے جائیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ جنگ کرنا پڑی، ان حالات میں بھی آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بیشمار ایسی ہدایات دیں جن پر عمل ضروری تھا۔ میں نے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بڑے واضح انداز میں فرمادیا کہ جو کوئی بھی ان ہدایات پر عمل نہ کرے گا وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں امن قائم کرنے کی خاطر لڑنے والا نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسا شخص اپنے ذاتی مفادات کی خاطر لڑنے والا ہوگا۔ (خطاب فرمودہ مورخہ ۱۱؍مئی ۲۰۱۳ء مطبوعہ روزنامہ الفضل ۶؍جون ۲۰۱۳ء)

☆...☆...☆

رسول کریم ﷺ کا جنگی قیدیوں سے بے مثل حُسنِ سلوک

(جاوید اقبال ناصر۔مربی سلسلہ و صدر جماعت شمالی مقدونیہ)

دُنیا نے جنگی قیدی کے حق میں پہلی آواز کب سنی ؟ ہاں یقیناً اُس وقت سنی گئی جب خدا کے ایک رسول ﷺ کا مکہ کے علاقے میں نزول ہوا۔جس کا نام محمد ﷺ تھا۔ اور اس کو جو لقب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا وہ ''رحمۃ العالمین'' تھا۔آپ ﷺ کی رحمت کے سایہ کے نیچے ایک جنگی قیدی، اُس کا مال، اُس کی جان اور اہل و عیال سب شامل تھے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا فرمایا لیکن دنیا داروں نے اپنی طاقت کے زور پر خدا تعالیٰ کی مخلوق کو اپنا غلام بنانے کی ہر دَور میں کوشش کی۔ جو زیادہ غلام رکھتا وہ زیادہ باعزّت بھی تصوّر کیا جاتا تھا۔ جنگ جیتنے کی صورت میں مفتوح علاقے کے لوگوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا۔ مفتوحہ علاقے کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ان کے بچوں کو بھی غلام بنا کر قید کر دیا جاتا اور ان کو قید و بند کی سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑتا۔جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کی مثال، پورے طور پر فاتح اقوام اپنے اوپر ثابت کرنے کی کوشش کرتیں۔جنگی قیدی کے حقوق کی نہ تو کوئی بات ہوتی اور نہ ہی ایک قیدی کو مرتے دم تک اپنی آزادی کی کوئی اُمید ہوتی۔ گویا جنگی قیدی کے مالک کا گھر قبرستان جانے سے پہلے اُس کا آخری گھر ہوتا۔ دُنیا نے جنگی قیدی کے حق میں پہلی آواز کب سنی ؟ ہاں یقیناً اُس وقت سنی گئی جب خدا کے ایک رسول ﷺ کا مکہ کے علاقے میں نزول ہوا۔جس کا نام محمد ﷺ تھا۔ اور اس کو جو لقب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا وہ ''رحمۃ اللعالمین'' تھا۔آپ ﷺ کی رحمت کے سائے کے نیچے ایک جنگی قیدی، اُس کا مال، اُس کی جان اور اہل و عیال سب شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو آسمانی کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی اُس کے پڑھنے والوں نے جنگی قیدیوں کے بارے میں جب یہ اعلان سنا ہوگا فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً یعنی اس کے بعد یا تو احسان کر کے (ان کو چھوڑ دو) یا تاوان جنگ لے کر (چھوڑ دو)، تو یقیناً حیران ہوئے ہوں گے۔

عرب کے علاقے میں غلام کئی قسم کے تھے اور اُن میں جنگی قیدی کو بھی غلام ہی کی طرح رکھا جاتا تھا۔ جب کہ قرآن کریم نے جنگی قیدی بنانے کا ایک بڑا اُصول یہ مقرر کیا ہے کہ جنگ ہو اور شدید جنگ ہو اور اُس کے بعد جنگی قیدی بنانے کی اجازت دی ہے جیسا کہ فرمایا: مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ۔(الانفال:۶۸) یعنی کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:'' اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی۔ لڑائی کے بعد قیدی کرنا جائز ہے۔ یوں اکّادُکّا پکڑ لینا جائز نہیں۔'' (حقائق الفرقان، سورۃ الانفال صفحہ ۳۱) اسی طرح دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے:فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا۔ (محمد:۵) یعنی جب تم ان لوگوں سے بِھڑ جاؤ جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں پر وار کرنا یہاں تک کہ جب تم ان کا بکثرت خون بہالو تو مضبوطی سے بندھن کسو۔ پھر بعد ازاں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر آزاد کرنا یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔قرآن کریم میں جنگی قیدی کے لیے چند ایک الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔جیسا کہ سورت الانفال آیت نمبر ۶۸ میں ''اَسۡرٰی''جنگی قیدی کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح ''اَسِیۡرًا'' کا لفظ سورت الدھر آیت نمبر ۹ میں بھی اسیروں یا قیدیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔''اُسٰرٰی'' کا لفظ سورت البقرہ آیت نمبر ۸۶ میں قیدی کے لیے آتا ہے۔ مزید برآں ''الۡاَسۡرٰۤی'' کا لفظ بھی سورۃ الانفال آیت نمبر ۷۱ میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔جنگی قیدی غلام بن جاتا تھا اور غلاموں کی طرح اُس کے ساتھ سلوک ہوتا تھا۔جنگی قیدی یا غلام کے لیے قرآن کریم نے ایک اور لفظ بھی استعمال کیا ہے۔جس کا اردو ترجمہ ''جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے'' یا ''جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے'' کیا جاتا ہے۔ اور یہ الفاظ متعدد بار قرآن شریف میں مختلف انداز میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آتا ہے: وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ (النساء:۳۷) مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ (المومنون:۷)

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ جنگی قیدی کو چھوڑنے کے لیے ہر لمحہ تیار نظر آتا تھا

قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات پر غور کرنے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ تو بہانے اور ترکیب ڈھونڈتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگ جائے جس سے قیدوں کی رہائی ممکن ہو سکے۔ اگر کوئی غلطی سے روزہ توڑ لیتا تو آپ ﷺ اس کو غلام کو آزاد کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ اگر کوئی غصّہ میں اپنی بیوی کو اپنے اُوپر حرام کر لیتا یعنی ''ظہار کر بیٹھتا'' تو اُسے دوبارہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے کے لیے خدائی حکم یہ ملتا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ یعنی ایک غلام آزاد کرے۔ اسی طرح سورج یا چاند کے گرہن کے بد اثرات سے بچنے کے لیے، آپ ﷺ اپنے اصحابؓ کو جنگی قیدی یا غلام کی آزادی کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ فوت شدہ والدین کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر جہاں پر آپ ﷺ نے اَور کئی طریق بتائے وہاں پر آپ ﷺ نے ایک طریق غلام کو آزاد کرنے کا بھی بیان فرمایا۔ کسی بھی شخص کو مارنا یا قتل کرنا تو اسلام میں سخت منع ہے۔ ہاں! لیکن اگر کوئی غلطی سے ایسا جرم کر بیٹھے تو، قرآن کریم اُسے یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ایک جنگی غلام کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کروائے۔ جیسا کہ فرمایا: وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مُّؤۡمِنَۃٍ۔(النساء:۹۳) یعنی جو (مومن) کسی مومن کو نادانستہ قتل کر دے تو (اس پر) ایک مومن (غلام کی) گردن کا آزاد کرنا ہو گا۔

بعض انسانوں کا وتیرہ ہوتا ہے کہ وہ ہر بات پر قسم کھاتے ہیں جس کو لغو قسمیں کہا جاتا ہے، ایسی قسموں پر تو کوئی گرفت نہیں لیکن اگر کوئی ایسی قسم کھاتا ہے جو پکّی ہو تو ایسی قسم کو توڑنے کا کفارہ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، اُس میں بھی ایک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا عَقَّدۡتُّمُ الۡاَیۡمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُہٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَہۡلِیۡکُمۡ اَوۡ کِسۡوَتُہُمۡ اَوۡ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ۔ (المائدہ:۹۰) یعنی اللہ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑے گا لیکن وہ تمہیں ان پر پکڑے گا جو تم نے قسمیں کھا کر وعدے کئے ہیں۔ پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو اوسطاً تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن آزاد کرنا ہے۔

اگر کوئی جنگی قیدی پڑھا لکھا ہوتا اور اس کو چھڑوانے والا کوئی نہ ہوتا، تو رسول ﷺ کے دربار سے اس کے لیے یہ ارشاد جاری ہوتا کہ وہ بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سیکھا دے تو اُس کی گردن سے قیدی کا طوق اُتار لیا جائے گا۔جنگی قیدی کو اسیری سے رہائی اس بات سے بھی مل جاتی تھی کہ اگر کوئی غلام نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اس بات کا عہد کرتا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لے گا، تو اس کو اس عہد کی وجہ سے بھی اسیری سے رہائی مل جایا کرتی تھی۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ''کسی شخص کے قبضہ میں کوئی ایسا غلام آجاوے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہے تو وہ غلام خود بخود آزاد سمجھا جائے گا۔'' (ابن ماجہ کتاب العتق، سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ ۴۴۳)

مکاتبت کر کے جنگی قیدیوں کو چھوڑنے کا الٰہی حکم

مکاتبت کر کے بھی جنگی قیدیوں کو آزادی مل جایا کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَالَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّاٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰکُمۡ۔(النور:۳۴) یعنی تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مکاتبت کا مطالبہ کریں اگر تم ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کر لو اور (اگر ان کے پاس پورا مال نہ ہو تو) جو اللہ نے تم کو مال دیا ہے اس میں سے کچھ مال دے (کر ان کی آزادی ممکن بنا) دو۔ اللہ تعالیٰ نے جنگی قیدی کو جہاں تاوان لے کے چھوڑنے کا حکم دیا، تو دوسری طرف اُس قیدی کو تسلی بھی دی کہ تمہاری تاوان کی رقم رائیگاں اور ضائع نہیں جائے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر دینے پر طاقت رکھتا ہے اور دے گا۔ ہاں! لیکن صرف اس دُنیا کی نعمت ہی نہیں دے گا، بلکہ اگر تمہارے اندر بھلائی اور نیکی کرے کے آثار دیکھے گا تو تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّمَنۡ فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنَ الۡاَسۡرٰۤی ۙ اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (الانفال:۷۱) اے نبی! جو لوگ تمہارے ہاتھوں میں (جنگی) قیدیوں کی حیثیت میں ہیں ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے (تاوان جنگ کے طور پر) لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور (علاوہ ازیں) تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکاتبت کر کے جنگی قیدی کو چھوڑنے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''غلاموں کے متعلق بھی حکم دیا کہ اوّل تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو فدیہ لے کر رہا کر دو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ خود فدیہ دے اُس کے رشتہ دار بھی دے سکتے ہیں۔حکومت بھی دے سکتی ہے اور اگر گورنمنٹ لاپرواہ ہو، رشتہ دار ظالم ہوں اور خود غریب ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے ساتھ طے کر لو کہ مجھ پر کیا تاوان جنگ عاید ہوتا ہے اور پھر کہہ دے کہ مجھے اس تاوان کی ادائیگی کے لیے اتنی مہلت دے دو، میں اس عرصہ میں اس قدر ماہوار روپیہ ادا کر کے تاوانِ جنگ دے دوں گا۔ اس معاہدہ کے معاً بعد وہ آزاد ہو جائے گا اور مالک کا کوئی حق نہیں ہو گا کہ وہ کتابت میں کسی قسم کی روک پیدا کرے۔ کتابت کا روکنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ خیر نہ ہو، یعنی جنگ کا خطرہ ہو، یا یہ کہ وہ پاگل اور کم عاقل ہو، خود کما نہ سکتا ہو اور خطرہ ہو کہ وہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھائے گا۔'' (تفسیر کبیر جلد ۸، صفحہ ۵۰۶)

جنگی قیدیوں پر خرچ کرنے کی ہدایت

قرآن کریم نے جن لوگوں پر مال خرچ کرنے کا ارشاد فرمایا ہے اُن میں سے ایک جنگی قیدی یا غلام بھی ہے۔ بلکہ اس کی اس نیکی کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یوں آتا ہے: وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ۔ (البقرہ:۱۷۸) یعنی کامل نیک وہ شخص ہے جو اللہ 'روز آخرت' ملائکہ (الٰہی) کتاب اور سب نبیوں پر ایمان لایا اور اس (اللہ) کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کو اور سوالیوں کو نیز غلاموں (کی آزادی) کے لیے (اپنا) مال دیا۔ ایک اور جگہ مومنوں کی یہ نشانی بیان فرمائی گئی ہے کہ وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ

مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا۔ (الدھر:۹) اور وہ کھانے کو، اس کی چاہت کے ہوتے ہوئے، مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی غلام کی ملکیت میں دوسروں کے ساتھ حصہ دار ہو، اور وہ اپنے حصے میں غلام کو آزاد کر دے، تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے دوسرے حصہ داروں کو بھی روپیہ دے کر غلام کو کلیۃً آزاد کرا دے، اور اگر اس کے پاس اتنا روپیہ نہ ہو تو پھر بھی غلام کو عملاً آزاد کر دیا جائے گا، تا وہ خود اپنی کوشش سے بقیہ قیمت پیدا کرے اور دوسرے مالکوں کو ادا کر کے کلی طور پر آزاد ہو جائے، اور اس معاملہ میں غلام کو ہر قسم کی سہولت دی جائے گی۔'' (بخاری کتاب العتق، سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۴۴۳)

جنگی قیدی کو آزاد کروانا جنت میں لے جانے کا ایک ذریعہ

رسول خدا ﷺ نے جنگی قیدی کی رہائی کو ایک ثواب کا کام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ (صحیح البخاری، کتاب العتق، حدیث نمبر ۲۵۱۷)
حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی مرد نے کسی مسلمان (قیدی یا غلام) کو آزادی دلوائی، تو اللہ تبارک تعالیٰ اس آزاد کردہ غلام کے جسم کے اعضاء کے بدلے میں (آزاد کروانے والے) کے جسم کے ہر عضو کو آگ سے محفوظ رکھے گا۔

ایک اَور حدیث میں یوں آیا ہے کہ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ قَالَ: لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ أَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ۔ قَالَ: أَوَ لَيْسَا وَاحِدًا۔ قَالَ: لَا عِتْقُ النَّسَمَةِ۔ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا وَفَكُّ الرَّقَبَةِ۔ أَنْ تُعِينَ فِي ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ۔ یعنی ایک اعرابی شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے نہایت مختصر الفاظ میں ایک بہت بڑا سوال کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اُس کو اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: غلام کو آزاد کراؤ۔ اور کسی غلام (یا قیدی) کی آزادی میں مدد کرو۔ اس سوالی نے عرض کی (اے اللہ کے رسول ﷺ!) کیا دونوں ایک ہی عمل نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: نہیں! (دونوں ایک نہیں) پھر آپ ﷺ نے بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا یعنی اکیلے ہی کسی غلام کو آزادی سے نجات دلانا اور وَفَكُّ الرَّقَبَةِ۔ أَنْ تُعِينَ فِي ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ یعنی کسی غلام کی آزادی میں کسی کی مال وغیرہ کے ذریعہ مدد کرنا۔ (مشکوٰۃ کتاب العتق، حدیث نمبر ۳۳۸۴)

صحابہ کرامؓ کے جنگی قیدیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کے اعلیٰ نمونے

حضرت ابی عزیز بن عمیر رضی اللہ عنہ (جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں) کہتے ہیں: مَیں بدر کے دن جنگی قیدیوں میں سے تھا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جنگی قیدیوں سے اچھے سلوک کی تلقین کی۔ اور میں انصار کی ایک جماعت میں تھا تو جب وہ ان کو صبح کا یا شام کا کھانا پیش کرتے تو خود کھجوریں کھا لیتے اور مجھے روٹی کھلاتے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے متعلق اچھے سلوک کا حکم دیا تھا۔ (معجم صغیر للطبرانی کِتَابُ الْجِهَادِ۔ الفضل انٹرنیشنل ۴؍دسمبر ۲۰۲۳ء)

ابو نوار جو روئی کے کپڑوں کی تجارت کرتے تھے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی دکان پر آئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو ٹھنڈی قمیصیں خریدیں اور پھر اپنے غلام سے کہنے لگے کہ ان میں سے جو قمیص تم چاہو لے لو۔ چنانچہ غلام نے ایک قمیص چن لی اور جو دوسری قمیص رہ گئی وہ حضرت علیؓ نے خود پہن لی۔ (اسد الغابہ حالات حضرت علی جلد ۴ صفحہ ۲۴۔ سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۴۳۶)

جنگی قیدیوں سے حُسنِ سلوک کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے بے مثل ارشادات

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ پس جب کسی شخص کے ماتحت کوئی غلام ہو تو اسے چاہیے کہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی لباس دے جو خود پہنتا ہے، اور تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو، اور اگر کبھی ایسا کام دو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کیا کرو۔ (بخاری کتاب العتق، سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۴۳۴)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمانو! تم یوں نہ کہا کرو کہ میرا غلام میری لونڈی بلکہ یوں کہا کرو کہ میرا آدمی میری عورت اور غلام بھی اپنے آقا کو رب یعنی مالک نہ کہا کرے بلکہ سیّد اور بزرگ کہہ کر پکارا کرے۔ (بخاری کتاب العتق، سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۴۳۶)

حضرت معرور بن سویدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کو دیکھا کہ جیسے اُن کے کپڑے تھے، ویسے ہی اُن کے غلام کے تھے، اس کی وجہ پوچھی کہ آپ کے کپڑے اور آپ کے غلام کے کپڑے ایک جیسے کیوں ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کو اس کی ماں کا طعنہ دیا، جو لونڈی تھی۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تُو تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک کفر کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ غلام کیا ہیں؟ تمہارے بھائی ہیں اور تمہاری طاقت کا ذریعہ ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کسی حکمت کے ماتحت وہ کچھ عرصے کے لیے تمہارے قبضے میں آجاتے ہیں۔ پس چاہیے کہ جس کا بھائی اس کی خدمت تلے آجائے وہ جو کچھ خود کھاتا ہے اُسے کھلائے۔ اور جو کچھ خود پہنتا ہے اُسے پہنائے۔ اور تم میں سے کوئی شخص کسی غلام سے ایسا کام نہ لے جس کی اُسے طاقت نہ ہو، اور جب تم انہیں کوئی کام بتاؤ تو خود بھی ان کے ساتھ مل کر کام کیا کرو۔ (مسلم کتاب الایمان، الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۱ء، صفحہ ۳۸)

ایک اَور موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خادم یا غلام جب کھانا لائے تو اُسے بھی ساتھ بٹھا کر اس میں سے کھلاؤ۔ اگر وہ نہ مانے تو کچھ کھانا ہی دے دو کہ اس نے کھانا تیار کرتے ہوئے گرمی اور دھواں کھایا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ باب ۱۹، الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۱ء، صفحہ ۳۸)

جنگی لونڈیوں کے ساتھ شادی کرنے یا شادی کروانے کے بارے میں احکامات

چونکہ عورتیں بھی جنگوں میں شامل ہوتی تھیں اور مفتوحہ ہونے کی صورت میں ان کو بھی غلامی کی زنجیر پہنا دی جاتی تھی۔ نبی پاک ﷺ کے نزول سے پہلے ایسی عورتوں کی کوئی قدر نہ کی جاتی تھی اور وہ مکمل طور پر اپنے مالک کی لونڈی تصور کی جاتی تھی۔ اُس کا مالک جو چاہتا، اُس کے ساتھ سلوک کرتا۔ اُس سے بُرے کام کرواتا اور اِس ذریعہ سے رقم کماتا۔ اس قبیح فعل کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔ (النور:۳۴) اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ شادی کرنا چاہیں تو (روک کر مخفی) بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیوی زندگی کا فائدہ چاہو۔ اور اگر کوئی ان کو بے بس کر دے گا تو ان کے بے بس کیے جانے کے بعد یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

لیکن اسلام نے مالک کو پابند کیا کہ وہ یا تو اُس کے ساتھ خود شادی کرے یا اُس کی شادی کا انتظام کروائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ۔ (النور:۳۳) اور اپنے میں سے جو بیوائیں ہیں اور جو اپنے غلاموں یا لونڈیوں میں سے نیک ہوں ان کی شادیاں کر دیا کرو۔

حضرت ابو بردہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ بہت اچھی طرح اسے تعلیم دے اور بہت اچھی طرح اس کی تربیت کرے اور پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرے تو ایسا شخص خدا کے حضور دوہرے ثواب کا مستحق ہو گا۔ (بخاری کتاب النکاح، سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ ۴۴۰)

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ غلام یا لونڈی کی شادی کے بعد ان کا آقا یا مالک ان کے معاملات میں مداخلت کرے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک غلام حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے آقا نے اپنی لونڈی کے ساتھ میری شادی کر دی تھی، پھر اب وہ چاہتا ہے کہ ہمارے نکاح کو توڑ کر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ آپ ﷺ یہ بات سن کر غصے کی حالت میں منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے مسلمانو! یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کرتے ہو اور پھر خود بخود اپنی مرضی سے ان میں علیحدگی کرانا چاہتے ہو؟ سن لو کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ طلاق دینے کا حق صرف خاوند کو ہے اور تم اپنے غلاموں کو طلاق نہیں دے سکتے۔ (ابن ماجہ کتاب الطلاق، سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۴۳۸)

پردے کے معاملے میں جنگی قیدی کے ساتھ قریبی رشتہ داروں جیسا سلوک

پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتیں آج تک کسی نہ کسی طرح موقع کی مناسبت سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قرآن کریم میں بیان کر دیا ہے کہ کس سے پردہ کرنا ہے اور کس سے نہیں کرنا۔ پردے کے احکامات میں نرمی جن رشتہ داریوں یا عزیزوں سی کی ہے اُن میں اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ کہہ کر جنگی قیدی یا غلام کو بھی شامل کر دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے: وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا...وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ...اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ۔ (النور:۳۲) اور مومن عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے کہ جو اس میں سے از خود ظاہر ہو...اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے... یا اپنے زیرنگیں مردوں کے لیے۔

جنگی قیدی کو مارنے پیٹنے کی سختی سے ممانعت

جنگی قیدی کو مارنا ایک عام سی بات سمجھی جاتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اُن پر ہاتھ اُٹھ جایا کرتے تھے۔ اور پھر اُن ہاتھوں کو روکنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ جب تک آقا دل بھر کر اپنا غصہ نہ نکال لیتا اُس وقت تک اُس کو چین نہ آتا تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ایسی حرکات سے لوگوں کو منع کیا۔ حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کسی بات پر اپنے غلام کو مارا۔ اس وقت میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی کہ کوئی شخص کہہ رہا تھا: ابومسعود یہ کیا کرتے ہو؟ مگر غصہ کی وجہ سے میں نے اس آواز کو نہ پہچانا اور غلام کو مارتا ہی گیا۔ اتنے میں وہ آواز میرے قریب آ گئی اور میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ یہی آواز دیتے ہوئے میری طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں کہ دیکھو ابومسعود! یہ کیا کرتے ہو؟ آپ ﷺ کو دیکھ کر میری چھڑی میرے ہاتھ سے گر گئی اور آپ ﷺ نے غصہ کی نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''ابومسعود! تمہارے سر پر ایک خدا ہے، جو تمہارے متعلق اس سے بہت زیادہ طاقت رکھتا ہے، جو تم اس غلام پر رکھتے ہو۔'' مَیں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں خدا کی خاطر اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہارے منہ کو جھلستی۔'' (مسلم کتاب الایمان باب ۳۵، سیرت خاتم النبیینؐ، صفحہ ۴۳۷) ایک اَور جگہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے تو اللہ کو یاد کر لے۔ یعنی مارنے والا اللہ سے خوف کرے۔ (جامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی اداب الخادم) آپ ﷺ نے غلاموں اور لونڈیوں کا یہ حق قرار دے دیا کہ اگر کوئی انہیں سزا دے تو اس کے کفارے کے طور پر انہیں آزاد کر دے۔ چنانچہ حضرت سوید بن مقرنؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے اور ہمارے پاس صرف ایک غلام تھا۔ ہم میں سے کسی کو کسی بات پر غصہ آیا تو اس نے غلام کو طمانچہ رسید کر دیا۔ رسول کریم ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس غلام کو آزاد کر دیں۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۶۵۷، سنن الترمذی حدیث ۱۵۴۲)
معاویہ بن سوید روایت کرتے ہیں کہ میرے گھر ایک غلام تھا۔ مَیں نے اس کو مارا۔ پھر والد کے خوف سے گھر سے بھاگ گیا۔ ظہر کے وقت آیا اور والد کے پیچھے نماز پڑھی۔ بعد نماز

والد نے مجھ کو اور غلام کو بلایا، غلام کو حکم دیا کہ تم اپنا بدلہ لے لو۔ اس نے مجھ کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد والد نے یہ واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہمارے خاندان بنی مقرن میں صرف ایک غلام تھا، ہم میں سے کسی نے اس کو مار دیا۔ رسول ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی خادم نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا، جب تک دوسرے خادم کا انتظام نہ ہو جائے، اس سے کام لو۔ لیکن جیسے ہی انتظام ہو جائے اس کو آزاد کر دو۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب صحبة المماليك وكفارة من يطعم عبده۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب في حق المملوك) حضرت عمر بن الحکمؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی لونڈی کے بارے میں عرض کیا کہ وہ میری بکریاں چراتی ہے۔ ایک دن ایک بکری گم ہوگئی۔ مَیں نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ بھیڑیے نے کھالیا۔ مجھے بہت افسوس ہوا، انسان ہی تھا غصہ آ گیا اور لونڈی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ کیا اسی آن اس کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلا کر پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر۔ پھر پوچھا: مَیں کون ہوں؟ اس نے کہا آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (موطا امام مالک، کتاب العتق والولاء، باب مايجوز من العتق في الرقاب الواجبة) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا کہ ہم غلاموں کو کتنی بار معاف کر دیا کریں۔ آپ ﷺ اس کی بات سن کر خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا کتنی مرتبہ اسے معاف کریں۔ آپ ﷺ اب بھی خاموش رہے۔ جب اس نے تیسری بار یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”ہر روز ستّر مرتبہ اسے اس کی غلطی پر معاف کر دیا کرو۔“ (سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب في حق المملوك، الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۱ء، صفحہ ۳۷)

جنگی قیدی یا غلام

ایک دوسرے کی وراثت کے مالک

رسولِ خدا ﷺ نے غلام اور آقا کو ایک دوسرے کی وراثت کا حق بھی عطا فرما رکھا تھا۔ یعنی اگر غلام بے وارث مرتا تو اس کا ترکہ اس کے آزاد کرانے والے کو جاتا تھا اور اگر مالک بے وارث رہ جاتا تو اس کا ورثہ اس کے آزاد کردہ غلام کو ملتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آزاد شدہ غلام لاوارث مر جائے تو اس کا ترکہ آزاد کروانے والے کو ملے گا۔ (بخاری کتاب العتق باب بيع الولاء وهبة) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص فوت ہوگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں تھا سوائے ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا ترکہ اس غلام کو دے دیا۔ (ترمذی ابواب الفرائض) چونکہ اس حق وراثت کی بنیاد مالی اور اقتصادی خیالات پر مبنی نہیں تھی بلکہ اصل منشا مالک اور آزاد کردہ غلام کے تعلق کو قائم رکھنا تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ یہ حق موروثیت کسی صورت میں بھی بیع یا ھبہ وغیرہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد کردہ غلام اور آقا کے حق موروث کی خرید و فروخت اور اس کے ھبہ وغیرہ سے منع فرمایا۔ (بخاری کتاب العتق باب بيع الولاء وهبة، الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۱ء، صفحہ ۳۸)

زکوٰۃ کے اموال میں جنگی قیدی کا حق

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو مالی نظام مقرر فرمایا اُس کو زکوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔ اس نظام کے جو مصارف ہیں، یعنی کن لوگوں پر زکوٰۃ کی رقم کو خرچ کرنا ہے۔ اُن میں ”وَفِي الرِّقَابِ“ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے غلاموں کا ذکر کیا۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِي الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ۔ (التوبہ:۶۰) یعنی صدقات تو صرف فقراء اور مساکین کے لئے ہیں اور ان کے لیے جو ان صدقات کے جمع کرنے کے لئے مقرر کیے گئے ہیں۔ نیز ان کے لئے جن کے دلوں کو (اپنے ساتھ) جوڑنا مطلوب ہو اور اسی طرح قیدیوں اور قرض داروں کے لیے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حُسنِ سلوک کے غیر بھی معترف

رسول اللہ ﷺ کا جنگی قیدیوں کے ساتھ جو بے مثال حسن سلوک تھا، اُس کا اعتراف اپنے اور بیگانے آج تک کرتے ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب ’لائف آف محمد‘ میں مسلمانوں کے اسیرانِ بدر کے ساتھ سلوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت میں اہالیانِ مدینہ اور وہ مہاجرین جنہوں نے یہاں اپنے گھر بنا لیے تھے، ان کے پاس جب (بدر کے) قیدی آئے، تو انہوں نے ان سے نہایت عمدہ سلوک کیا۔ بعد میں خود ایک قیدی کہا کرتا تھا کہ ”اللہ رحم کرے مدینہ والوں پر۔ وہ ہمیں سوار کرتے تھے اور خود پیدل چلتے تھے۔ ہمیں کھانے کے لیے گندم کی روٹی دیتے تھے، جس کی اس زمانے میں بہت قلت تھی اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے۔“ اس لحاظ سے یہ بات تعجب خیز نہیں ہونی چاہیے کہ بعد میں جب ان قیدیوں کے لواحقین فدیہ لے کر انہیں آزاد کروانے آئے۔ ان میں سے کئی قیدیوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور ایسے تمام قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا۔“ (The life of Mahomet By Sir William Muir Vol.1 Page246)، الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۱ء، صفحہ ۳۹)

☆...☆...☆

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا   وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

ابتدائی اسلامی جنگوں کا موجودہ دور کی جنگوں سے موازنہ

(ڈاکٹر محمد داؤد مجوکہ۔ جرمنی)

اقوام متحد کے کمیشن کے وضع کردہ تمام پانچوں اصولوں کے مطابق ابتدائی اسلامی جنگیں جائز اور ضروری قرار پاتی ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں موجودہ دور کی اکثر جنگیں ان اصولوں کے مطابق غلط اور ناانصافی پر مبنی ہیں۔ جنگوں کے دوران طرزعمل اور جنگ کے بعد عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے پائیدار امن کی کوششوں کو دیکھا جائے تو ابتدائی اسلامی جنگوں اور موجودہ دور کی اکثر جنگوں میں کوئی موازنہ ہی نہیں

اس زمانے میں اسلام کے خلاف جو اعتراضات اکثر کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حصے کا تعلق ابتدائی اسلامی جنگوں سے ہے۔ یعنی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جنگوں کے ضمن میں مغربی تہذیب کی تعلیم اسلامی تعلیم سے برتر ہے۔ چنانچہ ذیل میں ابتدائی اسلامی جنگوں کا موجودہ زمانے کی جنگوں سے موازنہ کیا گیا ہے۔ یہاں ’’ابتدائی اسلامی جنگوں‘‘ سے مراد آنحضورؐ کے زمانے میں لڑی گئی جنگیں ہیں۔ جبکہ ’’موجودہ دور کی جنگوں‘‘ سے مراد گذشتہ سو سال یعنی ۱۹۲۶ء سے ۲۰۲۶ء کی جنگیں ہیں۔ مگر موازنہ کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ موازنے کا پیمانہ کیا ہو گا؟

موازنہ کرنے کا پیمانہ

جب دو مختلف زمانوں، دو مختلف اقوام، دو مختلف علاقوں کی جنگوں کا موازنہ کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے یقیناً ایسا پیمانہ ہونا چاہیے جو جانبدار نہ ہو۔ ہم اس کے لیے اسلامی تعلیم سے کوئی پیمانہ مقرر کرنے کی بجائے اقوام متحدہ کے بیان کردہ پیمانے پر ان جنگوں کو پرکھ سکتے ہیں تا کوئی یہ نہ کہے کہ پیمانہ ہی ایسا منتخب کیا گیا ہے جو ابتدائی اسلامی جنگوں کو بہتر ثابت کرے! اقوام متحدہ کے سابق جنرل سیکرٹری، کوفی عنان صاحب، نے ۲۰۰۳ء میں ایک کمیشن قائم کیا جس کا مقصد سلامتی کونسل کو وہ اصول فراہم کرنا تھا جن کی بنا پر جنگ کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اس کمیشن نے ۲۰۰۴ء میں پانچ اصول وضع کیے۔(Lango, The Ethics of Armed Conflict, Edinburgh, 2014) یہ اصول واقعی زمانہ کی قید سے آزاد اور ہر مذہب و ملت کے لیے یکساں اہم ہیں:

۱۔خطرے کی سنگینی: یعنی کسی کو لاحق خطرہ اس نوعیت کا اور اتنا سنگین ہے کہ اس کے جواب میں جنگ ضروری سمجھی جائے؟

۲۔ وجہ جنگ: جنگ کا مقصد ایسے کسی خطرہ یا ظلم کو روکنا ہے؟

۳۔ جنگ بطور آخری حیلہ: کیا جنگ سے پہلے تمام دیگر ذرائع استعمال کر لیے گئے ہیں؟

۴۔توازن: کیا جنگ کا دائرہ کار، اس کا دورانیہ، اس کی سختی اس سے زیادہ تو نہیں جو ضروری ہے؟

۵۔ نتائج و مضمرات: کیا جنگ کی کامیابی کا امکان ہے اور جنگی نقصان، جنگ نہ کرنے کی صورت میں ہونے والے نقصان سے کم ہو گا؟

کمیشن کے مطابق اگر یہ پانچ امور جنگ کی اجازت دیتے ہوں، تو پھر جنگ کی اجازت ہونی چاہیے ورنہ نہیں۔ یہ اصول جنگ کی ابتدا کے متعلق ہیں۔ لیکن جب جنگ کا آغاز ہو جائے تو ہم مزید دو امور میں جنگوں کا موازنہ کر سکتے ہیں اور یہ دونوں امور بھی وقت، قوم، مذہب وغیرہ کی قید سے ایک حد تک آزاد ہیں یعنی:

۶۔طرزعمل: جنگ کے دوران طرزعمل کیا تھا؟ اس میں دشمن فوجیوں، شہریوں، قیدیوں، مقتولین کے ساتھ سلوک سب شامل ہے۔

۷۔ جنگ کا اختتامیہ: مفتوحین کے ساتھ کیا طرزعمل اپنایا گیا؟ جنگ کے بعد امن کو قائم رکھنے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

چنانچہ ذیل میں انہی سات اصولوں پر ابتدائی اسلامی اور موجودہ دَور کی جنگوں کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۔خطرے کی سنگینی

جہاں تک ابتدائی اسلامی جنگوں کا تعلق ہے تو خطرے کی سنگینی اظہر من الشّمس ہے۔ مسلمانوں پر اس وقت نہ صرف ظلم ہو رہا تھا بلکہ ان پر حملہ کیا گیا تھا۔ قرآن کریم وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا۔ (الحج:۴۰) یعنی جنگ کی اجازت اس لیے دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ظلم کے ساتھ جنگ مسلط کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل سیرت اور تاریخ کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔ مسلمانوں کے مکمل معاشرتی مقاطعہ، معاشی قتل، کھانے پینے کی اشیا کی خرید و فروخت پر پابندی، جلاوطنی، جائیدادوں پر قبضہ، ناقابل برداشت جسمانی تشدد، بہیمانہ قتل وغیرہ کے بعد جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اہل مکہ نے تپتے ریگستان میں کئی سو کیلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ پر اس وقت حملہ کیا جبکہ مسلمان تعداد میں کم، ساز و سامان سے تہی اور فنون جنگ سے نابلد تھے۔ اور اس ارادے کے ساتھ حملہ کیا گیا کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ سنگین خطرہ کیا ہو سکتا ہے؟ دنیا کی تاریخ میں اگر کبھی دفاعی جنگ کا جواز موجود تھا تو وہ یہی موقع تھا۔

اس کے برعکس موجودہ زمانے کی جنگوں کو دیکھا جائے تو بالکل متضاد صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ خطرہ تو دور کی بات ہے مغربی اقوام نے خود ہزاروں کلومیٹر دور جا کر دیگر اقوام کے علاقوں پر قبضہ کیا اور یوں دوسروں کے لیے خطرہ ثابت ہوئیں۔ مثلاً براعظم امریکہ یا براعظم آسٹریلیا سے مغربی اقوام کو کوئی خطرہ نہ تھا جس کے جواب میں وہاں قبضہ اور مقامی آبادی کو وسیع پیمانے پر تہ تیغ کیا گیا۔ افریقہ، ہندوستان، مشرق وسطیٰ، چین، مشرق بعید نے کسی یورپی علاقہ پر حملہ نہ کیا تھا جس کے جواب میں ان کی آزادی سلب کی گئی۔ یہ تو گذشتہ صدیوں کی بات ہے۔ اگر آج کی صورتحال دیکھیں تو بھی یہی منظر نامہ ہے۔ گذشتہ سال اور اس سال از سر نَو امریکہ نے ایران کے خلاف جو غیر قانونی، غیر اخلاقی، جارحانہ جنگ شروع کی، اس سے پہلے ایران نے امریکہ پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔ ان ممالک کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ سپین کے سوا کسی یورپی ملک نے امریکی جارحیت کو غلط نہیں کہا بلکہ اکثر نے امریکہ کو اس زیادتی کے لیے ہوائی اڈے مہیا کیے جن میں جرمنی اور برطانیہ سر فہرست ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس اصول کے تحت ابتدائی اسلامی جنگیں تو جائز قرار پاتی ہیں مگر موجودہ دور کی اکثر جنگوں کو غلط قرار دینا پڑتا ہے۔

۲۔ وجہ جنگ

آج کل اکثر جنگوں کی حقیقی وجہ مالی یا سیاسی مفادات ہوتے ہیں۔ چنانچہ انیسویں صدی کے شہرہ آفاق جرمن جرنیل اور عسکری مدبر کلاؤزے وِٹس کا کہنا تھا: ’’جنگ سیاسی حکمت عملی کا محض دیگر ذرائع سے تسلسل ہے۔‘‘(Clausewitz, On War, P38) اسی طرح بیسویں صدی کے برطانوی مؤرخ پی ایم ایچ بیل کا کہنا ہے کہ ’’جنگ سیاسی حکمت عملی کا ایک طریق ہے۔‘‘(Bell, The Origins of the Second World War in Europe, 2013, P10) پس جنگیں اب سیاسی مقاصد کی خاطر لڑی جاتی ہیں اور بین الاقوامی سیاست مالی مفادات پر مبنی ہے۔ دنیا بھر میں بعض ممالک نے جو فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں ان کا مقصد امریکہ یا برطانیہ یا فرانس کی سر زمین کا دفاع نہیں بلکہ اپنے تجارتی مفادات کی حفاظت اور اس سے بھی بڑھ کر دیگر ممالک کی تجارت یا ان کے قدرتی وسائل پر تسلط ہے۔ جرمن چانسلر ہٹلر نے صاف کہا کہ اعلیٰ نسلوں کی ترقی کے لیے نئے علاقے، وہاں کے قدرتی وسائل اور وہاں کی افرادی قوت کو صنعتی پیداوار بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔(Hitler, Mein Kampf, 1936, P148-149) اس دَور میں اکثر جنگیں انہی مقاصد کی خاطر لڑی جاتی ہیں، گو اتنے واشگاف الفاظ میں اس کا اعلان نہ کیا جاتا ہو۔

برطانیہ و فرانس نے اسرائیل کے ساتھ مل کر ۱۹۵۶ء میں مصر پر حملہ کیا تو برطانوی دفتر خارجہ کے سب سے اعلیٰ افسر، Kirkpatrick، کا وہ خط ریکارڈ پر ہے جس میں اس نے لکھا:

If Middle Eastern oil is denied to us for a year or two, our gold reserves will disappear. If our gold reserves disappear, the sterling area disintegrates. If the sterling area disintegrates and we have no reserves, we shall not be able to maintain a force in Germany, or indeed, anywhere else. I doubt whether we shall be able to pay for the bare minimum necessary for our defence. And a country that cannot pay provide for its defence is finished. (Kyle, Suez: Britian's End of Empire in the Middle East, 2011, P225-226)

یعنی یہ جنگ اس لیے شروع کی گئی کہ برطانیہ کے خیال میں مصر نے برطانیہ کو نہر سویز کے ذریعہ تیل کی ترسیل بند کر دینی تھی۔ اس جنگ میں ہزاروں لوگ مارے گئے، شہری بھی اور فوجی بھی۔

اس طرز فکر کے برعکس ابتدائی اسلامی جنگوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا (الحج:۴۰) یعنی اوّل تو جنگ کی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن پر پہلے حملہ ہو چکا ہے یعنی دفاعی جنگ ہے۔ پھر: الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ۔ اس جنگ سے پہلے انہوں نے یہاں تک جنگ سے بچنے کی کوشش کی کہ اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا مگر پھر بھی انہیں امن سے نہیں رہنے دیا گیا۔ ایسا دو مرتبہ ہوا۔ پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ پھر: اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ سوئم: جنگ ان پر محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے مسلط کی گئی نہ کہ کسی سیاسی یا مالی مفاد کی خاطر۔ مکہ کے مسلمان نسلی، معاشی، معاشرتی یا اَور کسی طور پر مشرکینِ مکہ سے مختلف نہ تھے کہ ان پر ظلم کیا جاتا۔ ان مسلمانوں پر ظلم کی واحد وجہ ان کا دین تھا۔ چنانچہ مزید تشریح فرمائی: وَقٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۴) ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ نہ ختم ہو جائے اور دین محض خدا کے لیے نہ ہو جائے۔ یعنی کسی کو دین کے معاملے میں خوف نہ رہے بلکہ جو چاہے جس دین کو چاہے اختیار کر لے۔ پھر اگر وہ رک جائیں، یعنی جارحیت بند کر دیں تو ظالموں کے سوا کسی پر حملہ نہیں کرنا۔

موجودہ دَور کی غیر اخلاقی، خود غرضی اور ناجائز وجوہات پر مبنی ظالمانہ جنگوں کا ایسی دفاعی جنگوں کے ساتھ کیا مقابلہ جو محض خدا کی خاطر ظلم برداشت کرنے اور تمام کوششیں کر چکنے کے بعد مجبوراً لڑی گئیں۔

۳۔ جنگ بطور آخری حیلہ

آنحضورؐ نے دفاعی جنگ کے آغاز سے پہلے درحقیقت

تمام حیلے کیے۔ دو مرتبہ تو مسلمانوں نے ہجرت کی، اس کے علاوہ مال و جائیداد کا نقصان قبول کیا، رشتے ٹوٹے، اتنے سخت مقاطعہ کا سامنا کیا کہ متعدد بزرگ اس کے مضر اثرات کے نتیجے میں وفات پا گئے۔ مسلمانوں نے دل خراش بدنی مظالم بھی برداشت کیے۔ غرض اپنے حقوق کی کوئی ایسی قربانی نہ تھی جو مسلمانوں نے نہ دی ہو مگر جنگ نہ کی۔ جب مدینہ ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے مدینہ پر حملہ کر کے وہاں بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کم تعداد، ناتجربہ کاری، سامانِ حرب کی کمی بلکہ فقدان کے باوجود مجبوراً انہیں اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اگر مسلمان ایسا نہ کرتے تو فنا ہو جاتے۔ فرمایا: وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا (الحج:۴۱) اگر ایسی دفاعی جنگ کی اجازت دے کر حملہ آور لوگوں کو دفع دور نہ کیا جائے تو تمام مذاہب کی عبادت گاہیں تباہ کر دی جاتیں کیونکہ مشرکینِ مکہ تمام مواحد مذاہب کے خلاف تھے۔ قرآن کریم یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ آخری لمحے تک مسلمان جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے: کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَہُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ (البقرۃ:۲۱۷) تم پر یہ جنگ مقرر کی گئی ہے جبکہ تمہیں اس سے کراہت ہے! اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ حدیبیہ میں جب مسلمانوں کے سامنے ہتک آمیز اور غیر منصفانہ شرائط رکھی گئیں تو آپؐ نے باوجود طاقتور ہونے کے ان کو قبول فرما لیا حالانکہ آپؐ کے قریبی صحابہؓ بھی ان شرائط سے متفق نہ تھے۔

اکثر طاقتور فریق جنگ سے بچنے کی حقیقی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایسی شرائط پر اصرار کرتا ہے جو دوسرے فریق کے لیے ناقابل قبول ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسری جنگِ عظیم سے پہلے جرمنی نے پولینڈ سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے مشرقی پروشیا تک ریل اور سڑک کا راستہ دے۔ (Toland, Adolf Hitler, Vol 2, P 710-740, Crozier, The Causes of the Second World War, P150-151) پولینڈ نے اس کا جواب نہیں دیا جس پر بہانہ بنا کر حملہ کر دیا گیا ورنہ جرمنی کو پولینڈ سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ دونوں میں طاقت کا عدم توازن اس قدر تھا کہ یکم ستمبر کو جنگ شروع ہوئی اور ۲۷/ستمبر کو پولینڈ نے ہتھیار ڈال دیے!

امریکہ کی ایران کے خلاف حالیہ جنگ میں ایران سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تمام جوہری اور میزائل پروگرام بند کرے اور اپنا جوہری مواد امریکہ کے حوالے کرے۔ ظاہر ہے کہ کوئی خود دار ملک ایسا نہیں کرسکتا۔ اس پر اس کے خلاف جنگ شروع کر دی گئی۔ بلکہ مذاکرات کے دوران ہی امریکہ نے ایران پر حملہ کر دیا۔ (pbs news, 28.02.2026, nbc news 28.02.2026) جس کے نتیجے میں ایرانی سفارت کار مارے گئے جو کہ اپنی ذات میں امریکہ کا ناقابل معافی جرم ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی تعلیم پر اعتراض کرنے والوں کا اپنا طرز عمل ہر قسم کی اخلاقیات سے عاری اور خود غرضی پر مبنی ہے۔ ان کی اکثر لڑائیاں جنگ کے تمام قواعد اور اصولوں کے خلاف اور ناجائز ہیں جبکہ ابتدائی اسلامی جنگیں اس اصول کی روشنی میں بھی درست قرار پاتی ہیں۔

۴۔ توازن

یہ ایک عام فہم بات ہے کہ ردّعمل اسی قدر ہونا چاہیے جتنا کہ ضرورت ہے۔ 'دانت کے بدلے دانت' تک تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ انصاف کا تقاضہ ہے لیکن دانت کے بدلے بتیسی کا طرز عمل کسی انسانی قدر کے مطابق درست نہیں کہلا سکتا۔

قرآن کریم فرماتا ہے: مَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۵) اگر کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو اس کو اتنی ہی سزا دو جتنی اس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی اور اللہ سے ڈرو، اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ۔ (النحل:۱۲۷) اگر تم پکڑ کرو، تو تمہاری پکڑ اس کے موافق ہونی چاہیے جیسا کہ تم پر پکڑ کی گئی تھی۔ اور اگر تم صبر کرو، تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۱) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو پہلے ہی تمہارے ساتھ لڑ رہے ہیں مگر زیادتی مت کرنا! اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۴) اگر وہ باز آ جائیں تو ظالم لوگوں کے علاوہ کسی پر حملہ مت کرو۔ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (البقرۃ:۱۹۳) اگر وہ باز آ جائیں تو یاد رکھو اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ۔ (الانفال:۶۲) اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ پر توکل کرو۔ یعنی محض اس لیے جنگ نہ جاری رکھو کہ مخالف نے پہل کی تھی اور اس وقت کمزوری کی وجہ سے صلح چاہتا ہے۔ بعد میں دوبارہ ہم پر حملہ کر دے گا اب موقع ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے صلح کر لو اور اپنے دفاع کا انتظام کرو۔ اسی کو انصاف، توازن اور متناسب ردّعمل کہتے ہیں۔

اس کے مقابل پر موجودہ دَور کی جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں کسی بھی طور پر توازن نظر نہیں آتا۔ مغربی اقوام کا جنگ کے متعلق فلسفہ ہی ظلم و جبر پر مبنی ہے۔ مشہور امریکی جرنیل شیرمین نے امریکہ کی خانہ جنگی میں اٹلانٹا شہر کو جلانے اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنے کے فیصلے کا جواز دیتے ہوئے سرد مہری سے کہا: War is cruelty and you cannot refine it (Downes, Targeting Civilians in War, 2008, P1)۔ اسی کے موافق امریکہ کی ویتنام کے خلاف جنگ، فرانس کی الجزائر کے خلاف جنگ، جاپان کی کوریا کے خلاف جنگ وغیرہ بے شمار جنگیں ہیں جن میں طاقتور اقوام نے، خواہ وہ مغربی اقوام ہوں یا مشرقی، اپنے مخالف کو 'جڑ سے ختم کرنے' کی کوشش کی۔ حال ہی میں اسرائیل نے غزہ پر جو خوفناک جنگ مسلط کی، وہ اس قدر بھیانک اور انسانی اور اخلاقی اقدار سے اس قدر دور ہے کہ سب دنیا اسرائیل کے مظالم پر چیخ اٹھی ہے۔

۵۔ نتائج و مضمرات

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر مسلمان اپنے دفاع میں جنگ نہ کرتے تو فنا ہو جاتے! آنحضورؐ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنگِ بدر کے موقع پر فرمایا کہ اگر آج یہ گروہ شکست کھا گیا تو پھر صرف یہی نہیں مارے جائیں گے بلکہ دنیا بھر میں خدا تعالیٰ کی حقیقی عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ پس آپؐ کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں تھا کہ اپنا دفاع فرماتے۔ تاہم اس ضمن میں ہر قسم کی احتیاط برتنے اور ہر طرح کی زیادتی سے احتراز کا ہی نتیجہ تھا کہ ان جنگوں میں حیرت انگیز طور پر بہت کم جانی نقصان ہوا۔ آنحضورؐ کی تمام جنگوں کا مجموعی تخمینہ لگایا جائے تو دس سال کے عرصے میں میدان جنگ میں کُل ۳۰۰ سے ۵۰۰/افراد مارے گئے۔ مگر اس کے نتیجے میں سارے جزیرہ نما عرب میں امن، آزادی اور مرکزی نظام حکومت قائم ہو گیا جس نے صدیوں پر محیط لوٹ مار، نسلوں تک چلنے والی قبائلی جنگوں اور بے دریغ قتل و غارت کو جڑ سے ختم کر دیا۔

جنگ میں کامیابی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تعداد وطاقت ہمیشہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ غلبہ کسے ملے گا: کَمۡ مِّنۡ فِئَۃٍ قَلِیۡلَۃٍ غَلَبَتۡ فِئَۃً کَثِیۡرَۃًۢ بِاِذۡنِ اللّٰہِ۔ (البقرۃ:۲۵۰) کتنے ہی ایسے گروہ ہیں جو کم تعداد ہونے کے باوجود اللہ کے حکم سے کثیر تعداد والے گروہ پر غالب آ جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ آنحضورؐ کو جنگ کی اجازت دی گئی تو ساتھ ہی یہ وعدہ بھی دیا گیا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ (الحج:۴۰) جن لوگوں کو یہ اجازت دی جا رہی ہے، جس کی شرائط اوپر بیان ہو چکی ہیں، ان کی مدد کرنے پر اللہ قادر ہے۔ اوّل تو مسلمان جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ (دیکھیں اوپر نمبر ۳: جنگ بطور آخری حیلہ) پھر ان کے پاس تعداد، تجربہ، اسلحہ کی شدید کمی تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق وہ فتح مند ہوئے اور مسلسل کامیاب ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ دونوں عالمی طاقتوں، فارس و روم، سے بیک وقت لڑ کر دونوں پر غالب آ گئے۔

اس کے برعکس موجودہ دَور کی جنگوں میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ یعنی ایک تو جنگ جس مقصد کے لیے شروع کی جاتی ہے اس میں کامیابی نہیں ہوتی دوسرے بے انتہا جانی و مالی نقصان ہو کر جنگ کے بعد صورتحال پہلے سے بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ مثلاً جرمنی نے ۱۹۳۹ء میں پولینڈ کی جرمن اقلیت (قریباً ایک ملین) کو مبینہ طور پر بچانے کے لیے جو جنگ شروع کی اس کے نتیجے میں آٹھ ملین جرمن اور قریباً چھ ملین پولش باشندے مارے گئے! یعنی جرمن اقلیت کا تحفظ تو کیا ہونا تھا الٹا کئی گنا زیادہ جرمن مارے گئے اور جنگ میں دیگر قوموں کے جو لوگ مرے وہ ایک الگ ہوش رُبا داستان ہے۔ جرمنی جنگ بھی ہار گیا اور اس کے ٹکڑے کر کے پولینڈ کو مزید جرمن علاقے دے دیے گئے۔ نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم!

امریکہ نے پچاس کی دہائی میں جنوبی ویتنام کی مدد کے لیے جو خوفناک جنگ شروع کی، اس کے نتیجے میں قریباً ساٹھ ہزار امریکی مارے گئے اور نتیجہ امریکہ کی شکست کی صورت میں نکلا! علاوہ ازیں لاکھوں ویتنامی فوجی اور شہری مارے گئے۔ (Lewy, America in Vietnam, Oxford, 1978)

۲۰۲۲ء میں روس نے یوکرائن میں روسی اقلیت کے تحفظ کے لیے جنگ شروع کی۔ اس پر چار سال گزر چکے ہیں اور دونوں طرف سے لاکھوں لوگ مارے جا چکے ہیں۔ ابھی یہ جنگ جاری ہے اور خدا جانے کتنی جانیں مزید نگلے گی۔

پس موجودہ دَور کی جنگوں میں جنگی نقصان اور مبینہ فوائد میں کوئی تناسب نہیں۔ سو اس اصول کے مطابق بھی موجودہ دَور کی جنگیں غیر معقول جبکہ ابتدائی اسلامی جنگیں جائز قرار پاتی ہیں۔

۶۔ طرزِ عمل

یہ وہ پیمانہ ہے جو درحقیقت جنگ کی ہولناکی اور بربریت کو آشکار کرتا ہے۔ جنگ کے دوران قومیں اپنے مخالف کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہو جاتی ہیں اور فوجی و شہری، معصوم و مجرم کی تمیز کھو کر بلا دریغ ظلم کرتی ہیں۔ اسی کی ایک بھیانک شکل پرانے زمانے میں تین دن تک مفتوحہ شہر فوجیوں کے حوالے کرنے کا رواج تھا۔ یعنی تین دن تک فاتح فوجی جسے چاہیں قتل کریں، جو چاہیں لوٹ لیں، جس کو چاہیں پامال کریں۔ موجودہ دَور کی ''مہذب'' کہلانے والے قومیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں، بس اس کا اعلان نہیں کرتیں۔

جمہوری حکومتیں (یعنی مغربی حکومتیں) غیر فوجی شہریوں پر حملوں میں غیر جمہوری حکومتوں کی نسبت زیادہ ملوث پائی گئی ہیں۔ (Downes, Targeting Civilians in War, 2008, P2-3)

غزہ کے خلاف حالیہ جنگ میں اور اس سے پہلے بھی اسرائیل نے بے شمار معصوم اور نہتے بچے، عورتیں، بوڑھے قتل کر دیے ہیں۔ ہر قسم کا شہری نظام تباہ، پانی، کھانا، طبی امداد، ہسپتال اور تعلیمی ادارے مسمار کر دیے ہیں۔ صرف اسرائیلی فوجیوں کی جانب سے بچوں کو نشانہ بنانے کی اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ قریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (Human Rights Council, Sixty-second session, 18.06.2026) اسرائیلی فوجیوں کی جانب سے جنسی تشدد پر پچاس صفحات کی الگ رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ (Human Rights Council, Fifty-eighth session, 13.03.2025)

جاپان کے خلاف امریکہ نے ۹/مارچ ۱۹۴۵ء کو ٹوکیو کے ایک چند مربع کلومیٹر کے علاقے پر، جو کہ دنیا میں سب سے زیادہ گنجان آباد علاقوں میں سے ایک تھا اور جہاں اکثر عمارتیں لکڑی کی تھیں، آگ لگانے والے بم پھینکے جس سے قریباً ایک لاکھ جاپانی شہری ہلاک ہو گئے۔ آگ کی اتنی شدت تھی کہ اس کی گرمی سے دس امریکی جہاز خراب ہو گئے۔ امریکی ہوا بازوں کو جلتے ہوئے گوشت کی بو سے ہونے والی قے سے بچنے کے لیے آکسیجن ماسک پہننے پڑے۔ (Downes, Targeting Civilians in War, 2008, P116)۔ اسی طرح امریکہ نے جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکے تو خوب علم تھا کہ ہزاروں معصوم شہری مارے جائیں گے مگر کوئی پرواہ نہیں کی گئی۔ ویتنام پر، جس سے امریکہ کو کوئی خطرہ نہ تھا، کیمیائی بم برسائے، لاکھوں شہری مار دیے۔ برطانیہ نے جنگ کے آخری دنوں میں، جبکہ جرمنی ہتھیار ڈال رہا تھا، ہمبرگ اور بالخصوص ڈریسڈن پر جو بھیانک بمباری کی اور بیسیوں ہزار معصوم شہریوں کا قتل عام کیا وہ آج تک جرمن قوم پرستوں کے دل میں برطانیہ کے خلاف نفرت بھڑکانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جاپان نے مشرقی اور جنوب مشرقی ایشیا پر قبضہ کے دوران جو مظالم کیے وہ بعض لحاظ سے مغربی اقوام کے مظالم سے بھی زیادہ بھیانک ہیں۔ ابھی یہ سب اقوام ''مہذب'' کہلاتی اور اسلام پر اعتراض کرتی ہیں۔

آنحضورؐ نے جنگ کے دوران طرز عمل کے متعلق جو ہدایات دیں ان کا خلاصہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضورؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے اسلامی لشکر کو یکجائی طور پر یوں بیان فرمایا: دھوکہ مت دینا۔ سیدھے راستے پر رہنا۔ مقتولین کے ساتھ

بدسلوکی مت کرنا۔عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرنا۔ درختوں کو نہ کاٹنا۔ پھلدار پودوں کو مت جلانا۔ دشمن کے ریوڑ کو مت مارنا، اپنا کھانے کا سامان خود ساتھ رکھنا۔ راہبوں سے تعارض مت کرنا۔ (طبری، جلد ۳، صفحہ ۲۲۶۔ ۲۲۷)

جب آپؐ نے دشمن پر قابو پالیا تو اعلان فرمایا کہ جو اپنے مکان کا دروازہ بند کرلے گا امن میں ہے اور آخر پر فرمایا کہ تم سب آزاد ہو۔ کوئی سزا ان کو نہ دی۔ آنحضورؐ کی جنگوں میں ایک بھی ایسا موقع نہیں جب بے قصور شہریوں، عورتوں، بچوں پر تلوار اٹھائی گئی ہو۔ ایک جنگ میں آپؐ نے ایک عورت کو مقتول پایا تو سختی سے عورتوں کے قتل سے منع فرمادیا۔ (بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب قتل النساء فی الحرب، نمبر ۳۰۱۵) یہ عام شہری عورت کی بات نہیں ہو رہی بلکہ اس زمانہ میں لشکر کے ساتھ ایسی عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں جن کا کام فوجیوں کو جوش اور غیرت دلانا، ان کی مدد کرنا یا زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ عام شہری عورتیں نہیں تھیں بلکہ فوج ہی کا ایک حصہ تھیں۔

۷۔ جنگ کا اختتامیہ

جنگ کے بعد کا طرزعمل اس لیے اہم ہے کہ اس کی بنیاد پر آئندہ امن کا فیصلہ ہوتا ہے۔موجودہ دور کی جنگوں میں چند استثنائی صورتوں کے علاوہ ہمیشہ مغلوب فریق کے ساتھ زیادتی اور سختی کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد انتقام لینا، اسے بے دست و پا اور ذلیل کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب معاہدہ میں جرمنی سے ناجائز مطالبات منوائے گئے تو اکثر مؤرخین کے خیال میں درحقیقت دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھ دی گئی۔خود اتحادی افواج کے جرنیل، مارشل فوخ، نے کہا: ''یہ امن نہیں بلکہ بیس سالہ جنگ بندی ہے۔'' (Bell, The Origins of the Second World War in Europe, 2013, P15) جاپان کے کچھ علاقے روس کو دیے گئے، جو آج تک جاپان اور روس کے مابین جھگڑے کا باعث ہیں۔ ایسی ہی صورتحال عراق کے خلاف پہلی جنگ کے بعد ہوئی۔عراق پر 'نو فلائی زون' قائم کیے گئے، باغیوں کے تحفظ کے نام پر ان کے خود مختار علاقے بنا دیے گئے۔عملاً عراق کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ پھر اسلحہ تلف کر کے اسے نہتا کر دیا گیا اور اس پر پابندیاں بھی لگائی گئیں۔

اس کے برعکس اسلامی تعلیم اپنی ذات میں جنگ کے بعد امن کی ضامن ہے۔ اگر جنگ سے اجتناب کیا گیا ہو، اس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے اور صلح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا جائے تو یہی امور جنگ کے بعد قائم ہونے والے امن کو پائیدار بناتے ہیں۔ اکیس سال کے مظالم کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو اہلِ مکہ کو بالعموم کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی۔ بلکہ مکہ کے اکابرین کو اہم عہدوں پر فائز کیا گیا، انہیں مالی فائدہ پہنچایا گیا، انہیں بعض امور کی قیادت سونپی گئی یعنی ان پر ہر لحاظ سے اعتماد کا اظہار کیا گیا اور ان کی قبل از اسلام سیادت اور عزتِ نفس کو مجروح نہیں کیا گیا۔ آنحضورؐ کے حسن سلوک کو دیکھ کر کثرت سے عرب قبائل اسلام میں داخل ہوئے۔

خلاصہ

اقوام متحد کے کمیشن کے وضع کردہ تمام پانچوں اصولوں کے مطابق ابتدائی اسلامی جنگیں جائز اور ضروری قرار پاتی ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں موجودہ دور کی اکثر جنگیں ان اصولوں کے مطابق غلط اور ناانصافی پر مبنی ہیں۔ جنگوں کے دوران طرزعمل اور جنگ کے بعد عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے پائیدار امن کی کوششوں کو دیکھا جائے تو ابتدائی اسلامی جنگوں اور موجودہ دور کی اکثر جنگوں میں کوئی موازنہ ہی نہیں۔ ابتدائی اسلامی جنگیں نہ صرف دفاعی جنگیں تھیں بلکہ ان میں ہر وقت رحم اور صلح کا پہلو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ اور جنگ کے بعد امن کا قیام ہمیشہ مدنظر رہتا تھا نہ کہ آج کل کی جنگوں کی طرح مخالف کی تباہی اور اپنا خود غرضانہ مفاد۔

☆...☆...☆

مولا مری دنیا کو تباہی سے بچالے

کس رخ پہ چلے جائیں گے یہ جنگ کے حالات
نکلے ہیں تباہی کے کئی قسم کے آلات

انسان ہی انسانوں کا خوں چوس رہے ہیں
اک دوجے کی شہ رگ میں جو یوں دانت گڑے ہیں

بڑھتے چلے جاتے ہیں تصادم کے اندھیرے
بارود میں روپوش ہیں خوش رنگ سویرے

یہ جنگ وہ عفریت ہے کھا جائے گی سب کو
خوں لگ گیا منہ کو تو چبا ڈالے گی سب کو

مقصود ہے انساں کا فقط دنیا کی دولت
اللہ سے نہیں پیسے سے ہے سب کو محبت

اپنے ہی مفادات فقط پیش نظر ہیں
اب کون سے طاغوت کے یہ زیر اثر ہیں

مسلم بھی نہیں جانتے اب راہِ ہدیٰ کو
عیسائی یہودی بھی بھلا بیٹھے خدا کو

اب فیصلہ گم راہوں کا اللہ ہی کرے گا
لکھا ہے صحیفوں میں جو اب ہو کے رہے گا

اللہ نے بھیجا ہے زمانے کا منادیؑ
اللہ کے فرمان پہ اس نے یہ صدا دی

اب میری طرف آؤ یہیں خیر ملے گی
اسلام کے پیغام سے اب دنیا سجے گی

مولا مری دنیا کو تباہی سے بچالے
بھولے ہیں یہ خالق کو انہیں اپنا بنا لے

(امۃ الباری ناصر۔ امریکہ)

بقیہ: اسلامی آداب جنگ......از صفحہ نمبر ۶۲

اور فصلیں تباہ نہ کی جائیں۔ جانوروں کو بلاوجہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔ قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ عدل وانصاف کو برقرار رکھا جائے۔ مذہبی جبر نہ کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ ﷺ کے مطالعے سے واضح ہے کہ اسلام نے جنگ کو اخلاقیات اور انسانیت کے تابع رکھا ہے۔ اسلام کی نظر میں جنگ ایک مجبوری اور دفاع کی آخری راہ ہے جبکہ امن، صلح، عدل اور انسانیت کا احترام اس کے اصل مقاصد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے اپنے عملی نمونوں سے ثابت کیا ہے کہ طاقت کے باوجود ظلم، انتقام اور بربریت کسی طور جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دَور جدید میں مہذب اور امن عالم کی داعی کہلانے والی قومیں نہ تو اسلامی جنگوں کے آداب کے قریب پہنچ پائی ہیں اور نہ ہی اُن کا عمل ان سنہری اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایک منصف مزاج مصنفہ روتھ کرینسٹین (Ruth Cransto) کی مشہور تصنیف ورلڈ فیتھ جو کہ ۱۹۴۹ء میں امریکہ میں شائع ہوئی تھی، جنگوں کے دوران آنحضرت ﷺ کے پاکیزہ اسوہ اور مسیحیوں کے نمونہ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

Mohammed never instigated fighting and bloodshed. Every battle that he fought was in rebuttal. He fought in order to survive—and he fought with the weapons and in the fashion of his time.

Fashions in brutality change, as in everything else. It seems almost incredible now that in 1917 people were shocked at the killing of civilians in wartime. Certainly no ''Christian'' nation of 140,000,000 people who today dispatch 120,000 helpless civilians with a single bomb can look askance at a leader who at his worst killed a bare five or six hundred. The slayings of the Prophet of Arabia in the benighted and bloodthirsty age of the seventh century look positively puerile compared with our own in this ''advanced'' and enlightened twentieth. Not to mention the mass slaughter by the Christians during the Inquisition and the Crusades—when, Christian warriors proudly recorded, they waded ankle-deep in the gore of the Moslem infidels. (World Faith by Ruth Cranston, Skeffington Stratford Place London, 1953,page 204,205)

محمد عربی (ﷺ) نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ ہر جنگ جو انہوں نے لڑی، مدافعانہ تھی۔ وہ اگر لڑے تو اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لیے اور ایسے اسلحے اور طریق سے لڑے جو اُس زمانے کا رواج تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چودہ کروڑ عیسائیوں میں سے جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انسانوں کو ایک بم سے ہلاک کر دیا ہو، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو ایک ایسے لیڈر پر شک کی نظر ڈال سکے جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سو افراد کو تہ تیغ کیا ہو۔ عرب کے نبی کے ہاتھوں ساتویں صدی کے تاریکی کے دور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہوں، ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس بیان کی تو حاجت ہی نہیں جو قتل انکوزیشن (Inquisition) اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں پھر رہے تھے۔

اسلامی آدابِ جنگ، قیامِ امن کا دوسرا نام

(ظہیر احمد طاہر۔ جرمنی)

قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ ﷺ کے مطالعے سے واضح ہے کہ اسلام نے جنگ کو اخلاقیات اور انسانیت کے تابع رکھا ہے۔ اسلام کی نظر میں جنگ ایک مجبوری اور دفاع کی آخری راہ ہے جبکہ امن، صلح، عدل اور انسانیت کا احترام اس کے اصل مقاصد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے اپنے عملی نمونوں سے ثابت کیا ہے کہ طاقت کے باوجود ظلم، انتقام اور بربریت کسی طور جائز نہیں

جنگ اور امن انسانی معاشرے کی دو اہم حقیقتیں ہیں۔ جنگوں کی یہ حقیقتیں ماضی کے قصے اور دور از قیاس باتیں نہیں ہیں بلکہ آج بھی اہل دنیا اسی سوچ اور انہی خود ساختہ اُصولوں پر کارفرما ہیں۔ آج کا طاقتور اپنے زعم میں امن کا داعی اور انسان دوست ہے۔ وہ اپنے چہرے پر امن پسندی اور انسان دوستی کا لیبل سجا کر خود کو امن اور انسانیت کا علمبردار گردانتا ہے لیکن اُس کا عمل ثابت کر رہا ہے کہ اس نقاب کے پیچھے نہایت مکروہ سوچ اور ایک سفّاک چہرہ چھپا بیٹھا ہے۔ جو اپنے ناجائز اور خود غرضانہ مفادات کے حصول کے لیے نہایت دلسوز مظالم ڈھاتا اور ظلم و بربریت کی انتہا کر دیتا ہے۔ اُس کے اس گھناؤنے فعل کو دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ وہ جنگ کے دوران تمام بین الاقوامی اُصول، ضابطے، ہر قاعدہ اور اُصول بھول جاتا ہے۔ وہ معصوم بچوں کی جانیں لیتا رہتا ہے لیکن شرمندہ اور نادم نہیں ہوتا۔ وہ نہ دن دیکھتا ہے اور نہ رات اور اپنے مخالفین پر اندھا دھند اپنی طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ وہ ٹنوں کے حساب سے گولہ بارود پھینکتا ہے جس سے علاقے کے علاقے آناً فاناً تباہ برباد ہو جاتے ہیں۔ اَن گنت جانیں تلف ہو جاتی ہیں اور بے شمار گھر اور املاک ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ وہ نہ عورتوں کا خیال کرتا ہے، نہ بچوں اور بوڑھوں پر رحم کھاتا ہے، اسے نہ بیمار نظر آتے ہیں اور نہ ہی بے قصور اُس کی وحشت اور بربریت سے بچ پاتے ہیں۔ وہ دہائیوں سے ظلم پر ظلم، سفاکیت پر سفاکیت اور وحشت پر وحشت پھیلاتا رہا ہے اور اب بھی اپنے ایجنڈے پر کارفرما ہے لیکن اس کے باوجود وہ مہذب اور انسان دوست ہونے کا پرچار کرنا کبھی نہیں بھولتا۔ یقین جانیں اگر جانور اور حشرات الارض اس سفاکیت کو جان جائیں تو وہ بھی ان سفاکانہ مظالم پر تف کیے بغیر نہ رہ پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگوں کے دوران انسانیت سوز مظاہرے، انسان دشمنی اور گھٹیا ذہنیتوں کی پیداوار ہیں جن کا کسی خاص مذہب، علاقے اور ملک و قوم سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس طرح کے خبطی ہر دور، ہر خطے اور علاقے میں پائے جاتے رہے ہیں۔ وہ اب بھی موجود ہیں اور شاید شیطان کے یہ ہمنوا رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ پس اگر جنگوں کا نام لیا جائے تو شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ اور علاقہ ان کی بھیانک، المناک اور دردناک تباہ کاروں سے محفوظ رہا ہو گا۔

اسلام میں جنگ کا تصور: جنگوں کے ان دل دہلا دینے والے منظر نامے کے برعکس اسلامی تعلیم پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے جنگ کو سخت اخلاقی اصولوں اور قانونی ضابطوں کا نہ صرف پابند بنایا ہے بلکہ اس کے حقیقی پیروکار اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اسلام میں جنگ ایک استثنائی صورت ہے جس کی اجازت صرف مخصوص حالات میں دی گئی ہے۔ اسی لیے اسلامی تعلیم میں پہلے صبر، حکمت، نصیحت اور صلح کی تعلیم دی گئی ہے۔ دراصل اسلام میں جنگ مطلوب و الذّات نہیں بلکہ ایک اضطراری اور ناگزیر عمل کا نام ہے جس کی اجازت ظلم و جور کے خاتمے، فتنہ و فساد کے قلع قمع، بے رواہ روی کی روک تھام، دفاعِ نفس، مذہبی آزادی کے تحفظ، معاشرے میں امن کے قیام اور اصلاح احوال کی خاطر دی گئی ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ میں جنگ کے ایسے راہنما اُصول بیان کر دیے گئے ہیں جن کی مثال قدیم اور جدید انسانی تاریخ میں پائی نہیں جاتی۔ اسلام نے جنگ یا امن ہر دو حالات میں اعلیٰ انسانی اقدار اپنانے کا درس دیا ہے۔

قرآنِ کریم نے جنگ کے احکام دیتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو ظلم کے مرتکب ہوں۔ اسلام کے دَورِ اوّل میں جب مسلمانوں پر ظلم حد سے بڑھ گیا تو انہیں دفاع اور ظلم کے خاتمے کے لیے قتال کی اجازت دی گئی۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا تھا سب کچھ کفّارِ مکہ کے جور و ستم اور ظلم و تعدّی کے بعد کیا تھا۔ ان کے مظالم کے کارنامے دیکھ کر پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا چاہیے... مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفّار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں۔ ابتدا ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔'' (ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹۔ ایڈیشن ۲۰۲۲ء)

اسلام نے جنگی اخلاقیات کے جو اُصول وضع فرمائے ہیں اُن میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی راہنماؤں، گھریلو ملازمین، کسانوں اور غیر جنگجو افراد کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کی گئی ہے نیز دشمن کی فصلیں اُجاڑنے، بلاوجہ اُن کے درخت کاٹنے یا جلانے اور ان کے اموال تباہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ پس اسلام میں جنگ کا مقصد زمینوں پر قبضہ، دولت کا حصول یا سیاسی برتری کا حصول نہیں بلکہ اپنا دفاع، ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو توسیع پسندانہ عزائم کی خاطر دوسروں پر چڑھائی کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۱) اور اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک عام فہم اور نہایت واضح تعلیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑنے کی اجازت ہے جو اُن پر حملہ آور ہوں۔ اگر اُن پر جنگ مسلط کی جائے تو اس صورت میں بھی انہیں زیادتی اور ظلم کی اجازت نہیں ہے بلکہ جنگ کے دوران اعلیٰ اسلامی اقدار اپنانا اور اخلاقی حدود قائم رکھنا اُن کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''جب بے رحم کافروں کا ظلم اِس حد تک پہنچ گیا۔ خدا نے جو آخر اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ اپنے رسول پر اپنی وحی نازل کی کہ مظلوموں کی فریاد میرے تک پہنچ گئی۔ آج میں اجازت دیتا ہوں کہ تم بھی اُن کا مقابلہ کرو اور یاد رکھو کہ جو لوگ بے گناہ لوگوں پر تلوار اُٹھاتے ہیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کیے جائیں گے مگر تم کوئی زیادتی مت کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (پیغام صلح، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۶۷، ۴۶۸)

جنگ کی اجازت کا بنیادی مقصد: مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر تیرہ سال کا لمبا عرصہ بے انتہا ظلم ڈھائے گئے۔ انہیں اپنے دین پر کھلے عام عمل کی اجازت نہ تھی۔ وہ آئے روز اپنے دین پر عمل کی وجہ سے زدوکوب کیے جاتے۔ ایمان لانے والوں کو تشدد اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتیں۔ یہاں تک کہ باپ اپنے بیٹے کو بیڑیاں پہنا کر اذیت دینے سے گریز نہ کرتا۔ خاوندوں کو بیویوں سے زبردستی جدا کر دیا جاتا۔ ماؤں سے اُن کے بچے چھین لیے جاتے۔ معصوموں کے اموال لوٹے جاتے۔ اُن کے گھربار اور کاروبار غصب کر لیے جاتے۔ یہاں تک کہ خود بانی اسلام ﷺ کی ذات اقدس بھی بار بار دشمن کے مظالم کا نشانہ بنتی رہی لیکن اس کے باوجود انہیں جنگ کی اجازت نہیں دی گئی۔ دشمن کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے اور انہیں برداشت کرنا اُن کے لیے مشکل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کی اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ انہوں نے امن کی خاطر اپنے گھر بار، کاروبار، عزیز و اقارب یہاں تک کہ اپنا محبوب وطن چھوڑ دیا۔ وہ ایک دور دراز بستی میں جا بسے تا کہ اپنے دین پر پوری طرح عمل کر سکیں لیکن دشمن کو ان کا امن کے ساتھ رہنا پسند نہ آیا اور اُس نے اُن کا پیچھا کیا۔ وہ اُن کے سکون کے درپے ہوا اور اُس نے چاہا کہ وہ انہیں ختم کر کے اُن کے دین کو مٹا دے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مکہ میں اسلام دشمنوں کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی اُن کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کیے گئے اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو... خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اُس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور اُنہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔ تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔'' (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۵، ۶)

پس جب دشمن کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دی تا کہ ظالم کو اُس کے ظلم سے روکا جا سکے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی ہے وہ نہایت واضح ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ (الحج:۴۰) اُن لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے (قتال کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اور یقیناً اللہ اُن کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اسلام کی اسی امن پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور عالم مؤرخ جناب ایڈورڈ گبن لکھتے ہیں: ''ہر انصاف پسند آدمی اس حقیقت کا اقرار کرنے کے لیے مجبور ہے کہ قرآن ایک بے نظیر قانون ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں اور وہ اپنے اثر کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز پوزیشن رکھتا ہے۔ اس نے وحشی عربوں کی زبردست اصلاح کی۔ ہمدردی اور محبت کے جذبات سے ان کے دلوں کو معمور کر دیا اور قتل و خونریزی کو ممنوع قرار دیا۔ یہ اس کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ (ہسٹری آف دی ورلڈ صفحہ ۲۸۸ بحوالہ ماہنامہ الفرقان ربوہ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۸)

جنگ میں پہل کرنے کی ممانعت: اسلامی تعلیم میں مسلمانوں کو کہیں بھی جنگ میں پہل کرنے کا کوئی حکم موجود نہیں گویا اسلام جنگ و جدل کے قطعاً خلاف ہے۔ اسلام میں جنگ کا یہی پہلا ادب ہے جو سراسر انصاف پر مبنی اور دنیا میں امن کی بنیاد ڈالنے والا طرز عمل ہے۔

دشمن کی زیادتی کا اسی قدر بدلہ لیا جائے: اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر دو حالات یعنی امن یا جنگ کی صورت

میں کسی پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر دشمن اُن کے ساتھ زیادتی کرے تو اُنہیں اُسی قدر بدلہ لینے کی اجازت ہے جس قدر اُن پر زیادتی کی جائے بلکہ اسلام نے معاشرے کی بھلائی، اُس کی بہبود، امن کے قیام اور اصلاح کی خاطر ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے درگزر اور معاف کر دینے کو ترجیح دی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا مبارک اُسوہ اس کی بہترین مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۵) پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہو۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ یقیناً متقیوں کے ساتھ ہے۔ قرآن کریم کے ایک اَور مقام پر فرمایا ہے: وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ۔ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ۔ (الشوریٰ:۴۰،۴۱) اور وہ جن پر جب زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور بدی کا بدلہ، کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

جنگ کے بغیر لوگوں کو قیدی بنانے کی ممانعت: اسلام نے معاشرے کے امن کی خاطر اپنے ماننے والوں کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ جنگ کے بغیر یونہی لوگوں کو پکڑنا اور قیدی بنالینا تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں۔ البتہ اگر مصدقہ خبریں ملیں کہ کوئی ملک یا گروہ اُن کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہے تو جائز ہوگا کہ وہ دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیں اور فتنے کو پھیلنے سے پہلے اُس کا قلع قمع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا ٭ۖ وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ۔ (الانفال:۶۸) کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین خونریز جنگ کیے بغیر قیدی بنائے۔ تم دنیا کی متاع چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت پسند کرتا ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔ قرآن کریم کے ایک اَور مقام پر فرمایا ہے: فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۖ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۚ۟ۛ ذٰلِکَ ؕۛ وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠ بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ۔ (محمد:۵) پس جب تم ان لوگوں سے بھِڑ جاؤ جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں پر وار کرنا یہاں تک کہ جب تم ان کا بکثرت خون بہالو تو مضبوطی سے بندھن کسو۔ پھر بعد ازاں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر آزاد کرنا یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لیتا لیکن غرض یہ ہے کہ وہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ کی راہ میں سخت تکلیف پہنچائی گئی، ان کے اعمال وہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

ظلم اور فتنہ کے خاتمے کے لیے قتال: اسلام کے جنگی آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اگر ان پر جنگ مسلط کی جائے تو بغاوت اور فتنے کا خاتمہ کیا جائے تا کہ لوگ امن اور سکون سے رہ سکیں۔ اس بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۴) اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اختیار کرنا) اللہ کی خاطر ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو (زیادتی کرنے والے) ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یعنی عرب کے اُن مشرکوں کو قتل کرو یہاں تک کہ بغاوت باقی نہ رہ جاوے اور دین یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ اس سے کہاں جبر نکلتا ہے۔ اس سے تو صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ اُس حد تک لڑو کہ اُن کا زور ٹوٹ جائے اور شرارت اور فساد اُٹھ جائے اور بعض لوگ جیسے خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں۔ اگر اللہ جلّ شانہٗ کا ایمان بالجبر منشاء ہوتا... تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کے لیے یہ اجازت دی جاتی کہ وہ جزیہ دے کر امن میں آجائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کریں۔'' (جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۶۳)

امن وسلامتی کو ترجیح دینا: اگر دشمن جنگ سے باز آجائے تو اس صورت میں دشمن کے خلاف زیادتی کی ممانعت کی گئی ہے۔ پس اسلام میں جنگوں کا ایک ادب یہ ہے کہ جنگوں کے دوران بھی بلا وجہ زیادتی کا مرتکب نہ ہوا جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۹۴) پس اگر وہ باز آجائیں تو (زیادتی کرنے والے) ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی۔

صلح کی پیشکش قبول کرنے کی ہدایت: اسلام نے جنگ کو طول دینے اور بے جا انسانی جانوں کے ضیاع کو سخت ناپسند کیا ہے۔ اگرچہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مدافعتی جنگ کی اجازت دی ہے یا پھر فتنہ کے تدارک کے لیے اُس حد تک اجازت ہے کہ فتنے کو کچل کر اس کے بد اثرات ختم کر دیے جائیں۔ اگر دشمن اپنی کارستانیوں سے باز آجائے اور آئندہ فتنہ نہ پھیلانے کا وعدہ کرتے ہوئے صلح کی پیشکش کرے تو ایسی صورت میں صلح پر آمادگی ضروری ہے۔ جنگ کا ایک اور ادب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ (الانفال:۶۲) اور اگر وہ صلح کے لیے جُھک جائیں تو تُو بھی اُس کے لیے جُھک جا اور اللہ پر توکل کر۔ یقیناً وہی بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ایک راہنما اُصول بیان فرمایا گیا ہے کہ جب بھی انہیں دنیا میں قیامِ امن، صلح جوئی اور انسانیت کی بھلائی کے لیے بلایا جائے تو اس سے انکار مت کرنا بلکہ امن کی ہر راہ بخوشی اختیار کرو۔

جنگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش: اسلام کا اصل مقصد امن اور سلامتی کا قیام ہے۔ اس لیے اُس نے اپنے ماننے والوں کو جنگ ناگزیر ہو جانے کی صورت میں بھی سفر اختیار کرتے وقت بہت احتیاط برتنے کی تعلیم دی ہے تا کہ وہ کسی قسم کی زیادتی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ فَعِنۡدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا۔ (النساء:۹۵) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو اور جو تم پر سلام بھیجے اس سے یہ نہ کہا کرو کہ تُو مومن نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کے اموال چاہتے ہو تو اللہ کے پاس غنیمت کے کثیر سامان ہیں۔ اس سے پہلے تم اسی طرح ہوا کرتے تھے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ پس خوب چھان بین کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو بہت باخبر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو یہاں تک ہدایت فرمائی ہے کہ وہ دشمن سے جنگ کی تمنا ہی نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا (صحیح البخاری کتاب الجهاد والسیر باب لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ حدیث نمبر:۳۰۲۶) دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو اور اگر مقابلہ ہو جائے تو پھر استقلال دکھاؤ۔

عہد و پیمان کی پابندی: اسلام کی امن پسند اور صلح جُو تعلیم کا ایک اَور ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر معاملے اور ہر موقع پر خواہ امن ہو یا جنگ، معاہدوں اور عہدوں کا پابند بنایا ہے۔ اس بارے میں قرآن شریف میں واضح تعلیم موجود ہے۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ عمل کیا۔ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی نصائح فرمائی ہیں۔ پس جنگ ہو یا عام حالات مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہدوں کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا۔ (بنی اسرائیل:۳۵) اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ ایک اَور مقام پر فرمایا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ (المائدۃ:۲) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! عہدوں کو پورا کرو۔ اس ضمن میں صحیح البخاری کتاب الشروط کی حدیث ۲۷۳۱ اور ۲۷۳۲ میں بیان آنحضرت ﷺ کا راہ نما عمل ہمارے سامنے ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا کہ کفار مکہ کے نمائندہ سہیل نے ایک شرط یہ لکھوائی کہ ہم میں سے جو شخص بھی خواہ وہ آپؐ کے دین پر ہی ہو آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ اُسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔ ابھی وہ انہی باتوں میں تھے کہ حضرت ابو جندلؓ بن سہیل بن عمرو اپنی زنجیروں میں لڑکھڑاتے ہوئے آئے اور وہ مکہ کے نچلے حصہ سے کی طرف سے نکل کر آئے تھے اور آ کر انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ اس وقت تک معاہدہ مکمل نہ ہوا تھا اور نہ ہی اُس پر دستخط ہوئے تھے لیکن کفار مکہ کے نمائندہ سہیل نے کہا: محمدؐ! یہ وہ پہلا شخص ہے جس کا میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اس کو مجھے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ابھی تو ہم یہ تحریر نہیں لکھ چکے۔ سہیل نے کہا: پھر تو میں اللہ کی قسم! آپؐ سے کسی بات پر بھی کبھی صلح نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر میری خاطر اس کی اجازت دے دو۔ اُس نے کہا: میں تو آپؐ کی خاطر اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس موقع پر ابو جندلؓ نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکوں کے حوالے کیا جاؤں گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کہا: کیا تم نہیں دیکھتے جو مصائب میں جھیل چکا ہوں۔ ابو جندل کو اللہ کی راہ میں فی الحقیقت سخت دکھ اُٹھانا پڑا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے معاہدے کا پاس کیا جو ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ کے حوالے کر دیا۔

اگر کوئی قوم صلح اور عہد باندھنے کے بعد عہد شکنی کی مرتکب ہو تو اس کے بارے میں بھی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ کھلے بندوں اُس کا اعلان کر دو تا کہ دونوں فریق جان لیں کہ اب معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ اس بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَۃً فَانۡۢبِذۡ اِلَیۡہِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ۔ (الانفال:۵۹) اور اگر تو کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر رکھتا ہو تو تُو اس طرح اُن کا عہد ختم کر دے جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں (فریق اپنی پابندیوں سے) آزاد ہو۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ مصالحت اور صلح جوئی کی ایک بہترین مثال ہے۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی عہد والے کو بغیر کسی وجہ کے قتل کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجهاد بَابٌ فِي الْوَفَاءِ لِلْمُعَاهِدِ وَحُرْمَةِ ذِمَّتِهِ حدیث:۲۷۶۰)

عدل و انصاف کا قیام: اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ ہر حالت میں انصاف کا قیام اُن کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ خواہ سامنے دشمن ہی کیوں نہ ہو اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کریں۔ جنگ کی صورت میں بھی یہ حکم لاگو ہوگا اور یہ بھی جنگ کا ایک ادب شمار ہوگا کہ دشمن کے ساتھ بہرحال انصاف کا سلوک روا رکھا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایمان لانے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ ہُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ (المائدہ:۹) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔

بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت: اسلام نے جنگ کا ایک اَور اہم ادب یہ بیان کیا ہے کہ جنگ کے دوران بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ روایت ہے کہ نبی ﷺ کی جنگوں میں سے کسی ایک جنگ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کیے جانے کو ناپسند فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب الجهاد والسیر بَاب قَتْلُ الصِّبْيَانِ فِي الْحَرْبِ حدیث:۳۰۱۴) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو ایک غزوہ پر بھیجتے ہوئے فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں غزوہ کرو، اس شخص سے جہاد کرو جو اللہ کا انکار کرے، غدر نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضا نہ کاٹو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجهاد بابٌ فِي دُعَاءِ المشركين حدیث نمبر:۲۶۱۳)

عورتوں کے قتل کی ممانعت: (حضرت عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی جنگوں میں سے کسی جنگ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب الجهاد والسیر بَاب قَتْلُ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ حدیث:۳۰۱۵) غزوۂ حنین سے متعلق حضرت رباح بن ربیعؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی حضرت خالد بن ولیدؓ کی طرف بھیجا کہ ان سے کہو: لَا تَقْتُلُنَّ

ذُرِّيَّةً وَّلَا عَسِيْفًا (سنن ابو داؤد کتاب الجهاد بابٌ فِي قَتْلِ النِّسَاءِ حدیث:۲۶۶۹) یعنی بچوں اور خدمت گاروں کو قتل نہ کریں۔

بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چلو اللہ کے نام سے، اللہ کی مدد حاصل کرتے ہوئے اور رسول اللہ کی ملت پر قائم رہتے ہوئے۔ بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے یا نابالغ کو اور نہ کسی عورت کو۔ خیانت سے باز رہنا، غنائم کو جمع رکھنا اور اصلاح کا معاملہ کرنا، نیکی اور احسان کا سلوک کرنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (سنن ابو داؤد کتاب الجهاد بابٌ فِي دُعَاءِ المشركين حدیث نمبر:۲۶۱۴)

گھریلو ملازمین کو قتل کرنے کی ممانعت: اسلام نے جنگوں کے بارے میں ایک ادب یہ بیان کیا ہے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے علاوہ گھریلو ملازمین کو بھی قتل نہیں کرنا۔ چنانچہ غزوۂ حنین کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو یہ حکم دیا: لَا تَقْتُلُنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا (سنن ابو داؤد کتاب الجهاد بابٌ فِي قَتْلِ النِّسَاءِ حدیث نمبر:۲۶۶۹) کسی عورت یا کسی خدمت گزار کو ہرگز قتل نہ کریں۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے دوران بچوں اور مزدوروں کے قتل سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا يُقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيفًا۔ (المستدرک كِتَابُ الْجِهَادِ حدیث نمبر:۲۵۶۵) بچوں اور کو مزدوروں کو قتل نہ کریں۔

دھوکہ دہی کی ممانعت: اسلام میں جنگ کا ایک اور ادب یہ ہے کہ جنگ کے دوران بھی دشمن کو دھوکہ نہ دیا جائے بلکہ اس فعل کو سخت ناپسند کیا ہے۔ یہاں تک کہ دھوکہ دے کر کسی کو قتل کرنا قابل جرم فعل قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: عہد و پیمان میں دھوکہ کرنے والے کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ فلاں بن فلاں کا دھوکا ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجهاد بَابٌ فِي الْوَفَاءِ الْعَهْدِ حدیث نمبر:۲۷۵۶) اسی طرح احادیث میں خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دَور کا ایک واقعہ اس طرح درج ہے: اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ اِلَى عَامِلِ جَيْشٍ كَانَ بَعْثَهُ اِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يَطْلُبُونَ الْعِلْجَ حَتَّى اِذَا أَسْنَدَ فِي الْجَبَلِ وَامْتَنَعَ قَالَ رَجُلٌ مَطْرَسْ يَقُولُ لَا تَخَفْ فَاِذَا أَدْرَكَهُ قَتَلَهُ وَاِنِّي وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَعْلَمُ مَكَانَ وَاحِدٍ فَعَلَ ذَلِكَ اِلَّا ضَرَبْتُ عُنُقَهُ۔ (مؤطا امام مالک کتاب الجهاد باب ماجاء في الوفا بالامان حدیث نمبر:۹۷۰) ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک افسر جنگ کو لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک کافر عجمی کو جبکہ وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور لڑائی سے باز آ گیا، بعض لوگوں نے اسے بلایا کہ مت ڈرو اور اسے مار ڈالا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر دوبارہ ایسا کیا گیا تو میں اس شخص کی گردن ماروں گا۔ یعنی ایسا کرنے والے کو موت کی سزا دوں گا۔

عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت: اسلام نے جنگ کے دوران دشمن کی عبادت گاہوں (جیسے مندر، گرجے یا کنیسہ) کو نقصان پہنچانے یا منہدم کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے بلکہ جنگ کے دوران اپنی عبادت گاہوں میں پناہ لینے والوں کو بھی مکمل تحفظ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (الحج:۴۱) (یعنی) وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے۔ اور اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کا دفاع اُن میں سے بعض کو بعض دوسروں سے بِھڑا کر نہ کیا جاتا تو راہب خانے منہدم کر دیے جاتے اور گرجے بھی اور یہود کے معابد بھی اور مساجد بھی جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور یقیناً اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔

راہبوں اور عبادت گزاروں کے احترام کی تعلیم: اسلام میں جنگ کا ایک ادب یہ ہے کہ دشمن کی عبادت گاہوں میں متعین افراد کا احترام کیا جائے اور اُنہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کرتے وقت امیر لشکر کو نصیحت کے رنگ میں فرمایا: اِنَّكَ سَتَجِدُ قَوْمًا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَّسُوا أَنْفُسَهُمْ لِلّٰهِ۔۔ لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً، وَلَا صَبِيًّا، وَلَا كَبِيْرًا هَرِمًا۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الجهاد باب النَّهي عن قَتْلِ النِّساء والوِلْدان في الغَزْو حدیث:۹۲۸۔ الناشر دار الغرب الاسلامی بیروت۔ الطبعة الثانية ۱۹۹۷ء) ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو عبادت گاہوں میں عبادت میں مشغول ہوں گے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ کسی عورت کو مت قتل کرو اور نہ بچوں کو اور نہ ہی بہت بوڑھوں کو۔

لاشوں کی بے حرمتی کی ممانعت: اسلام سے پہلے عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کرتے تھے۔ مقتولین کے مختلف اعضاء کاٹ دیتے۔ ناک کان اور چہرے کے دیگر اعضاء کاٹ کر چہرہ مسخ کر دیتے۔ جنگِ اُحد کا مشہور واقعہ ہے جب آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کا چہرہ مسخ کر دیا گیا اور ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکلوا کر چبالیا تھا۔ اسلام نے ایسے قبیح فعل کو سخت ناپسند کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو دشمن کی لاش کی بے حرمتی کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے لوٹ مار کرنے اور لڑائی میں مقتولین کے ناک اور کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب المظالم باب النُّهْبَى بِغَيْرِاِذْنِ صَاحِبِهِ حدیث نمبر:۲۴۷۴) آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو ایک غزوہ پر بھیجتے ہوئے فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں غزوہ کرو، غدر نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضا نہ کاٹو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجهاد بابٌ فِي دُعَاءِ حدیث نمبر:۲۶۱۳)

لوٹ مار کی ممانعت: پیغمبر اسلام ﷺ نے جنگ کا ایک ادب یہ سکھایا ہے کہ جنگ سے پہلے دشمن کے مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ ہی اُن کا مال اسباب لوٹا جائے بلکہ آپؐ نے ایسے مال کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے: نبی ﷺ نے لوٹ مار کرنے اور لڑائی میں مقتولین کے ناک اور کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب المظالم باب النُّهْبَى بِغَيْرِاِذْنِ صَاحِبِهِ حدیث نمبر:۲۴۷۴) نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا (جامع ترمذی کتاب السیر عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء في كراهية النهبة) جس نے لوٹ کھسوٹ کی اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ثعلبہ بن حکمؓ سے مروی ہے: ہم نے دشمن کی بکریاں لوٹیں اور ہانڈیاں چڑھا دیں۔ نبی ﷺ ہانڈیوں کے پاس سے گزرے اور اُن کی نسبت حکم دیا اور وہ اُنڈیل دی گئیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: لوٹ کا مال جائز نہیں۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، باب النهى عن النهبة حدیث نمبر:۳۹۳۸) پس نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت میں اس قدر احتیاط برتی ہے کہ انہیں بھوک کی حالت میں بھی لوٹ مار کا مال استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ پس اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جنگوں کے جو آداب سکھائے ہیں اُن میں دشمنوں کے حقوق کا بھی پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔

درختوں اور کھیتیوں کو تباہ کرنے کی ممانعت: جنگوں کا ایک ادب یہ بیان ہوا ہے کہ دشمن کے درختوں اور کھیتوں کو بلاوجہ نہ کاٹا جائے اور نہ ہی بستیوں کو اُجاڑا جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ایک لشکر کے چوتھائی حصے کا نگران مقرر فرمایا۔ آپؓ نے ان کو روانہ کرتے وقت جو وصیت فرمائی اُس میں سے چند نصائح درج ذیل ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: کسی عورت کو مت مارنا اور نہ بچوں کو اور نہ بوڑھوں کو اور درخت نہ کاٹنا، کسی بستی کو نہ اجاڑنا، کسی بکری اور اونٹ کی کونچیں مت کاٹنا مگر کھانے کے واسطے، کھجور کے درخت کو مت جلانا۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد باب النھی عن قتل النساء والولدان فی الغزو حدیث:۹۶۸)

جانوروں کو بلاوجہ مارنے اور تکلیف دینے کی ممانعت: اسلام نے جنگوں کا ایک ادب یہ بیان کیا ہے کہ جنگ کے دوران احسان کو رَوا رکھنا ہے تا کہ دشمن کو کم سے کم تکلیف پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کرتے وقت فرمایا: کسی بستی کو نہ اجاڑنا، کسی بکری اور اونٹ کی کونچیں مت کاٹنا مگر کھانے کے واسطے، کھجور کے درخت کو مٹ جلانا۔ (موطا امام مالک، کتاب الجہاد باب النھی عن قتل النساء والولدان فی الغزو حدیث نمبر:۹۶۸)

اسلام نے جانوروں کے ساتھ عام حالات میں ہی رحم کا سلوک روا رکھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ جنگ کے دوران دشمن کے جانوروں کے ساتھ بھی رحم کا سلوک کرنے حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے احسان کو فرض کیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریق سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو۔ تم میں سے جو کوئی ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری تیز کرے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو آرام پہنچائے۔ (صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح وَمَايُؤْكَلُ مِنَ الْحَيَوَانِ، بَابُ الْاَمْرُ بِاِحْسَانِ الذَّبْحِ وَالْقَتْلِ وَتَحْدِيدِ الشَّفْرَةِ حدیث نمبر:۵۰۵۵)

جنگ کے دوران جب دشمن کا آمنا سامنا ہو تو ایک دوسرے کا خون بہانا ایک لازمی امر ہے۔ تلواروں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگوں میں عام طور پر دنیاداروں کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ دشمن پر قابو پا لینے کے بعد ایک ایک کر کے اُس کے اعضاء کاٹتے اور اسے اذیت ناک موت دیتے لیکن اس موقع پر بھی نبی کریم ﷺ نے دشمن کے ساتھ احسان کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ دشمن کو اذیت پہنچا کر قتل نہ کرو بلکہ جہاں تک ممکن ہو ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دو تا کہ وہ مزید تکلیف سے محفوظ رہے۔

قیدیوں سے حسن سلوک: اسلامی جنگوں کا ایک ادب یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اچھا برتاؤ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (الدھر:۹) اور وہ کھانے کو، اس کی چاہت کے ہوتے ہوئے، مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔ یہ آیت قیدیوں کے حسنِ سلوک کی واضح دلیل ہے۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں قرآن کریم نے یہ راہنما اُصول بیان فرمایا ہے: فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:۵) پھر بعد ازاں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر آزاد کرنا یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ پس اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اسیرانِ جنگ کو بغیر تاوانِ جنگ لیے، بطور احسان یا تاوان لے کر آزاد کرنے کی تعلیم دی ہے اور انہیں باور کرایا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ تم نے اُن کے مظالم کا انتقام نہیں لیا یا اس طرح تمہارے شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا بلکہ اس امر کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ غزوۂ بدر کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ ہوازن کے قیدی آزاد فرمائے بعض سے تاوان لیا گیا اور بعض بے تاوان آزاد کر دیے گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (الانفال:۶۸) کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کیے بغیر قیدی بنائے۔ تم دنیا کی متاع چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت پسند کرتا ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔ آیت مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ اگر کسی نبی کو مجبوراً جنگ لڑنی پڑے تو اسی صورت میں فتح پانے پر لڑنے والوں کو قیدی بنایا جاسکتا ہے یعنی بغیر جنگ کے کسی کو قید کرنا جائز نہیں۔

فتح کے بعد عام معافی دینا: اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جنگ کا ایک اہم ادب یہ سکھایا ہے کہ اگر فتح کے بعد مفتوح قوم کو عام معافی دینا زیادہ سود مند ہو تو معاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ اَنِّيْ فَاعِلٌ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا خَيْرًا، اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ۔ قَالَ اذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ (السيرة النبوية لابن هشام، ذكر فتح مكة، طواف الرسول بالبيت وكلمة فيه، جزء ۲ صفحہ ۴۱۲) اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: اچھا ہی کریں گے۔ شریف بھائی ہو۔ شریف بھائی کے بیٹے ہو۔ فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔ یہ کہہ کر آپؐ بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ کا کفار مکہ سے یہ حسن سلوک تاریخ انسانی کی ایک عظیم ترین مثال شمار ہوتی ہے۔

جنگی آداب کا خلاصہ: اسلامی تعلیم کی روشنی میں جنگ کے آداب کو مختصراً اور یکجائی صورت میں اگر دیکھا جائے تو اس کے اہم آداب درج ذیل ہیں۔ بلاوجہ جنگ مسلط کرنا جائز نہیں بلکہ جنگ صرف جائز مقصد کے لیے ہونی چاہیے۔ ظلم اور زیادتی ممنوع ہے۔ امن کی پیشکش قبول کی جائے۔ عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ راہبوں اور عبادت گزاروں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ عہد شکنی نہ کی جائے۔ لوٹ مار نہ کی جائے۔ درخت ......باقی صفحہ ۵۹ پر......

رسول اللہ ﷺ کی غزوات میں دعائیں

(ایم۔اے۔طیب)

ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور ﷺ کی حالتِ جنگ کی دعائیں بھی صحابہ کرامؓ نے محفوظ کیں جن میں کہیں تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو اُبھارا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا ہے کہیں بڑے عجز وانکسار سے اس کی مدد ونصرت طلب کی ہے اور کہیں محض دشمن کی پسپائی اور ہلاکت کی دعا کی ہے

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں، التجائیں اور گریہ وزاری کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے وقت اور بیدار ہوتے ہوئے یہاں تک کہ بیت الخلا جاتے وقت اور آتے وقت کی دعائیں اور اذکار بھی ملتے ہیں۔ جہاں خوشی اور مسرت کے وقت کی آپؐ کی دعائیں محفوظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے لبریز ہیں وہاں تکلیف اور کرب وبلا کی دعائیں بھی محفوظ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت اور غنا کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے کرب وبلا سے نجات کی دعائیں کی ہیں۔ حالتِ جنگ بھی تکلیف اور کرب وبلا کی ایک شاخ ہے اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور ﷺ کی حالتِ جنگ کی دعائیں بھی صحابہ کرامؓ نے محفوظ کیں جن میں کہیں تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو اُبھارا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا ہے کہیں بڑے عجز وانکسار سے اس کی مدد ونصرت طلب کی ہے اور کہیں محض دشمن کی پسپائی اور ہلاکت کی دعا کی ہے۔ آیئے! رسول اللہ ﷺ سے حالت جنگ میں دعاؤں کے گُر سیکھتے ہیں۔

غزوہ پر جاتے ہوئے کامل توکّل کی دعا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا غَزَا قَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي وَنَصِيْرِي، بِكَ أَحُولُ، وَبِكَ أَصُولُ، وَبِكَ أُقَاتِلُ۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب مایدعی عند اللقاء: ۲۶۳۲) ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کے لیے جاتے تو کہتے: اے اللہ! تُو ہی میرا دست و بازو اور میرا مددگار ہے۔ تیرے ذریعہ سے میں تدبیر کرتا ہوں، اور تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں لڑتا ہوں۔

خوف کے وقت

اللہ تعالیٰ کو سپر اور ڈھال بنانے کی دعا

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ إِذَا خَافَ قَوْمًا، قَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ۔ (ابو داؤد ابواب قراءۃ القرآن باب مایقول الرجل إذا خاف قوما: ۱۵۳۷) حضرت ابو بردہ بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو جب کسی قوم (کے حملہ) کا اندیشہ ہوتا تو آپؐ کہتے اے اللہ! ہم تجھے دشمنوں کے سینوں کے آگے کرتے ہیں اور ان کے شرور سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

غزوۂ بدر کے دوران دعا

اللّٰهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللّٰهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي، اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ۔ ترجمہ: اے اللہ! جو تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا کر دے۔ اے اللہ! جو تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے قبلہ رخ ہو کر مسلسل اپنے رب کو پکارتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ کی چادر مبارک آپؐ کے کندھوں سے گر گئی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے پاس آئے، انہوں نے آپؐ کی چادر اٹھائی اور اسے آپؐ کے کندھوں پر ڈال دیا، پھر وہ آپؐ کے پیچھے سے آپؐ سے لپٹ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! آپ کا اپنے رب کو پکارنا آپ کے لیے کافی ہے۔ یقیناً وہ آپؐ سے کیا ہوا اپنا وعدہ جلد پورا فرمائے گا، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ (الانفال: ۱۰) (یاد کرو) جب تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری التجا کو قبول کر لیا (اس وعدہ کے ساتھ) کہ میں ضرور ایک ہزار قطار در قطار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ آپؐ کی مدد فرمائی۔ (مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم: ۴۵۸۸)

غزوۂ بدر کے موقع پر بے سروسامانی کی دعا

غزوۂ بدر کے موقع پر مومنوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفار کے ایک ہزار کے لشکر کے مقابل پر صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے ساری فوج میں ۷۰/اونٹ اور ۲/ گھوڑے تھے جن پر مسلمان باری باری سوار ہوتے تھے اور سامان حرب بھی معمولی تھا اس بے سروسامانی کی حالت دیکھ کر حضور ﷺ نے یہ دعا کی:

اللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ، اللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی نفل السریۃ تخرج من العسکر: ۲۷۴۷) ترجمہ: اے اللہ! یہ پیدل ہیں انہیں سواری دے۔ اے اللہ! یہ ننگے ہیں انہیں کپڑا اوڑھا دے۔ اے اللہ! یہ بھوکے ہیں انہیں سیر کر دے۔

دعا کی قبولیت: چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور غزوۂ بدر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ اگر اس نے سواری پر جانا چاہا تو اس کو ایک دو ایسے اونٹ نہ مل گئے ہوں جنہیں وہ استعمال کر سکے۔ اسی طرح جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انہیں کپڑے مل گئے اور سامانِ رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہ رہی۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کا اس قدر معاوضہ ملا کہ ہر خاندان دولت مند ہو گیا۔ (ماخوذ از السیرۃ الحلبیۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۲ء)

بدر کے دن

رسول اللہ ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ قَاتَلْتُ يَوْمَ بَدْرٍ قِتَالًا، ثُمَّ جِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ فَإِذَا هُوَ سَاجِدٌ، يَقُولُ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقَاتَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ سَاجِدٌ يَقُولُ ''يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ''، قَالَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (مسند ابی یعلی مسند ابی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: ۵۳۰) ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے غزوۂ بدر کے دن کچھ دیر قتال (جنگ) کیا، پھر میں نبی کریم ﷺ کی طرف آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدے کی حالت میں ہیں اور کہہ رہے ہیں: يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ (اے زندہ اور قائم رہنے والے!) پھر میں (واپس) چلا گیا اور قتال میں مصروف ہو گیا، پھر دوبارہ آیا تو نبی کریم ﷺ اب بھی سجدے میں یہی کہہ رہے تھے: يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرما دی۔

غزوۂ احد کے موقع پر حضرت سعدؓ کے لیے دعا

غزوۂ احد کے دوران جب اچانک افراتفری مچ گئی، تو کثیر تعداد میں صحابہ کرامؓ وقتی طور پر منتشر ہو گئے۔ اس انتہائی نازک وقت میں کفارِ مکہ نے سیدھے رسول اللہ ﷺ پر جان لیوا حملے شروع کر دیے تا کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا خاتمہ کر سکیں۔

حضرت سعدؓ کا دفاعِ رسول ﷺ: اس ہولناک موڑ پر جو چند صحابہ کرامؓ پامردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے گرد ڈھال بن کر کھڑے ہوئے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ وہ عرب کے بہترین تیر انداز تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کفار پر اندھا دھند اور انتہائی تیزی سے تیر برسانا شروع کر دیے تا کہ انہیں آپ ﷺ کے قریب آنے سے روکا جا سکے۔

آپ ﷺ کا فدایانہ انداز اور دعا

آپ ﷺ خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت سعدؓ کو ترکش سے تیر نکال نکال کر پکڑانے لگے اور جوش ومحبت میں فرمانے لگے: اِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، (ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: ۱۳۰) ترجمہ: سعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ مسند البزار میں یہ الفاظ بھی ہیں: اللّٰهُمَّ سَدِّدْ رَمْيَتَهُ، وَأَجِبْ دَعْوَتَهُ (مسند البزار: ۱۲۱۳) اے اللہ! اس کے نشانے کو سیدھا رکھ اور اس کی دعا کو قبول فرما۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مجھے ایسے تیر بھی پکڑا دیتے تھے جن کے آگے لوہے کا پھل (نوک) بھی نہیں ہوتا تھا (صرف لکڑی ہوتی تھی)، لیکن آپ ﷺ کے فرمانے پر جب میں وہ چلاتا تو وہ بھی دشمن کو جا لگتا۔ اسی دوران میدانِ جنگ میں آپ ﷺ مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ان کے حق میں موقع پر ہی دعا فرماتے تھے۔

غزوۂ احد کے آخر میں ایک جامع دعا

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَعَّدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ وَلَا يَزُولُ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ، اللّٰهُمَّ عَائِذٌ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا، وَشَرِّ مَا مَنَعْتَنَا، اللّٰهمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الإِيْمَانَ وَزَيِّنْه فِيْ قُلُوْبِنَا، وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ، اللّٰهمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ، اللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ، وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِم رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ إِلَهَ الحَقِّ آمِيْنَ۔ (مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۵۴۹۲) اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ! جسے تُو پھیلا دے اسے کوئی سمٹانے والا نہیں، اور جسے تُو سمٹائے اسے کوئی پھیلانے والا نہیں۔ اور جسے تُو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور جسے تُو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جو چیز تُو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور جو تُو عطا کر دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس چیز کو تُو دور کر دے اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں، اور جسے تُو قریب کر دے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اے اللہ! ہم پر اپنی برکات، اپنی رحمت، اپنے فضل اور اپنے رزق کے دروازے کھول (پھیلا) دے۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے ایسی دائمی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں جو کبھی بدلیں نہ اور کبھی ختم نہ ہوں۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے خوف کے دن امن وامان کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو تو نے ہمیں عطا فرمائی، اور اس چیز کے شر سے بھی جو تو نے ہم سے روک لی۔ اے اللہ! ایمان کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوبصورت کر دکھا، اور ہمارے دلوں میں کفر، گناہ اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دے، اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما۔ اے اللہ! ہمیں اسلام کی حالت میں موت عطا فرما، ہمیں اسلام کی حالت میں زندہ رکھ، اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے، اس حال میں کہ ہم نہ رسوا ہوں اور نہ کسی فتنے میں مبتلا ہوں۔ اے اللہ! ان کافروں کو ہلاک فرما جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے راستے سے روکتے ہیں، اور ان پر اپنا عذاب اور سخت سزا نازل فرما، اے سچے معبود! میری یہ دعا قبول فرما۔

غزوۂ احد کے موقع پر زخمی ہونے پر قوم کی ہدایت کی دعا

غزوۂ احد کے دن جب آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے اور آپؐ کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے، تو صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کو یہ تکلیف دیکھ کر شدید صدمہ ہوا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ان ظالموں پر بد دعا کیوں نہیں فرما دیتے؟ اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے غصہ ہونے کے بجائے یہ فرمایا کہ میرا مقصدِ بعثت لوگوں پر لعنتیں بھیجنا یا انہیں خدا کی رحمت سے دور کرنا نہیں، بلکہ انہیں خدا کی طرف بلانا اور ان پر رحم کرنا ہے تب آپ ﷺ نے دشمن کے لیے بددعا کرنے کی بجائے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (شعب الایمان ۱۳۷۵:۲) ترجمہ: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ (سچائی کو) جانتے نہیں ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس دعا کے حوالے سے فرماتے ہیں: "آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا خاص طور پر میں کہنا چاہتا ہوں جس طرح شروع میں مَیں نے ذکر بھی کیا تھا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن۔ جب غزوہ احد کے وقت آنحضرت ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا، بلکہ دندان شہید ہوئے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تو یہ صحابہ کرام کے لیے بڑی تکلیف دہ بات تھی۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان لوگوں کے خلاف بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا "مجھے لعنت ملامت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ میں خدا کی طرف دعوت دینے والا باعث رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ پھر آپ نے یوں دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔" (خطبات مسرور جلد ۷ صفحہ ۱۱۷)

غزوۂ خندق (احزاب) کے موقع پر دعا

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حضور ﷺ مٹی کھود رہے تھے اور ہم مٹی ڈھو رہے تھے آپؐ ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ، فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ۔ (بخاری کتاب الرقاق باب لا عیش الا عیش الآخرۃ: ۶۴۱۴) اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر جب تمام کافر قبیلوں نے مل کر جو دس ہزار کے قریب تھے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور مسلمان شدید آزمائش اور خوف میں تھے، تب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ، وَمُجْرِیَ السَّحَابِ، وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ، اھْزِمْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ۔ (بخاری کتاب الجھاد والسیر باب لا تمنوا لقاء العدو: ۳۰۲۵) ترجمہ: اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے! ان (کافروں) کو شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ایک روایت میں اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ کے الفاظ ہیں یعنی اے اللہ! انہیں شکست دے اور ان پر زلزلہ طاری کر دے۔ (بخاری: ۲۹۳۳)

محاصرے کے وقت کی ایک اور دعا

غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمن نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور مسلمان شدید پریشانی کا شکار ہوئے، تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی دعا ہے جو ہم پڑھیں؟ کیونکہ دل حلق کو آرہے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ دعا سکھائی: اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا۔ (مسند احمد بن حنبل مسند المکثرین من الصحابۃ: ۱۰۹۹۶) ترجمہ: اے اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال اور ہمارے خوف کو امن سے تبدیل فرما۔

اس دعا کے بعد اللہ نے شدید ہوا کا طوفان بھیجا جس نے دشمن کے خیمے اکھاڑ دیے۔

غزوۂ خندق (احزاب) کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے شدید سردی، بھوک اور محاصرے کی حالت میں یہ دعا مانگی، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیبی مدد فرمائی۔ مادی اسباب کے بغیر، اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لشکر پر دو طرح کا عذاب نازل کیا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۔ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا۔ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا۔ (الاحزاب:۱۰-۱۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تمہارے پاس لشکر آئے تھے تو ہم نے ان کے خلاف ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم دیکھ نہیں رہے تھے اور یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تمہارے پاس لشکر آئے تھے تو ہم نے ان کے خلاف ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم دیکھ نہیں رہے تھے اور یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔

دشمن پر آنے والے عذاب کی تفصیل درج ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خیموں کی طرف ایک ایسی ہولناک اور سرد ہوا بھیجی جس نے ان کا سب کچھ تہ و بالا کر دیا۔

تیز ہوا نے کافروں کے خیموں کی طنابیں کاٹ دیں اور خیمے ہوا میں اڑ گئے۔ کھانا پکانے کے لیے چولہوں پر چڑھائی گئی ہانڈیاں اور دیگیں اوندھی ہو گئیں۔ اندھیری رات میں روشنی اور گرمی کے لیے جلائی گئی تمام آگ بجھ گئی، جس سے وہ شدید سردی میں ٹھٹھر کر رہ گئے۔ ہوا کے خوف اور شور سے ان کے گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑوا کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جنہیں انسان دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ان فرشتوں نے دو کام کیے۔ فرشتوں نے کافروں کے دلوں میں ایسا خوف اور دہشت ڈال دی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے مشرکین کے کانوں میں غیبی طور پر اللہ اکبر کی ہیبت ناک آوازیں گونجنے لگیں، جس سے انہیں لگا کہ ان پر ہر طرف سے حملہ ہو چکا ہے۔ (مسلم کتاب الجھاد والسیر باب غزوۃ الاحزاب)

انجام اور واپسی: اس الٰہی عذاب، شدید سردی اور نفسیاتی خوف کی وجہ سے کافروں کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ لشکرِ کفار کا امیر ابوسفیان، اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے رات کے اندھیرے میں ہی پکار کر کہا: "اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اپنے اونٹ سنبھالو اور نکلو۔"

صبح ہونے تک دس ہزار کا وہ عظیم لشکر، جو مدینہ کو مٹانے آیا تھا، ذلیل و رسوا ہو کر بنا کوئی جنگ جیتے واپس بھاگ چکا تھا۔ یوں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا "ھَازِمَ الْاَحْزَابِ وَحْدَہٗ" کو سچ کر دکھایا اور "اکیلے ہی تمام لشکروں کو شکست دے دی۔"

دورانِ جنگ نماز رہ جانے پر حضور ﷺ کی دعا

رسول کریم ﷺ جس طرح حالتِ امن میں نمازوں کا اہتمام فرماتے اسی طرح حالتِ جنگ میں بھی نماز کا اہتمام فرماتے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب حضور ﷺ نماز اپنے وقت پر ادا نہ فرما سکے تو حضور ﷺ نے یوں کفار کے خلاف بد دعا کی: مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا، شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاۃِ الْوُسْطٰی حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ۔ (بخاری کتاب الجھاد والسیر باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ والزلزلۃ: ۲۹۳۱) اے اللہ! ان کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں نمازِ عصر سے روکا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

فتح خیبر سے قبل دعائیہ کلمات

حضرت معتب بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر کے پاس آئے تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ ٹھہرو پھر یہ دعا پڑھی: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَمَا اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ، فَاِنَّا نَسْاَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا، وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا، وَشَرِّ اَھْلِھَا، وَشَرِّ مَا فِیْھَا۔" (السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق جلد ۱ صفحہ ۴۷۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان مطبوعہ ۲۰۰۴ء) یعنی اے اللہ! اے آسمانوں کے ربّ اور ان چیزوں کے (ربّ) جن پر انہوں نے سایہ کر رکھا ہے، اور زمینوں کے رب اور ان چیزوں کے (ربّ) جن کو انہوں نے اٹھا رکھا ہے، اور شیطانوں کے رب اور ان کے (ربّ) جنہیں انہوں نے گمراہ کر رکھا ہے، اور ہواؤں کے رب اور ان چیزوں کے (ربّ) جنہیں انہوں نے اڑا رکھا ہے! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی، اس کے رہنے والوں کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں، اور ہم اس کی برائی سے، اس کے رہنے والوں کی برائی سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ آگے بڑھو۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ دعا حضور ﷺ عموماً ہر بستی میں داخلہ کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

فتح خیبر کے بعد دعائیہ کلمات

جب خیبر فتح ہو گیا تو حضور ﷺ نے باآواز بلند یہ دعائیہ کلمات کہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، خَرِبَتْ خَیْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ (بخاری کتاب الصلاۃ باب ما یذکر فی الفخذ، حدیث نمبر: ۳۷۱) اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے خیبر ویران ہو گیا ہم جب کسی قوم کو تنبیہ کرنے اور ہوشیار کرنے کے بعد اس کے میدان میں اترتے ہیں تو اس کی صبح نامبارک صبح ہوا کرتی ہے۔

خیبر میں محمود بن سلمہؓ کی شہادت کے بعد جب ان کے بھائی محمد بن مسلمہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو یہودیوں نے زیادتی سے قتل کیا ہے میں اس کا انتقام لے کر رہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بھی محمد بن مسلمہؓ کی تربیت فرمائی اور انہیں دعا سکھائی آپ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے اور خدا سے عافیت مانگتے ہوئے ابتلا سے بچنا چاہیے اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو پھر دعا اور تدبیر سے اس کا مقابلہ کرو اور یہ دعا کرو: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا، وَنَوَاصِیْنَا وَنَوَاصِیْھِمْ بِیَدِکَ، وَاِنَّمَا تَقْتُلُھُمْ اَنْتَ۔ (مستدرک علی الصحیحین کتاب المغازی والسرایا، حدیث نمبر: ۴۳۴۲) اے اللہ! تو ہی ہمارا بھی ربّ ہے اور ان کا بھی ربّ ہے، اور ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہی ہاتھ (قبضے) میں ہیں، اور انہیں تو ہی قتل کرنے والا ہے۔ پھر زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ اور جب وہ تم پر چھا جائیں تو اٹھ کھڑے ہو اور تکبیر (اللہ اکبر) کہو۔

آپ ﷺ میدانِ جنگ میں دشمن کے خلاف مسلسل اس دعا کا وِرد بھی فرماتے تھے۔

مکہ میں داخلے اور فتح کے وقت کے کلمات (شکر و توحید)

حضور ﷺ ہر مشکل اور کٹھن مرحلہ کے لیے دعا اور تدبیر دونوں سے کام لیتے تھے۔ آغاز سفر میں حضور ﷺ نے اپنے ربّ کے حضور یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ خُذِ الْعُیُوْنَ وَالْاَخْبَارَ عَنْ قُرَیْشٍ اے اللہ! قریش کے جاسوسوں کو روک رکھ اور ہماری خبریں ان تک نہ پہنچ پائیں۔ اس کے ساتھ آپؐ نے یہ تدبیر فرمائی کہ مدینہ سے مکہ جانے والے راستوں پر پہرے بٹھا دیے۔ (سیرت الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۵)

فتح مکہ تاریخ اسلام کا وہ عظیم الشان موقع ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے دس ہزار صحابہؓ کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، تو آپ ﷺ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ کی توحید اور اس کے احسان کا اقرار کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ، صَدَقَ وَعْدَہٗ، وَنَصَرَ عَبْدَہٗ، وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (بخاری ابواب العمرۃ باب ما یقول اِذا رجع من الحج أو العمرۃ أو الغزو: ۱۷۹۷) ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی، اور اس اکیلے نے ہی تمام لشکروں کو شکست دے دی۔

مکہ کے کافروں کے لیے معافی کی تاریخی دعا

جب مکہ کے وہ مشرکین جنہوں نے مسلمانوں پر سالہا سال ظلم ڈھائے تھے، کعبہ کے صحن میں خوفزدہ کھڑے اپنی سزا کا انتظار کر رہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: "تمہیں مجھ سے کس سلوک کی امید ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں" اس پر آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کلمات دہراتے ہوئے ان کے لیے یہ تاریخی دعا معافی فرمائی: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ، اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ ترجمہ: آج تم پر کوئی گرفت (یا ملامت) نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت یوسفؑ نے تو اپنے سگے بھائیوں کو معاف کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کو معافی کی ندا سنائی۔

میدانِ جنگ سے واپسی پر شکرانے کی دعا

جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوے سے فتح یاب ہو کر واپس مدینہ منورہ لوٹتے، تو بلند مقام پر چڑھ کر تین بار "اللہ اکبر" کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: آیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِسَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ، وَنَصَرَ عَبْدَہٗ، وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (بخاری کتاب الجھاد والسیر باب ما یقول اِذا رجع من الغزو، حدیث نمبر: ۳۰۸۴) ترجمہ: ہم واپس لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے ہی تمام (دشمن کے) لشکروں کو شکست دے دی۔

☆...☆...☆

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا   وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

وَيَضَعَ الْحَرْبَ: مسیح موعود کی واضح علامت ... جنگوں کا موقوف ہونا

(ذیشان محمود۔ مربی سلسلہ سیرالیون)

'یضع الحرب'' کی پیشگوئی اور ''یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا، وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا'' کا شعر اس زمانہ میں تشدد اور انتہا پسندی کے خاتمہ کا اعلان ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اسوہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور اصل اسلامی تعلیمات کا بتانا اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہیں کہ اسلام امن، محبت اور انسانیت کی فلاح کا مذہب ہے

جنگوں کے سائے میں انسانیت کا بحران جنم لے رہا ہے۔ آج دنیا ایک بار پھر جنگوں، تنازعات اور طاقت کے بے جا استعمال کی لپیٹ میں ہے۔ ایسے حالات میں اسلام کی حقیقی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کا پاکیزہ اسوہ انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخری زمانے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی ''یضع الحرب'' کی روشنی میں اعلان فرمایا کہ

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

یعنی اب اسلام کی ترقی تلوار اور تیر و تفنگ سے نہیں بلکہ دعا، اخلاق، علم اور روحانی دلائل سے وابستہ ہے۔ آپؑ نے واضح فرمایا کہ اس زمانے میں جنگ و جدال کو اختیار کرنے والے نہ صرف اسلام کی حقیقی روح سے دور ہوں گے بلکہ ذلت اور ناکامی کا سامنا بھی کریں گے۔ یہی پیغام آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

آج دنیا کے مختلف خطے جنگوں، خانہ جنگیوں اور طاقت کے تصادم کا شکار ہیں۔ ان حالات میں اسلام کی تعلیمات ایک متوازن اور عادلانہ راستہ پیش کرتی ہیں۔ اسلام ظلم، استحصال اور زیادتی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ باہمی احترام، انصاف اور مذاکرات کی تلقین کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ پائیدار امن صرف سیاسی معاہدوں اور بیانات سے نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی انقلاب کے ذریعے قائم ہوسکتا ہے۔ یہی اسلامی تعلیمات آج کے عالمی بحرانوں کا حقیقی حل پیش کرتی ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے حضرت مسیح موعود و مہدی کے زمانے کی ایک نمایاں علامت ''یضع الحرب'' بیان فرمائی، یعنی وہ جنگ کا خاتمہ کرے گا۔ اس پیشگوئی کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا میں ہر قسم کی جنگیں ختم ہو جائیں گی بلکہ یہ کہ دین کی اشاعت اور غلبہ کے لیے تلوار کا دور ختم ہو جائے گا۔ سب سے پہلے ہم اس حدیث کو دیکھتے ہیں کہ اس حدیث کے اصل الفاظ کیا ہیں۔

بخاری میں ہے کہ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلاً فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْحَرْبَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہوں، عادل حَکَم ہو کر وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جنگ موقوف کریں گے اور مال اس بہتات سے ہو گا کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا۔ (ترجمہ از صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسیٰ علیہما السلام، حدیث نمبر ۳۴۴۸، جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۴۳۴)

پھر ترمذی میں ہے کہ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ، حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ''۔ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔ (سنن ترمذی کتاب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ما جاء فی نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام حدیث نمبر: ۲۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب تمہارے درمیان عیسیٰ بن مریم حاکم اور منصف بن کر اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، اور مال کی زیادتی اس طرح ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترجمہ از صحیح مسلم/کتاب الإیمان/ ا۷. باب نزول عیسی ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم: حدیث: ۳۸۹)

حرب یا جزیہ

یہاں دو حدیثیں درج کی گئی ہیں۔ دونوں میں حرب اور جزیہ کے الفاظ کا فرق ہے۔ گو جزیہ بھی جنگ کے بعد حالت امن کو برقرار رکھنے کے لیے مفتوح قوم سے لیا جاتا ہے۔ اور محدثین کے مطابق جزیہ کے موقوف ہونے کی وجہ مال کی بہتات ہو گی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت جزیہ موقوف ہونا بھی امن کی علامت ہے۔ اور اگر امن ہو تو جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بخاری کی بعض ایڈیشنز میں الحرب کے لفظ کی جگہ جزیہ کا لفظ شامل ہے۔ اور اس سبب حضرت مسیح موعودؑ پر الزام لگایا جاتا ہے۔ گویا جنگ کو موقوف کرنا علامت نہیں۔ تاہم بخاری کے جن نسخوں میں جزیہ کا لفظ ہے تو حاشیہ میں حرب کا اختلاف درج کیا گیا ہے کہ۔ اسی طرز روایت میں حرب کا لفظ بھی ہے۔

لفظی لحاظ سے اس حدیث کو اگر غور سے دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ اگر صلیب کو عملی طور پر توڑا جائے اور سور کو مار دیا جائے تو کیا ممکن ہے کہ مذہبی جنگ کا آغاز نہ ہو۔ ضرور صلیب کو توڑنا عیسائیت کو کچلنا متصور ہو گا اور سور کے گوشت کی ایک بڑی صنعت اس سے متاثر ہو گی اور وہ بھی اعلان جنگ کر کے دنیا کی معیشت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں گے۔ سو اس حدیث کے الفاظ سے ہی واضح ہے کہ یہ دونوں کام معنوی طور پر ہوں گے۔ اب رہا تیسرا کام تو جب معنوی طور پر صلیبی عقائد اور خنزیری صفات و عادات کا خاتمہ ہو گا تو عملاً جنگ ختم ہو جائے گی اور عقائد کی جنگ چلے گی۔ اور عقائد کی جنگ میں بھی طویل ہو گی یکدم ختم نہیں ہو گی۔ دنیاوی مال کی تقسیم تو بالکل آسان نہیں ہوتی۔ اور کسی اور کی جاگیر کو ہتھیا کر تقسیم کرنا کسی بھی مذہب کی تعلیم نہیں۔ اس لیے جو مال تقسیم ہونا ہے وہ بھی معنوی طور پر علم کی دولت ہے۔ اور قلم کے جہاد کا مالِ غنیمت اتنا تقسیم ہو گا کہ لینے والا سیر ہو گا جائے گا لیکن معارف کے چشمے خشک نہیں ہوں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اب جہاد کا میدان قلم، دعا اور روحانی استدلال ہے۔ آپؑ نے اس پیشگوئی کو پورا کرتے ہوئے اسلام کی خوبصورت تعلیمات کو محبت، حکمت اور امن کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ نے اس حدیث کے کیا معنے کیے ہیں اور کس طرح اس کو بطور علامت اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔

اس حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کیا

حضرت مسیح موعودؑ نے ازالہ اوہام میں اس حدیث کو درج فرما کر یوں ترجمہ فرمایا ہے۔ ''صحیح بخاری صفحہ ۴۹۰: والذی نفسی بیدہ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم امامکم منکم۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ابن مریم نازل ہو گا اور تمہارے ہر یک مسئلہ مختلف فیہ کا عدالت کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور باطل پرستوں کو الگ اور حق پرستوں کو الگ کر دے گا پس وہ اِسی حَکم ہونے کی وجہ سے صلیب کو توڑے گا اور خنزیروں کو مارے گا اور روز کے جھگڑوں کا خاتمہ کر دے گا۔ تمہارا اُس دن کیا حال ہو گا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہو گا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہو گا اور تم میں سے ہی (اے اُمّتی لوگو) پیدا ہو گا۔'' (اِزالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۹۸-۱۹۹)

اب سے زمینی جہاد بند کیے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا جیسا کہ حدیثوں میں پہلے لکھا گیا تھا کہ جب مسیح آئے گا تو دین کے لیے لڑنا حرام کیا جائے گا۔ سو آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے اور غازی نام رکھا کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ صحیح بخاری کو کھولو اور اُس حدیث کو پڑھو کہ جو مسیح موعود کے حق میں ہے یعنی یضع الحرب جس کے یہ معنے ہیں کہ جب مسیح آئے گا تو جہادی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سو مسیح آچکا اور یہی ہے جو تم سے بول رہا ہے۔ (خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۷)

کیوں بھولتے ہو تم یَضَعُ الحَرب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفٰے
عیسی مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

اور ہم رسالہ فتح اسلام میں ظاہر کر آئے ہیں کہ درحقیقت مسیح بھی ایک ایمانی معارف کا سکھلانے والا اور ایمانی معلم تھا اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ مسیح بھی ظاہری لڑائیوں کے لئے نہیں آئے گا بلکہ بخاری نے یضع الحرب اس کی علامت لکھی ہے اور یہ کہ اُس کا قتل کرنا اپنے دم کی ہوا سے ہو گا نہ تلوار سے یعنی موجّہ باتوں سے روحانی طور پر قتل کرے گا۔ (اِزالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۵۵، حاشیہ)

پھر فرمایا کہ دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے صحیح بخاری کی اُس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ سو میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلاویں کہ اسی سے اُن کا دین پھیلے گا۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس جہاد کو موقوف قرار دیتے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ سراپا رحمت تھے اور آپؐ نے جنگ کو کبھی مقصد نہیں بنایا بلکہ اسے ناگزیر حالات میں آخری چارہ کار کے طور پر اختیار فرمایا۔ صلح حدیبیہ اس کی روشن مثال ہے جہاں آپؐ نے بظاہر سخت شرائط کو قبول کر کے خونریزی سے اجتناب فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کر کے رحم و کرم کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ آپؐ کی ساری زندگی اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اسلام کا اصل پیغام محبت، عدل اور امن کا قیام ہے، نہ کہ ظلم، انتقام یا جارحیت۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ کے دوران بھی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا، جو اسلام کی امن پسند تعلیمات کا واضح ثبوت ہے۔ اسلام میں جہاد کا مقصد فساد پھیلانا یا دوسروں پر ظلم کرنا نہیں بلکہ اپنی اصلاح، ظلم کے خاتمہ اور حق کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے واضح فرمایا کہ موجودہ دور میں جہاد بالقلم، جہاد بالنفس اور دعا ہی حقیقی جہاد ہیں۔ اسلام دہشت گردی، انتہاپسندی اور بے گناہوں کے قتل کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔

جنگ و امن کے بارے میں اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ اکثر مسلمان مجھ پر حملہ کرتے ہیں کہ تمہارے سلسلہ میں یہ عیب ہے کہ تم جہاد کو موقوف کرتے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ نادان اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں۔ وہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی اشاعت مذہب کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی۔ جب آپ پر اور آپ کی جماعت پر مخالفوں کے ظلم انتہا تک پہنچ گئے اور آپ کے مخلص خدام میں سے مردوں اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا اور پھر مدینہ تک آپ کا تعاقب کیا گیا اُس وقت مقابلہ کا حکم ملا۔ آپ نے تلوار نہیں اٹھائی مگر دشمنوں نے تلوار اٹھائی بعض اوقات آپ کو ظالم طبع کفار نے سر سے پاؤں تک خون آلود کر دیا تھا مگر آپ نے مقابلہ نہیں کیا۔ خوب یاد رکھو کہ اگر تلوار اسلام کا فرض ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اُٹھاتے مگر نہیں وہ تلوار جس کا ذکر ہے وہ اُس وقت اٹھی جب موذی کفار نے مدینہ تک تعاقب کیا۔ اس وقت مخالفین کے ہاتھ میں تلوار تھی مگر اب تلوار نہیں اور میرے خلاف جھوٹی مخبریوں اور فتووں سے کام لیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف صرف قلم سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر قلم کا جواب تلوار سے دینے والا احمق اور ظالم ہوگا یا کچھ اور؟

اس بات کو کبھی مت بھولو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے حد سے گزرے ہوئے ظلم وستم پر تلوار اُٹھائی اور وہ حفاظت خود اختیاری تھی جو ہر مہذب گورنمنٹ کے قانون میں بھی جرم نہیں۔ تعزیرات ہند میں بھی حفاظت خود اختیاری کو جائز رکھا ہے۔ اگر ایک چور گھر میں گھس آوے اور وہ حملہ کر کے مار ڈالنا چاہے اس وقت اس چور کو اپنے بچاؤ کے لئے مار ڈالنا جرم نہیں ہے۔

پس جب حالت یہاں تک پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام شہید کر دیئے گئے اور مسلمان ضعیف عورتوں تک کو نہایت سنگدلی اور بے حیائی کے ساتھ شہید کیا گیا تو کیا حق نہ تھا کہ ان کو سزا دی جاتی۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ اسلام کا نام ونشان نہ رہے تو البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ تلوار کا نام نہ آتا مگر وہ چاہتا تھا کہ اسلام دنیا میں پھیلے اور دنیا کی نجات کا ذریعہ ہو اس لئے اُس وقت محض مدافعت کے لئے تلوار اُٹھائی گئی۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کا اُس وقت تلوار اُٹھانا کسی قانون، مذہب اور اخلاق کی رُو سے قابل اعتراض نہیں ٹھہرتا۔ وہ لوگ جو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی صبر نہیں کر سکتے۔ اور جن کے ہاں کیڑے کا مارنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر اسلام پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟

میں یہ بھی کھول کر کہتا ہوں کہ جو جاہل مسلمان یہ لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے وہ انبیاء معصوم علیہ الصلوۃ والسلام پر افترا کرتے ہیں اور اسلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اسلام ہمیشہ اپنی پاک تعلیم اور ہدایت اور اس کے ثمرات انوار و برکات اور معجزات سے پھیلا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان نشانات، آپ کے اخلاق کی پاک تاثیرات نے اسے پھیلایا ہے۔ اور وہ نشانات اور تاثیرات ختم نہیں ہوگئی ہیں بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود رہتی ہیں اور یہی وجہ ہے جو میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں۔

اس لئے کہ آپ کی تعلیمات اور ہدایات ہمیشہ اپنے ثمرات دیتی رہتی ہیں۔ اور آئندہ جب اسلام ترقی کرے گا تو اس کی یہی راہ ہوگی نہ کوئی اور۔ پس جب اسلام کی اشاعت کے لئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی تو اس وقت ایسا خیال بھی کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ اب توسب کے سب امن سے بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے کافی ذریعے اور سامان موجود ہیں۔ مجھے بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیوں اور دوسرے معترضین نے اسلام پر حملہ کرتے وقت ہرگز ہرگز اصلیت پر غور نہیں کیا۔ وہ دیکھتے کہ اُس وقت تمام مخالف اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے درپے تھے اور سب کے سب مل کر اس کے خلاف منصوبے کرتے اور مسلمانوں کو دکھ دیتے تھے۔ ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں اگر وہ اپنی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے۔ قرآن شریف میں یہ آیت موجود ہے اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا (الحج:۴۰)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اُس وقت دیا گیا جبکہ مسلمانوں پر ظلم کی حد ہوگئی تو انہیں مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ اُس وقت کی یہ اجازت تھی دوسرے وقت کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ چنانچہ مسیح موعود کے لئے یہ نشان قرار دیا گیا۔ یضع الحرب۔ اب یہ تو اُس کی سچائی کا نشان ہے کہ وہ لڑائی نہ کرے گا۔ (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۴)

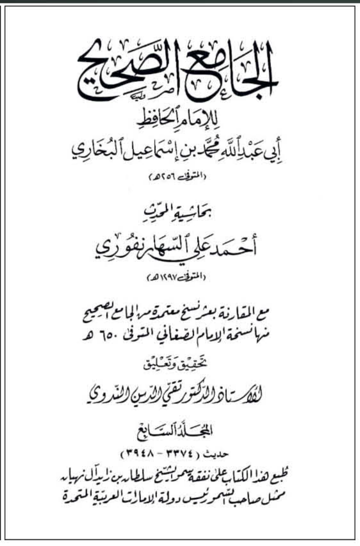
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''گورنمنٹ انگریزی اور جہاد'' میں حقیقتِ جہاد اور اس کی فلاسفی بیان فرمائی اور قرآن و حدیث اور تاریخ سے جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمانوں کو بحالت مجبوری جو جنگ کرنی پڑیں وہ محض وقتی اور مدافعانہ اور مذہبی آزادی قائم کرنے کے لیے تھیں۔ ورنہ اسلام سے بڑھ کر صلح و آشتی اور امن اور سلامتی کا علمبردار کوئی اور مذہب نہیں ہے۔ اسی کتاب کے آخر پر یہ معروف نظم بھی درج ہے کہ

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''یہ لوگ اپنے اس عقیدہ جہاد پر جو سراسر غلط اور قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے برخلاف ہو اُس کا نام دجال رکھتے ہیں اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مدت سے اِسی فتویٰ کے نیچے ہوں اور مجھے جو اس ملک کے بعض مولویوں نے دجّال اور کافر قرار دیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے قانون سے بھی بے خوف ہو کر میری نسبت ایک چھپا ہوا فتویٰ شائع کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے اور اس کا مال لوٹنا بلکہ عورتوں کو نکال کر لے جانا بڑے ثواب کا موجب ہے۔ اس کا سبب کیا تھا؟ یہی تو تھا کہ میرا مسیح موعود ہونا اور اُن کے جہادی مسائل کے مخالف وعظ کرنا اور اُن کے خونی مسیح اور خونی مہدی کے آنے کو جس پر اُن کو لوٹ مار کی بڑی بڑی اُمیدیں تھیں سراسر باطل ٹھہرانا اُن کے غضب اور عداوت کا موجب ہوگیا مگر وہ یاد رکھیں کہ درحقیقت یہ جہاد کا مسئلہ جیسا کہ اُن کے دلوں میں ہے صحیح نہیں ہے اور اِس کا پہلا قدم انسانی ہمدردی کا خون کرنا ہے۔ یہ خیال اُن کا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جب پہلے زمانہ میں جہاد روا رکھا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب حرام ہو جائے۔ اِس کے ہمارے پاس دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خیال قیاس مع الفارق ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی اور سخت بے رحمی سے بے گناہ اور پرہیز گار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور ایسے دردانگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی ان قصوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کر لیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مسیح نہ تلوار اٹھائے گا اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا بلکہ اُس کی دعا اُس کا حربہ ہوگا اور اُس کی عقد ہمت اُس کی تلوار ہوگی وہ صلح کی بنیاد ڈالے گا اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کرے گا اور اس کا زمانہ صلح اور نرمی اور انسانی ہمدردی کا زمانہ ہوگا۔ ہائے افسوس کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا (محمد:۵) یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آجائے۔ یہی تضع الحرب اوزارھا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری موجود ہے جو قرآن شریف کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے۔ اس کو غور سے پڑھو۔ اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے خدا کے پاک نبی کے نافرمان مت بنو مسیح موعود جو آنے والا تھا آچکا اور اُس نے حکم بھی دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جو تلوار اور کُشت وخون کے ساتھ ہوتی ہیں باز آجاؤ تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے مُنہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے جس نے مجھے قبول کیا ہے وہ نہ صرف ان وعظوں سے مُنہ بند کرے گا بلکہ اس طریق کو نہایت بُرا اور موجب غضبِ الٰہی جانے گا۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۸-۹)

پُرامن حکومت کے خلاف بھی جہاد کی اجازت نہیں

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ مسیح موعود کا عیسائی سلطنتوں کے وقت میں ظاہر ہونا ضروری ہے اور جب مسیح موعود کیلئے یہی ضروری ہے کہ دنیا میں عیسائی طاقتوں کو ہی دنیا پر غالب پاوے اور تمام مفاسد کی کنجیاں انہیں کے ہاتھ میں دیکھے انہیں کی صلیبوں کو توڑے اور انہیں کے خنزیروں کو قتل کرے اور انہیں کو اسلام میں داخل کر کے جزیہ کا قصہ تمام کرے تو پھر سوچو کہ فرضی دجال کی سلطنت باوجود عیسائی سلطنت کے کیونکر ممکن ہے مگر یہ غلط ہے کہ مسیح موعود ظاہری تلوار کے ساتھ آئے گا تعجب کہ یہ علماء یضع الحرب کے کلمہ کو کیوں نہیں سوچتے اور حدیث الائمۃ من قریش کو کیوں نہیں پڑھتے پس جب کہ ظاہری سلطنت اور خلافت اور امامت بجز قریش کے کسی کیلئے روا ہی نہیں تو پھر مسیح موعود قریش میں سے نہیں ہے۔ کیونکر ظاہری خلیفہ ہوسکتا


الجامع الصحيح
للإمام الحافظ
أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري
(المتوفى ٢٥٦هـ)
بحاشية المحدث
أحمد علي السهارنفوري
(المتوفى ١٢٩٧هـ)
مع المقارنة بعشر نسخ معتمدة من الجامع الصحيح
منها نسخة الإمام الصغاني المتوفى ٦٥٠ هـ
تحقيق وتعليق
الأستاذ الدكتور تقي الدين الندوي
المجلد السابع
حديث (٣٣٧٤ - ٣٩٤٨)
طبع هذا الكتاب على نفقة سمو الشيخ سلطان بن زايد آل نهيان
ممثل صاحب السمو رئيس دولة الإمارات العربية المتحدة


٦٠ ـ كتاب الأنبياء (٤٩) باب (٣٤٤٨) حديث

وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْحَرْبَ[1]، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ[2] الْوَاحِدَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». ثُمَّ يَقُولُ[3] أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ[4] بِهِۦ قَبْلَ

النسخ: «وَيَضَعَ الحَرْبَ» كذا في سـ، حـ، ذ، وفي هـ: «وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ». «خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا» في صـ، ذ: «خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا».

«ويقتل الخنزير» ومعناه: تحريمُ اقتنائه وأكلِه وإباحةُ قتله، كذا قاله الطيبي (١٠/ ٢٧). والظاهر إيجاب قتله، ويحتمل أن يراد بذلك عدم تقرير أهل الذمة على دينهم وعاداتهم، كما هو الآن، والأظهر أن المراد هو الأول، أعني إبطالَ دين النصرانية ومَحْوَ آثارها، «المعات».

(١) قوله: (ويضع الحرب) وفي رواية الكشميهني: «الجزية»، والمعنى أن الدين يصير واحداً فلا يبقى أحد من أهل الذمة يؤدّي الجزية. وقيل: معناه أن المال يكثر حتى لا يبقى فقير مصرف مال الجزية فتوضع الجزية استغناءً عنها، كذا في «الكرماني» (١٤/ ٨٨) و«الفتح» (٦/ ٤٩١). وفي «اللمعات»: المراد يضعها عنهم ويحملهم على الإسلام، وإن لم يسلموا قتلهم، فالشريعة يومئذ إما السيف أو الإسلام، انتهى.

(٢) قوله: (حتى تكون السجدة...) إلخ، أي: أنهم حينئذ لا يتقربون إلى الله إلا بالعبادة، لا بالتصدق بالمال. وقيل: معناه أن الناس يرغبون عن الدنيا حتى تكون السجدة الواحدة أحبّ إليهم من الدنيا وما فيها، «فتح» (٦/ ٤٩٢).

(٣) هو موصول بالإسناد المذكور، «ف» (٦/ ٤٩٣).

(٤) أي: بعيسى، «ج» (ص: ١٣١).

١٢٥

ہے اور یہ کہنا کہ وہ مہدی سے بیعت کرے گا اور اس کا تابع ہوگا اور نوکروں کی طرح اس کے کہنے سے تلوار اٹھائے گا عجب بے ہودہ باتیں ہیں نہیں حضرات خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو ہدایت دے مسیح موعود کی روحانی خلافت ہے دنیا کی بادشاہتوں سے اس کو کچھ تعلق نہیں اس کو آسمانی بادشاہت دی گئی ہے اور آج کل یہ زمانہ بھی نہیں کہ تلوار سے لوگ سچا ایمان لاسکیں۔ آج کل تو پہلی تلوار پر ہی نادان لوگ اعتراض کر رہے ہیں چہ جائیکہ نئے سرے ان کو تلواروں سے قتل کیا جائے ہاں روحانی تلوار کی سخت حاجت ہے سو وہ چلے گی اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۷۰-۲۷۱)

اس بارے میں ایک اَور جگہ علمائے اسلام کے عقائد کی تصحیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اِس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ بخاری کی یہ حدیث کہ مسیح آئے گا اور صلیب کو توڑے گا وہ معنے نہیں رکھتے جو ہمارے قابلِ رحم علماء بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کوتہ اندیشی سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ مسیح دنیا میں آکر ایک بڑے جہاد کا دروازہ کھولے گا۔ اور محمد مہدی خلیفہ سے مل کر دین پھیلانے کے لئے لڑائیاں کرے گا۔ اور تلوار اُٹھائے گا اور ایک بڑی خونریزی ہوگی جو دنیا کے ابتدا سے اس وقت تک کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور یہاں تک خونریزی کرے گا جو زمین کو خون سے بھر دے گا سو یاد رہے کہ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے بلکہ وہ حق محض جو خدا نے ہمیں سمجھایا ہے یہ ہے کہ مسیح جس کا دوسرا نام مہدی ہے دنیا کی بادشاہت سے ہرگز حصہ نہیں پائے گا بلکہ اس کے لئے آسمانی بادشاہت ہوگی۔ اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح حکم ہو کر آئے گا اور وہ اسلام کے تمام فرقوں پر حاکم عام ہوگا جس کا ترجمہ انگریزی میں گورنر جنرل ہے سو یہ گورنری اُس کی زمین کی نہیں ہوگی بلکہ ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی طرح غربت اور خاکساری سے آوے۔ سو ایسا ہی وہ ظاہر ہوا تا وہ سب باتیں پوری ہوں جو صحیح بخاری میں ہیں کہ یضع الحرب یعنی وہ مذہبی جنگوں کو موقوف کر دے گا اور اُس کا زمانہ امن اور صلح کاری کا ہوگا۔ جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پئیں گے اور سانپوں سے بچے کھیلیں گے اور بھیڑیئے اپنے حملوں سے باز آئیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے زیرِ سایہ پیدا ہوگا جس کا کام انصاف اور عدل گستری ہوگا۔ سو اِن حدیثوں سے صریح اور کھلے طور پر انگریزی سلطنت کی تعریف ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ مسیح اِسی سلطنت کے ماتحت پیدا ہوا ہے اور یہی سلطنت ہے جو اپنے انصاف سے سانپوں کو بچوں کے ساتھ ایک جگہ جمع کر رہی ہے اور ایسا امن ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا۔ اس لئے مجھے جو میں مسیح موعود ہوں زمین

کی بادشاہت سے کچھ تعلق نہیں بلکہ ضرور تھا کہ میں غربت اور مسکینی سے آتا۔ تا اس اعتراض کو دنیا پر سے اُٹھا دیتا کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا ہے نہ آسمانی نشانوں سے'' کیونکہ مسیح موعود کا آنا عیسائی خیالات کی شکست کے لئے تھا۔ پھر جبکہ مسیح نے خود ہی جبر کرنا شروع کیا اور تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرنے لگا اور ایسی تعلیم دینے لگا تو اس صورت میں وہ عیسائیوں کے اُن اعتراضات کو اور پختہ کرے گا جو جہاد کے بارے میں اسلام کی نسبت وہ رکھتے ہیں۔ نہ یہ کہ ان کو دُور کر دے گا۔ اِس لئے خدا کے سچے مسیح اور مہدی کے لئے ضروری ہے کہ آسمانی نشانوں کے ساتھ دین کو پھیلاوے تا وہ لوگ شرمندہ ہوں جنہوں نے خدا کے دین اسلام پر ناحق جھوٹے الزام لگائے۔'' (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

اس زمانے میں تلوار اٹھانا حدیث کو مشتبہ کرتا ہے

اس زمانے میں شدت پسندی اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے امن کے چہرے کو دنا کے سامنے ایک معجزہ کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ لوگ اس میں روک پیدا کرتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کا وقت ایسا وقت بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت اشاعت اسلام کے تمام اسباب معطل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے دونوں ہاتھ درماندہ ہو جائیں گے کیونکہ خدا کی غیرت اس بات کو چاہے گی کہ اس اعتراض کو اٹھاوے اور دفع اور دور کرے جو کہا گیا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا گیا پس مسیح موعود کے وقت کے لئے یہ حکم ہے کہ تلواروں کو نیام میں کریں اور مذہب کے لئے کوئی شخص تلوار نہ اٹھائے اور اگر اٹھائے گا تو کافروں سے سخت شکست اٹھائے گا اور ذلیل ہوگا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کی جماعت جن کو انہوں نے مصر سے نکالا تھا ایسی لڑائیوں میں ہمیشہ مغلوب ہوتی رہی جن لڑائیوں کے لئے موسیٰ کے منشاء کے برخلاف انہوں نے پیش قدمی کی۔ سو اب بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ مسیح موعود کا آسمان سے نازل ہونا اسی رمز سے قرار دیا گیا ہے کہ اس کا ہاتھ زمینی اسباب کو نہیں چھوئے گا۔ اور وہ محض آسمان کے پانی سے اسلام کے باغ کی آبپاشی کرے گا۔ کیونکہ اب خدا تعالیٰ اس معجزہ کو دکھلانا چاہتا ہے کہ اسلام اپنے شائع ہونے میں تلوار اور انسانی اسباب کا محتاج نہیں۔ پس جو شخص باوجود اس صریح ممانعت اور موجودگی حدیث یضع الحرب کے پھر تلوار اٹھاتا ہے اور غازی بننا چاہتا ہے گویا وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس معجزہ کو مشتبہ کر دے جس کا ظاہر کرنا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے یعنی بغیر انسانی اسباب کے اسلام کو زمین پر غالب اور محبوب الخلائق بنا دینا۔ (خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۵۰-۵۱، حاشیہ)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ''اب جب مسیح موعود آ گیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آوے۔ اگر مَیں نہ آیا ہوتا تو شائد اس غلط فہمی کا کسی قدر عذر بھی ہوتا مگر اب تو میں آ گیا اور تم نے وعدہ کا دن دیکھ لیا۔ اس لئے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر وحشی کاربند ہو رہے ہیں۔ یہ اسلامی جہاد نہیں ہے بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئے ہیں۔'' (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۹-۱۰)

اس زمانے میں تلوار سے مسلمان کرنا ممکن نہیں

اس زمانے میں تلوار سے مسلمان کرنے کو ناممکن اور بے ہودہ خیال قرار دیتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کیلئے یہ نشان قرار دیا گیا۔ یضع الحرب۔ اب یہ تو اُس کی سچائی کا نشان ہے کہ وہ لڑائی نہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں مخالفوں نے بھی مذہبی لڑائیاں چھوڑ دیں۔ ہاں اس مقابلہ نے ایک صورت اور رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قلم سے کام لے کر اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔ عیسائی ہیں کہ ان کا ایک ایک پرچہ پچاس پچاس ہزار نکلتا ہے اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔ پس اس کے مقابلہ کے لئے ہمیں قلم سے کام لینا چاہئے یا تیر چلانے چاہئیں؟ اس وقت تو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اُس سے بڑھ کر احمق اور اسلام کا دشمن کون ہوگا؟ اس قسم کا نام لینا اسلام کو بدنام کرنا ہے یا کچھ اور؟ جب ہمارے مخالف اس قسم کی سعی نہیں کرتے حالانکہ وہ حق پر نہیں اور پھر کیسا تعجب اور افسوس ہوگا کہ اگر ہم حق پر ہو کر تلوار کا نام لیں۔ اس وقت تم کسی کو تلوار دکھا کر کہو کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ قتل کر دوں گا۔ پھر دیکھو نتیجہ کیا ہوگا وہ پولیس میں گرفتار کرا کے تلوار کا مزہ چکھا دے گا۔

یہ خیالات سراسر بیہودہ ہیں ان کو سروں سے نکال دینا چاہئے۔ اب وقت آیا ہے کہ اسلام کا روشن اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تمام اعتراضوں کو دُور کر دیا جاوے اور جو اسلام کے نورانی چہرہ پر داغ لگایا گیا ہے اُسے دور کر کے دکھایا جاوے۔ مَیں یہ بھی افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے جو موقعہ خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور عیسائی مذہب کے اسلام میں داخل کرنے کے لئے جو راستہ کھولا گیا تھا اسے ہی بُری نظر سے دیکھا اور اس کا کفر کیا۔ (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۷۴-۲۷۵)

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر ایک عظیم تنبیہ ہے کہ اس زمانے میں مذہب کے نام پر تشدد اور تلوار کو اختیار کرنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ صدیوں میں شدت پسند تحریکوں اور دہشت گرد تنظیموں نے اسلام کی حقیقی تصویر کو نقصان پہنچایا اور خود بھی ذلت اور ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ اس کے برعکس محبت، دلائل اور اخلاق کے ذریعے اسلام کا پیغام زیادہ مؤثر انداز میں دنیا تک پہنچا۔ یہ پیشگوئی آج بھی انسانیت کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ پائیدار کامیابی امن اور روحانیت میں مضمر ہے۔

نواب صدیق حسن کا نشان

ریاست بھوپال کے نواب صدیق حسن خان کی تحریرات سے بھی کئی مسلمان متاثر تھے جن سے جبر اور شدت پسندی کا عنصر واضح ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی بھی تردید اور اسلامی تعلیم کی وضاحت فرمائی۔ فرمایا: نواب صدیق حسن خان نے بعض اپنی کتابوں میں لکھا تھا کہ جب مہدی معہود پیدا ہوگا تو غیر مذاہب کے سلاطین گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور یہ ذکر کرتے کرتے یہ بھی بیان کر دیا کہ چونکہ اس ملک میں سلطنت برطانیہ ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت اس ملک کا عیسائی بادشاہ اسی طرح مہدی کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ یہ الفاظ تھے جو اُنہوں نے اپنی کتاب میں شائع کئے تھے جو اب تک ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہی موجب بغاوت سمجھے گئے اور یہ اُن کی غلطی تھی کہ اُنہوں نے ایسا لکھا کیونکہ ایسے خونی مہدی کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں بلکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ مہدیء غازی کے بارہ میں جس قدر حدیثیں ہیں کوئی بھی ان میں جرح سے خالی نہیں سب مغشوش اور صحت کے درجہ سے گری ہوئی ہیں البتہ مسیح موعود کے آنے کے لئے بہت سی حدیثیں موجود ہیں سو ان کے ساتھ یہ بھی الفاظ موجود ہیں کہ وہ جہاد نہیں کرے گا۔ اور کفار کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں کرے گا اور اس کی فتح محض آسمانی نشانوں سے ہوگی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مسیح موعود کی نسبت حدیث یضع الحرب موجود ہے یعنی جب مسیح موعود آئے گا تو جنگ اور جہاد کی رسم کو اُٹھا دے گا اور کوئی جنگ نہیں کرے گا اور صرف آسمانی نشانوں اور خدائی تصرفات سے دینِ اسلام کو زمین پر پھیلائے گا۔ چنانچہ میرے وقت میں اب یہ آثار دُنیا میں موجود بھی ہو رہے ہیں اور یہی سچ ہے اور میں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ہوں خدا نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں جہاد کروں اور دین کے لئے لڑائیاں کروں بلکہ مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں نرمی کروں اور دین کی اشاعت کے لئے خدا سے مدد مانگوں اور آسمانی نشان اور آسمانی حملے طلب کروں اور مجھے اُس خدائے قدیر نے وعدہ دیا ہے کہ میرے لئے بڑے بڑے نشان دکھائے جائیں گے اور کسی قوم کو طاقت نہیں ہوگی کہ میرے خدا کے مقابل پر جو آسمان سے میری مدد کرتا ہے اپنے باطل خداؤں کا کوئی نشان ظاہر کر سکیں۔ چنانچہ میرا خدا اب تک میری تائید میں صدہا نشان ظاہر کر چکا ہے۔

پس نواب صدیق حسن خان کا یہ خیال صحیح نہیں تھا کہ مہدی کے زمانہ میں جبر کر کے لوگوں کو مسلمان کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (البقرۃ:۲۵۷) یعنی دین اسلام میں جبر نہیں ہے ہاں عیسائی لوگ ایک زمانہ میں جبرًا لوگوں کو عیسائی بناتے تھے مگر اسلام جب سے ظاہر ہوا وہ جبر کے مخالف ہے جبر اُن لوگوں کا کام ہے جن کے پاس آسمانی نشان نہیں مگر اسلام تو آسمانی نشانوں کا سمندر ہے۔ کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات اُن کے مرنے کے ساتھ ہی مر گئے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ مگر کہاں ہیں وہ پادری یا یہودی یا اور قومیں جو ان نشانوں کے مقابل پر نشان دکھلا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! ہرگز نہیں!!! اگرچہ کوشش کرتے کرتے مر بھی جائیں۔ تب بھی ایک نشان بھی دکھلا نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے مصنوعی خدا ہیں سچے خدا کے وہ پیرو نہیں ہیں۔ اسلام معجزات کا سمندر ہے اس نے کبھی جبر نہیں کیا اور نہ اس کو جبر کی کچھ ضرورت ہے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۶۷-۴۶۹)

اسلام کی تبلیغ کرنا اصل جہاد ہے

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانیت کو عدل، انصاف، رحم اور باہمی احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور مذہبی آزادی کو بنیادی حق تسلیم کیا ہے۔ اسلام نفرت، ظلم اور زیادتی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور معاشرے میں محبت اور بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے۔ یہی جامع تعلیمات آج کی جنگ زدہ دنیا کے لیے امن، استحکام اور بقائے باہمی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں اور انسانیت کو تباہی سے بچانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

خلفائے احمدیت نے ہمیشہ عالمی امن، انصاف اور بھائی چارے کے قیام کے لیے آواز بلند کی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مسلسل عالمی راہنماؤں، پارلیمانوں اور مختلف فورمز پر انصاف اور امن کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ آپ کی تقاریر میں بار بار اس حقیقت کو اجاگر کیا جاتا ہے کہ دنیا کا حقیقی امن صرف انصاف، خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اور انسانیت کی خدمت سے قائم ہو سکتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا عالمی نصب العین ''محبت سب کے لیے، نفرت کسی سے نہیں''، اسی امن پسند فکر کا مظہر ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دلائل کے ساتھ اسلام کی خوبیاں بتانا اور اسلام کی تبلیغ کرنا اصل جہاد ہے۔ اور ہر احمدی کا یہ فرض بنتا ہے کہ اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچائے۔ یقیناً اس کی وجہ سے قربانیاں بھی دینی پڑیں گی۔ لیکن یہ قربانیاں ہی ہیں جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی چوٹی جہاد کو قرار دیا ہے۔ اور اس نیکی میں ہر احمدی کو ایک دوسرے سے بڑھنے کی خاص کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے عملوں کو بھی درست کریں کہ اسے دیکھ کر لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوں اور پھر تبلیغ کے میدان میں کود جائیں۔ آپ کی وطن سے محبت بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان لوگوں کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے بارے میں بتائیں، اس کی خوبیاں بتائیں۔ آئندہ انسانیت کی بقا بھی اسی میں ہے کہ دنیا ایک خدا کو ماننے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے۔ پس اس چوٹی کو حاصل کرنے کے لئے ہر احمدی کو چاہئے کہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ ہمارا یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ ہم ہر میدان میں نیکیوں میں آگے بڑھنے والے لوگ ہیں اور یہ ہمارا مطمح نظر ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/اپریل ۲۰۰۵ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳/مئی ۲۰۰۵ء)

پس ''یضع الحرب'' کی پیشگوئی اور ''یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا، وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا'' کا شعر اس زمانہ میں تشدد اور انتہا پسندی کے خاتمہ کا اعلان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اسوہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور اصل اسلامی تعلیمات کا بتانا اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہیں کہ اسلام امن، محبت اور انسانیت کی فلاح کا مذہب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کے حقیقی مزاج اور زمانے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔ آپؑ نے زور دیا کہ اب اسلام کی فتح تلوار کے ذریعے نہیں بلکہ دلائل، دعا اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے ہونی ہے۔ آپؑ نے ہر قسم کی مذہبی انتہا پسندی اور تشدد کی نفی کرتے ہوئے امن، محبت اور اخوت کو فروغ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا پیغام دنیا بھر میں امن اور انسان دوستی کی علامت بن چکا ہے۔ جماعت احمدیہ اسی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا رہی ہے۔ اگر انسانیت ان تعلیمات کو اپنا لے تو دنیا امن، انصاف اور حقیقی خوشحالی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

آنحضرت ﷺ بطور سپہ سالار

(ڈاکٹر مبارز احمد ربانی۔ یوکے)

آپؐ نے عدل و انصاف، جنگ کے دوران ضبط وتحمل، غیر محارب افراد کے تحفظ، اور املاک و بنیادی ڈھانچے کی بلاضرورت تباہی سے اجتناب پر زور دیا۔ آپؐ کی یہی تعلیمات بعد ازاں خلفائے راشدین کی پالیسیوں اور ہدایات میں بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اسی بنا پر یہ امر قابل توجہ ہے کہ جہاں آثار قدیمہ کا ریکارڈ وسیع پیمانے کی تباہی یا سماجی انہدام کے شواہد فراہم نہیں کرتا، وہاں یہ صورتحال اسلامی تعلیمات کے اس تصوّر سے مطابقت رکھتی تھی جس میں نظم وضبط، عدل، رواداری اور مقامی آبادیوں کے حقوق کے احترام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے

یا قلبی اذکر احمدا
عین الھدی مفنی العدی
برّا کریما محسنا
بحر العطایا و الجدا

ترجمہ: اے میرے دل! احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر جو ہدایت کا سر چشمہ اور دشمنوں کو فنا کرنے والا۔ نیک، کریم، محسن، بخششوں اور سخاوت کا سمندر ہے۔ (القصائد الاحمدیہ)

آنحضرت ﷺ کی جنگی قیادت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپؐ نے جنگ کو اخلاقی اصولوں اور انسانی اقدار کا پابند کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات کے اثرات صرف اسلامی روایات میں ہی نہیں بلکہ بعض تاریخی اور آثار قدیمہ کے شواہد میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں خاکسار کو ایک دلچسپ تجربہ پیش آیا۔

خاکسار کو یونیورسٹی آف ریڈنگ سے آرکیالوجی میں پی-ایچ-ڈی کے دوران ایک سیمینار میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔ یہ سیمینار شمالی افریقہ سے ملنے والے آثاروں پر تھا۔ یہ آثار حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے کے تھے۔ اس پروجیکٹ کے ماہرین نے یہاں سے اپنی کھدائی کے نتائج پیش کرتے ہوئے ایک نہایت دلچسپ مشاہدے کا ذکر کیا کہ کھدائی کے دوران مسلمان فوجیوں کی ایک چھاؤنی دریافت ہوئی جو اسی زمانے کی ایک غیر مسلم آبادی سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ جب کہ مسلمان اس سارے علاقہ اور آبادی کو فتح کر چکے تھے۔ انہوں نے بطور امکان یہ رائے پیش کی کہ شاید مسلمان مقامی غیر مسلم شہر کو مذہبی اعتبار سے ناپاک تصوّر کرتے ہوئے ان سے فاصلے پر رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ تاہم خاکسار کے نزدیک یہ مفروضہ زیادہ ترقیاس آرائی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابتدائی اسلامی دور کے تاریخی اور آثار قدیمہ کے شواہد اس نظریے کی تائید نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ یہ سب علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا ہوا تھا مگر اسلام کی پُرامن تعلیم پر عمل کرتے ہوئے وہ شہر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ شہر سے باہر رہ کر معاملات کی نگرانی کرتے رہے تا کہ معمولات زندگی متاثر نہ ہوں۔

سیمینار کے بعد خاکسار کے پی-ایچ-ڈی کے سپروائزر نے ایک نہایت اہم نکتہ بیان کیا۔ ان کے مطابق آرکیالوجی کی رو سے شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے وسیع علاقے میں ابتدائی مسلمانوں کے آنے کے آثار دکھائی نہیں دیتے جبکہ تحریروں میں ان کے آنے کا ذکر ملتا ہے۔ خاکسار کے سپروائزر کا مشاہدہ درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابتدائی اسلامی فتوحات میں بہت سے مقامات پر نہ تو وسیع پیمانے کی تباہی کے شواہد ملتے ہیں، نہ ہی قتل و غارت یا آبادیوں کے تسلسل میں کسی نمایاں انقطاع کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس آثار قدیمہ کا ریکارڈ اکثر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مقامی آبادیاں بدستور قائم رہیں، معاشی سرگرمیاں جاری رہیں اور روزمرہ کی زندگی میں خاطر خواہ تسلسل برقرار رہا۔ چنانچہ متعدد علاقوں میں مسلمانوں کی اقتدار کی طرف منتقلی ایک تدریجی عمل کے طور پر دکھائی دیتی ہے، نہ کہ کسی انقلابی یا تباہ کن تبدیلی کے طور پر۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس صورت حال کو قرآن کریم میں بیان کردہ اخلاقی اصولوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے عدل و انصاف، جنگ کے دوران ضبط وتحمل، غیر محارب افراد کے تحفظ، اور املاک و بنیادی ڈھانچے کی بلاضرورت تباہی سے اجتناب پر زور دیا۔ آپؐ کی یہی تعلیمات بعد ازاں خلفائے راشدین کی پالیسیوں اور ہدایات میں بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اسی بنا پر یہ امر قابل توجہ ہے کہ جہاں آثار قدیمہ کا ریکارڈ وسیع پیمانے کی تباہی یا سماجی انہدام کے شواہد فراہم نہیں کرتا، وہاں یہ صورتحال اسلامی تعلیمات کے اس تصوّر سے مطابقت رکھتی تھی جس میں نظم و ضبط، عدل، رواداری اور مقامی آبادیوں کے حقوق کے احترام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی آداب جنگ

اسلامی آداب جنگ پر بات کرنے سے پہلے ہم اسلام سے قبل عرب میں رائج جنگ کے طریقہ کار پر بھی ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ اس زمانے میں عرب دستور کے مطابق بعض اوقات لڑائی میں دشمن کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو قتل کر دیا جاتا اور اکثر نہایت بے رحمی کے ساتھ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان وغیرہ کاٹ دیے جاتے جسے مُثلہ کرنا کہتے تھے اور دشمن کے اموال اور ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں سے منع فرمایا۔ لہٰذا جب آپؐ کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تو اسے نصیحت فرماتے تھے اے مسلمانو! نکلو اللہ کا نام لے کر اور جہاد کرو حفاظت دین کی نیت سے۔ مگر خبردار مال غنیمت میں بد دیانتی نہ کرنا اور نہ کسی قوم سے دھوکہ کرنا۔ اور نہ دشمنوں کے مقتولوں کا مثلہ کرنا اور نہ بچوں اور عورتوں اور مذہبی عبادت گاہوں کے لوگوں کو قتل کرنا اور نہ بہت بوڑھوں کو قتل کرنا اور ملک میں اصلاح کرنا۔ اور لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ ۳۵۸)

اسلام کو مذہبی لوگوں اور مذہبی چیزوں کی حفاظت اور ان کا خیال رکھنے میں بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق فتح خیبر کے دوران تورات کے بعض نسخے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جب یہودیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ان کی مقدس کتاب انہیں واپس کر دی جائے۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور صحابہؓ کو یہودیوں کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دیا۔ (سیرت حلبیہ)

بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ جب کسی جماعت کو روانہ فرماتے تو اسے نصیحت فرماتے: لوگوں کو خوشخبریاں دو یعنی ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرو اور ایسا طریق اختیار نہ کرو جس سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو اور ان کے لیے آسانیاں پیدا کرو اور انہیں مشکلوں میں مت ڈالو۔ (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ ۳۵۹) نیز یہ فرماتے: دیکھو کسی زخمی کو قتل نہ کرنا۔ کسی بھاگنے والے کے پیچھے زیادہ تعاقب نہ کرو، بھاگتا ہے تو بھاگنے دو (انسان کامل، از حضرت میر محمد اسحاقؓ صفحہ ۲۲)

شجاعت و بہادری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری کو بیان کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے برابر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عربی کے قصیدہ میں آپؐ کی شجاعت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا بدرنا یا آیة الرّحمٰن
أھدی الھداة و أشجع الشجعان

ترجمہ: اے ہمارے کامل چاند! اے رحمٰن خدا کے نشان! سب راہنماں سے بڑھ کر راہنمائی کرنے والے اور سب بہادروں سے بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھانے والے۔

آپؐ کی بہادری کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جنگ حنین کے دن دشمن قبیلہ ہوازن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان کے جاتے ہی مسلمانوں نے ان کے اموال جمع کرنے شروع کر دیے۔ اس پر دشمن قوم نے مسلمانوں کو مشغول دیکھ کر ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس پر صحابہؓ افراتفری کے عالم میں تتر بتر ہو گئے مگر آپؐ اپنی جگہ پر استقامت سے کھڑے رہے۔ آپؐ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور فرمارہے تھے:

أنا النبی لا کذب
أنا ابن عبد المطلب

ترجمہ: میں خدا کا نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر ۳۰۴۲)

ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ اس شدت جنگ میں خچر سے اتر کر پیدل ہو گئے تھے (الشفاء القاضی عیاض)۔ اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: جنگ حنین میں حضرت رسول کریم ﷺ اکیلے رہ گئے۔ اس میں یہی بھید تھا کہ آنحضرتؐ کی شجاعت ظاہر ہو جبکہ حضرت رسول کریم ﷺ دس ہزار کے مقابلہ میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقعہ نہیں ملا۔ (ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۵۱۲، ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

آپؐ کی بہادری کا ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کے جنگ اُحد میں ستر افراد شہید ہوئے اور دشمن فتح کی خوشی مناتے واپس مکہ لوٹ رہے تھے تو راستے میں سردار لشکر ابوسفیان نے مشرکین مکہ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا، نہ عورتوں کو قید کیا۔ پھر اُحد کے معرکہ کو فتح کیسے قرار دے سکتے ہو؟ چنانچہ دشمن نے دوبارہ مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آپؐ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم اہل مکہ کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کا موقع نہ دیں گے بلکہ آگے جا کر دشمن کا تعاقب کریں گے۔ اُحد کی شہادتوں اور وقتی ہزیمت کے بعد یہ فیصلہ اتنا مشکل تھا کہ اسے سن کر صحابہؓ ایک دفعہ تو گھبرا گئے۔ ان حالات میں صحابہؓ نے آپؐ کی شجاعت، پختہ عزم، توکل علی اللہ اور قائدانہ صلاحیت کا عجیب نظارہ دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں دشمن کو مدینہ پر حملہ کا موقع دینا نہیں چاہتا۔ اس لیے اُن کے تعاقب کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں بہر حال دشمن کے پیچھے جاؤں گا اور اس راہ میں اپنی جان بھی فدا کرنی پڑے تو کر گزروں گا۔ اپنے عظیم سپہ سالار کا یہ حوصلہ وجذبہ دیکھا تو صحابہؓ دیوانہ وار لبیک کہتے ہوئے آپؐ کے ساتھ چل پڑے۔ کفار کو جب علم ہوا کہ مسلمان دوبارہ حملہ کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ مکہ واپس لوٹ گئے۔ (مجمع الزوائد)

حضرت میر محمد اسحاقؓ صاحب فرماتے ہیں: وقتی عسکری مشکلات کے دوران بھی آپؐ کا کردار مثالی رہا۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین میں ایک مرحلہ ایسا آیا جب مسلمانوں کو پسپائی اختیار کرنا پڑی اور بعض صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں ثابت قدم رہے۔ عام طور پر شکست کے وقت جرنیل اور بادشاہ اپنی حفاظت کا انتظام پہلے کرتے ہیں۔ تاریخ میں مشہور بادشاہ نپولین نے واٹرلو کی جنگ میں یہی طرز عمل اختیار کیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ڈٹے رہے،

حالانکہ اکثر فوج منتشر ہو چکی تھی۔ (ماخوذ از انسان کامل صفحہ ۲۲)

صبر و استقامت

غزوۂ اُحد میں آپؐ کو شدید تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف درّے پر مقرر تیراندازوں کی اکثریت نے آپؐ کی ہدایت پر عمل نہ کیا، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف ستر قیمتی مسلمان جانوں کی شہادت کا غم تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ خود بھی اس جنگ میں شدید زخمی ہوئے تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے نہایت صبر، حوصلہ اور وقار کا مظاہرہ فرمایا۔ صحابہؓ کے لیے آپؐ کی یہ حالت بہت تکلیف دہ تھی۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ مشرکین مکہ کے خلاف بد دعا کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو اسلام کی طرف دعوت دینے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے یہ لوگ جانتے نہیں۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والاداب حدیث نمبر ۴۶۹۰)

جنگی حکمت عملی

غزوات میں جہاں آپؐ کے اعلیٰ اخلاق نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں، وہاں آپؐ کی قائدانہ صلاحیتیں، حکمت عملی اور دور اندیشی بھی پوری شان کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر جب آپؐ نے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو شہر کو اپنے پیچھے رکھا تا کہ وہ ایک محفوظ پشت گاہ بن سکے، جبکہ ایک جانب اُحد پہاڑ کو دفاعی ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ اسی دوران آپؐ کی نظر ایک ایسے درّے پر پڑی جہاں سے دشمن حملہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے پچاس تیرانداز وہاں مقرر فرمائے۔ آپؐ نے انہیں جو ہدایات دیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عظیم سپہ سالار کی حیثیت سے آپؐ کو اس مقام کی اہمیت کا کس قدر احساس تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارے لاشوں کو اچک رہے ہیں پھر بھی تم نے درہ نہیں چھوڑنا سوائے اس کے کہ میرا پیغام تمہیں پہنچے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر)

عفو و درگذر

مسلمانوں کے خلاف پہلی جنگی کارروائی یہود کے حلیف قبیلے غطفان کی شاخ بنوفزارہ نے کی۔ انہوں نے ذی قرد کی چراگاہ پر حملہ کیا جہاں آپؐ کے اونٹ اور دیگر مویشی چرا کرتے تھے۔ حملہ آور چند اونٹنیاں بھی ساتھ لے گئے۔ حضرت سلمہؓ بن الاکوع نے بڑی بہادری سے ان کا تعاقب کیا اور جب وہ ایک چشمے پر آرام کر رہے تھے تو تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں وہاں سے بھگا دیا اور اونٹنیاں واپس لے آئے۔ جب آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ حضرت سلمہؓ بن الاکوع نے عرض کیا کہ دشمن سخت پیاسا ہے کیونکہ میں نے انہیں چشمے سے پانی نہیں پینے دیا، اگر اجازت ہو تو مزید تعاقب کر کے انہیں پکڑا جا سکتا ہے۔ اس پر آپؐ نے نہایت حکمت اور رحم کے ساتھ فرمایا: جب دشمن پر قدرت حاصل ہو جائے تو پھر عفو سے کام لیا کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر ۳۰۴۱)

اسی رحم و درگزر کا عظیم مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر بھی نظر آتا ہے جب آپؐ نے اپنے دیرینہ مخالفین کو بلا شرط عام معافی عطا فرما دی جن میں ابوسفیان، ہندہ، عکرمہ، حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی اور آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہبار بن اسود بھی شامل تھے۔

اسی طرح غزوۂ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہؓ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو یہودیوں نے ناحق قتل کیا ہے اور میں اس کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ کسی عام جرنیل کے لیے اپنے سپاہی کے اس جذبۂ انتقام کو سراہنا غیر معمولی بات نہ ہوتی لیکن آپؐ نے اس موقع پر بھی صبر، اعتدال اور خدا پر توکل کا درس دیا۔ آپؐ نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے اور خدا سے عافیت مانگو۔ ہاں! جب دشمن سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو پھر دعا اور تدبیر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرو۔ (مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر: ۳۲۶۱)

مال غنیمت اور لوٹ مار کا الزام

خیبر کی مہم کی تیاری کے وقت آپؐ نے اعلان فرمایا: کوئی شخص جہاد کے علاوہ کسی مال غنیمت وغیرہ کے ارادہ سے ہمارے ساتھ نہ نکلے۔ اس ہدایت پر عمل درآمد کے لیے آپؐ نے صرف انہی افراد کو خیبر میں شرکت کی اجازت دی جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ مخلص صحابہؓ تھے جو حج اور عمرہ کی نیت سے نکلے تھے اور جنہوں نے ہر حال میں آپؐ کی اطاعت کا عہد کیا تھا (سیرت حلبیہ)۔ جنگی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو خیبر کے دس ہزار مسلح اور قلعہ بند یہودیوں کے مقابلہ میں لشکر کو صرف چودہ سو صحابہؓ تک محدود رکھنا غیر معمولی فیصلہ تھا۔ لیکن آپؐ کے پیش نظر ایک بلند اخلاقی اصول تھا کہ محض مال غنیمت کی لالچ میں کوئی شخص اسلامی لشکر کا حصہ نہ بنے۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۸)

یہ واقعہ اُن لوگوں سے متعلق ہے جن پر بعض ناقدین لوٹ مار کی تعلیم کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ شدید بھوک اور تنگی کے باوجود آپؐ نے دوسروں کے مال پر ناجائز قبضے سے سختی سے منع فرمایا۔ غیروں کے جان و مال کے تحفظ کے بارے میں آپؐ کی حساسیت کا ایک اور نمونہ فتح خیبر کے موقع پر نظر آتا ہے۔ بعض یہودیوں نے شکایت کی کہ چند مسلمانوں نے ان کے جانور لے لیے ہیں اور ان کے باغات سے پھل توڑے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ ناراض ہوئے اور تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ تم بغیر اجازت کسی کے گھر گھس جاؤ اور پھل وغیرہ توڑو۔ (ابوداؤد)

میدانِ جنگ میں عورت کا وقار

اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ عورتیں بھی جنگوں میں شریک ہوتی تھیں تا کہ مردوں کا حوصلہ بڑھائیں، تفریح و طرب کی محفلیں سجائیں اور سپاہیوں کا دل بہلائیں۔ لیکن آپؐ نے عورت کو جو عزت، وقار اور احترام عطا فرمایا اس کے پیش نظر آپؐ اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپؐ نے بعض خواتین کو خاص طور پر اس غرض سے ساتھ جانے کی اجازت دی کہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، مریضوں کی تیمار داری کریں اور ضرورت مندوں کی دیکھ بھال کریں۔ یوں عورت کی خدمات کو ایک باوقار اور مفید مقصد کے لیے بروئے کار لایا گیا۔ (آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار اعظم، صفحہ ۵۴۶) آپؐ کی اس پاکیزہ تصوّر کو ایک فرانسیسی عیسائی سوانح نگار ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: شاید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کسی لشکر کے ساتھ عورتیں نرسنگ کی خدمات اور زخمیوں کی دیکھ بھال کیلیے شامل ہوئیں، ورنہ اس سے پہلے جنگ میں عورت سے تحریض جنگ اور حظ نفس کے سوا کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ عورت سے درست اور جائز خدمات لینے کے بارہ میں اب تک کسی نے نہ سوچا تھا کہ میدان جنگ میں تیمارداری اور بیماروں کی دیکھ بھال کی بہترین خدمت عورت انجام دے سکتی ہے۔ (حیات محمد تالیف امیل در منغم، صفحہ ۲۵۰،۲۵۱)

جنگ میں انسانیت کا تحفظ

مذہبی جذبات کے احترام کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ آپؐ کی سیرت میں نظر آتا ہے۔ آپؐ کسی شخص کے اپنے عقیدے کے اظہار کو معتبر سمجھتے تھے اور اس بات کو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ کسی کے ظاہری اظہار پر شک کیا جائے۔ ایک جنگ کے دوران حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک شخص کو اس کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرنے کے باوجود قتل کر دیا۔ جب یہ واقعہ آپؐ کے علم میں آیا تو آپؐ حضرت اسامہؓ پر سخت ناراض ہوئے۔ جب انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ شخص دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا تو آپؐ نے بار بار فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ آپؐ کی ناراضگی اس قدر شدید تھی کہ حضرت اسامہؓ کہا کرتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ (مسلم کتاب الایمان)

اسی طرح ایک موقع پر میدان جنگ میں دشمن قبیلے کی ایک عورت مقتول پائی گئی۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرح اور کس کے ہاتھ سے قتل ہوئی لیکن آپؐ اسے دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ آپؐ نے واضح فرمایا کہ کسی عورت کو قتل نہیں کرنا چاہیے (سیرت خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ)۔ ایک اَور غزوے میں مشرکین کے چند بچے جنگ کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ جنہوں نے معصوم بچوں کو بھی قتل کر ڈالا؟ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو مشرکین کے بچے ہی تو تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: مشرکین کے بچے بھی تمہاری طرح کے انسان ہیں اور بہترین انسان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۴)

انسانی جان اور انسانی وقار کے احترام کا ایک اَور خوبصورت نمونہ غزوۂ بدر کے بعد نظر آتا ہے۔ بدر مسلمانوں کی پہلی بڑی فتح تھی جس میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے جن میں قریش کے چوبیس سردار بھی شامل تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ دشمنوں کی لاشیں میدان میں پڑی رہیں بلکہ انہیں ایک پرانے گڑھے میں دفن کروا دیا۔ (آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار اعظم، صفحہ ۵۲۰) غزوۂ بدر کے بعد ستر قیدی مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ خود قیدی بیان کرتے ہیں: خدا کی قسم، مسلمان خود پیدل چلتے اور ہمیں سوار کرتے تھے۔ خود بھوکے رہتے ہمیں کھانا کھلاتے، خود پیاسے رہتے اور ہمیں پانی پلاتے (انسان کامل، از حضرت میر محمد اسحاقؓ، صفحہ ۲۲)۔ اسی طرح اس عظیم فتح کے موقع پر بھی آپؐ نے کوئی جشن نہیں منایا۔ اس کے برعکس آپؐ نے اپنے ربّ کی عظمت اور حقانیت کا اظہار فرمایا اور صحابہؓ کو یاد دلایا کہ فتح سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ بدر کا دن خدا کے وعدے پورے ہونے کا دن ہے۔ جنگ احزاب کی مثال بھی قابل ذکر ہے۔ ایک کافر سردار خندق میں گر گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس کی نعش پر قبضہ کر لیا۔ کفار نے پیشکش کی کہ دس ہزار درہم لے لیں اور نعش ان کے حوالے کر دیں مگر آپؐ نے فرمایا: ہم مردہ فروش نہیں ہیں، ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے اور پھر بلا معاوضہ وہ نعش واپس کر دی۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۴)

مؤرخین کے تاثرات

آپؐ کو مؤرخین نے بحیثیت سپہ سالار کیسا پایا اس کی چند ایک مثالیں خاکسار پیش کرتا ہے۔ جوآن کول اپنی کتاب، محمد پروفیٹ آف پیس امیڈ دی کلاش آف ایمپائرز، میں لکھتے ہیں: آپ (ﷺ) نے مکہ کے جنگ پسندوں کے ساتھ بارہا صلح کی کوشش کی، لیکن جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو ایک پُرعزم مشرک دشمن کے مقابلے میں اپنے دفاع کے لیے مدینہ کو منظم کیا۔ قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ جارحانہ جنگ غلط ہے، اور اگر دشمن جنگ بندی یا صلح کی درخواست کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس درخواست کو قبول کریں۔ جارحانہ جنگ کی یہ ممانعت اور پُرتشدد تنازع کے عین دوران بھی کسی حل کی تلاش، 'امن کے نبی' کے لقب کو جائز ٹھہراتی ہے، اگرچہ محمد (ﷺ) کو کبھی کبھار دفاعی مہمات چلانے پر مجبور ہونا پڑا۔

اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر جوئل ہیورڈ اپنی کتاب، دی لیڈرشپ آف محمد: اے ہسٹاریکل ریکنسٹرکشن، میں لکھتے ہیں: محمد (ﷺ) کی عسکری قیادت کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی صلاحیتوں کا موازنہ تاریخ کے عظیم جرنیلوں، جیسے سکندر اعظم، ہنی بال، چنگیز خان، تیمور، نپولین، نیلسن، لی، رومیل اور پیٹن سے کرنا آسان نہیں۔ جس طرح جنگ ان شخصیات کی زندگی کا ایک اہم حصہ تھی، اسی طرح محمد ﷺ کی زندگی میں بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ تاہم، آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی اور جنگوں کا دائرہ، نوعیت اور مقصد ان مشہور سپہ سالاروں کی خونریز مہمات سے مشابہ نہیں تھا۔ درحقیقت، اگر ہم ایک دہائی پر محیط ان نو بڑی جھڑپوں میں دونوں فریقوں کے جانی نقصانات کو جمع کریں، تو ہمیں صرف ۱۳۸ مسلمان اور ان کے اتحادی، اور ۲۱۶ مخالفین ہلاک نظر آتے ہیں۔

لاکھوں درود و سلام ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بنی نوع کے لیے رحمت اللعالمین بن کر آئے۔ آپؐ کی حیات مبارک کا ہر پہلو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؐ کے بارے میں فرماتے ہیں: میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود و سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں (حقیقۃالوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۸) اسی طرح: مجھے سمجھا گیا ہے کہ تمام رسولوں میں سے کامل تعلیم دینے والا اعلیٰ درجہ کی پاک اور پُرحکمت تعلیم دینے والا اور انسانی کمالات کا اپنی زندگی کے ذریعہ سے اعلیٰ نمونہ دکھلانے والا صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اربعین نمبر ۱، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۵)

یہ وہ خوبصورت وجود ہے جس کی پیروی کر کے دنیا تباہی سے بچ سکتی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اس دور میں خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورت تعلیم پر عمل کرنے توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆...☆...☆

اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں جنگ کے اسلامی اصول و آداب

(قمر احمد ظفر۔ جرمنی)

حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ نہ صرف ہدایت کا کامل سرچشمہ ہیں بلکہ عدل، رحمت اور اخلاقی بلندی کا بے مثال نمونہ بھی پیش کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ جیسے نازک حالات میں بھی انسانی حرمت، انصاف اور اصول پسندی کو ہر حال میں مقدّم رکھا، اور ایسا جامع ضابطۂ اخلاق قائم فرمایا کہ جو رہتی دنیا تک راہنمائی کا روشن مینار ہے۔ اسی عظیم اُسوۂ حسنہ کی عملی تفسیر ہمیں خلافتِ راشدہ کے مقدس دَور میں بھی نظر آتی ہے، جہاں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسی منہجِ نبویؐ کو پوری دیانت، عدل اور استقامت کے ساتھ اپنایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دَور میں مبعوث فرمایا کہ جب دنیا ظلم، جبر، تعصّب اور قانونِ طاقت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ انسانی معاشرہ سیاسی، اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے شدید انتشار کا شکار تھا اور فتنہ وفساد انسانی زندگی کا ایک مستقل اور معمول بن چکا تھا۔ طاقت ور اقوام کمزور قوموں کو محکوم بنا لینا اپنا حق سمجھتی تھیں، جبکہ عرب، روم، فارس اور دیگر خطّوں میں تلوار ہی فیصلوں کی زبان تھی۔ جنگوں کا مقصد عدل و انصاف کا قیام نہیں، بلکہ اقتدار کی توسیع، زمینوں پر قبضہ، دولت کی ہَوَس اور انتقام کی تسکین تھا۔ فاتح خود کو ہر ظلم کا مجاز سمجھتا تھا، جبکہ مغلوب قوم کی جان، مال، عزت اور آزادی سب اس کی مرضی اور رحم وکرم کے تابع ہو جاتی تھیں۔

انسانی تاریخ کے طویل سفر میں شاید ہی کوئی ایسا دَور گزرا ہو کہ جب جنگ نے اپنے سیاہ سائے انسانیت پر نہ ڈالے ہوں۔ سلطنتوں کے عروج و زوال، تہذیبوں کی تعمیر و تخریب اور قوموں کی آزادی و غلامی کی داستانوں کا بڑا حصہ جنگوں ہی سے عبارت ہے۔ تاہم گہرے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں سے اکثر جنگیں حقّ و انصاف کے بجائے اقتدار کی ہَوَس، دولت کی حرص، قومی تعصّب، نسلی غرور اور انتقام کے جذبات کے تحت لڑی گئیں۔ اس دَور میں عظمت کا معیار کردار نہیں، بلکہ تلوار کی دھار تھی، اور مغلوب قوم کی حیثیت فاتح کے فیصلوں کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔

اسلام سے قبل دنیا میں جنگ کو کسی ایسے اخلاقی ضابطہ کا پابند نہیں سمجھا جاتا تھا کہ جو فاتح کے ہاتھوں ظلم و بربریت کو روک سکے۔ فتوحات کے بعد شہروں کو نذرِ آتش کرنا، کھیتوں اور باغات کو اُجاڑ دینا، کنوؤں کو بند کر دینا، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لینا، قیدیوں کو اذیتیں دینا اور مقتولین کی سرعام بے حرمتی کرنا عام معمول تھا۔ انسانی وقار، رحم اور عدل کی کوئی حیثیت نہ تھی اور دشمن کی مکمل تباہی ہی کامیابی کی معراج سمجھی جاتی تھی۔

جزیرۂ عرب بھی اس صورتحال سے مستثنیٰ نہ تھا۔ قبائلی عصبیّت اس قدر غالب تھی کہ معمولی اختلافات بھی برسوں جاری رہنے والی خونریز جنگوں میں بدل جاتے تھے۔ جنگِ داحس وغبراء اور جنگِ بُعاث جیسی لڑائیاں اسی ذہنیت کی واضح مثالیں ہیں۔ ان معرکوں میں انسانی حدود و اخلاق کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے اور غیر مسلح افراد بھی محفوظ نہیں سمجھے جاتے تھے۔ بستیاں جلا دی جاتیں، کھیت اُجاڑ دیے جاتے، کنویں پاٹ دیے جاتے اور کھجوروں کے باغات کاٹ کر دشمن کو معاشی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی۔ قیدیوں کو غلام بنا لینا یا ان پر ظلم ڈھانا معمول تھا، جبکہ مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی اور اعضا کاٹ دینا انتقام اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہ کیفیت صرف عرب تک محدود نہ تھی۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب طاقت اخلاقی قیود سے آزاد ہو جائے تو تباہی پورے معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ بابل کے بادشاہ بخت نصر کے حملے نے بیت المقدس کو ویرانی میں بدل دیا، عبادت گاہیں مسمار ہو گئیں اور کھیت و باغات اُجڑ گئے۔ اسی طرح روم اور فارس کی طویل جنگوں نے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں چھین لیں اور عام آبادی بھی اس تباہی سے محفوظ نہ رہ سکی۔ بعد کے اَدوار میں چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یلغار نے بھی یہی حقیقت واضح کر دی کہ جب قوّت اخلاق سے آزاد ہو جائے تو انسان اپنی انسانیت کھو کر سفّا کی کی آخری حدوں کو چھو لیتا ہے۔

تاریخ کے یہ سیاہ ابواب محض ماضی کا حصہ نہیں بلکہ حال کی بازگشت بھی ہیں۔ جدید دنیا، جو خود کو تہذیب، انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کی علمبردار قرار دیتی ہے، جنگ کے میدان میں اکثر انہی مناظر کو دُہراتی دکھائی دیتی ہے۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگ نے کروڑوں انسانوں کو نگل لیا، جبکہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے ایٹم بم انسانی تاریخ کے ہولناک ترین سانحات میں شمار ہوتے ہیں۔ آج بھی مختلف خطّوں میں شہری آبادی، ہسپتال، سکول اور پناہ گزین کیمپ جنگ کی زد میں آ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ یوں جدید اسلحے نے جنگ کو پہلے سے کہیں زیادہ مہلک بنا دیا ہے، مگر انسان کا اخلاقی شعور اس کے ساتھ ہم آہنگ ترقی حاصل نہ کر سکا۔

اس پسِ منظر میں یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کے پاس کوئی ایسا جامع ضابطۂ اخلاق موجود نہ تھا کہ جو جنگ کو انسانی اقدار کا پابند بنا سکتا۔ ایسے تاریک اور پُرآشوب ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایک ایسا ہمہ گیر نظام عطا فرمایا کہ جس نے جنگ کو ظلم و بربریت کے بجائے عدل، تقویٰ اور رحمت کے تابع کر دیا۔ اسلام نے یہ واضح اصول عطا کیا کہ جنگ نہ تو کوئی مقصد ہے اور نہ ہی اسلام کی اشاعت کا ذریعہ، بلکہ یہ صرف اس وقت جائز ہے کہ جب ظلم کا سدّباب، مظلوموں کا دفاع اور مذہبی آزادی کا تحفّظ ناگزیر ہو جائے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ ربّانی ہے کہ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ۔ (البقرہ:۱۹۱) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور (کسی پر) زیادتی نہ کرو (اور یاد رکھو) اللہ زیادتی کرنے والوں سے ہر گز محبّت نہیں کرتا۔

یہ آیت اسلامی قانونِ جنگ کی بنیادی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں دو نہایت اہم اصول متعیّن کیے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جنگ کا آغاز صرف ان لوگوں کے خلاف کیا جائے گا کہ جو خود جارحیت کا راستہ اختیار کریں، اور دوسرا یہ کہ میدانِ جنگ میں بھی ظلم، انتقام اور کسی بھی قسم کی حدّ سے تجاوز کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس طرح اسلام نے طاقت کے استعمال کو محض ایک عسکری عمل نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے ایک مکمل اخلاقی اور قانونی نظام کا پابند بنا دیا، جہاں جنگ بھی عدل، توازن اور انسانی حرمت کے اصولوں کے تابع ہو جاتی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ کا ایک انتہائی دلآویز اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کے یہ معنے نہیں کہ تم دوسروں کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے جنگ کرو۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جب کوئی قوم دین کے بارہ میں تم سے جنگ کرے اور تمہارا مقدّس مذہب تم سے زبردستی چھڑانا چاہے تو اس وقت تمہارا فرض ہے کہ تم محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور دینی مشکلات کو دُور کرنے کے لیے دشمن سے جنگ کرو۔ پس اس میں کفّار کو زبردستی مسلمان بنانے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ کفّار کے اس جبر کو دُور کرنے کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لیے مذہبی آزادی تک باقی نہیں رہی تھی۔

دوسری شرط اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ بیان کی ہے کہ لڑائی صرف انہی لوگوں سے جائز ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھا چکے ہوں جیسا کہ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔

تیسری شرط جو یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ تمہارے لیے صرف انہی سے جنگ کرنا جائز ہے جو تم سے لڑتے ہیں۔ یعنی جو لوگ باقاعدہ سپاہی نہیں اور لڑائی میں عملاً حصہ نہیں لیتے جیسے بچے بوڑھے عورتیں وغیرہ ان کو مارنا یا ان سے لڑائی کرنا جائز نہیں، گویا سِول آبادی کو لڑائی کے دائرہ سے کلیۃً باہر رکھا گیا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم کی جو تشریح فرمائی ہے وہ ان احکام سے ظاہر ہے جو آپؐ اس وقت دیتے تھے جب آپؐ کسی کو کمانڈر بنا کر جنگ پر بھجواتے تھے۔ چنانچہ مسلم جلد ۲ کتاب الجهاد میں لکھا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا دستہ فوج کا کسی کو افسر بنا کر بھجواتے تھے تو آپ اُسے اور دوسرے مسلمانوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور پھر فرماتے: اُغۡزُوۡا بِسۡمِ اللّٰہِ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اللہ تعالیٰ کی خاطر جنگ کے لیے جاؤ۔ قَاتِلُوۡا مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ: اس شخص کے ساتھ جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ کا کفر اختیار کرے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تم کافر سے لڑو بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جس شخص سے تمہاری لڑائی ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تم نے اس سے لڑنا نہیں، تمہیں لڑائی کی صرف اس وقت تک اجازت ہے جب کفر باللہ کی شرط موجود ہے۔ اگر کسی شخص نے لڑائی تو شروع کی مگر جب تمہارا لشکر پہنچا، تو اس نے کہہ دیا کہ مَیں اسلام اختیار کرتا ہوں تو بس لڑائی ختم ہو جائے گی۔ وَلَا تَغُلُّوۡا: اور قطعی طور پر خیانت سے کام نہ لو۔ وَلَا تَغۡدِرُوۡا: اور بدّعہدی نہ کرو۔ دھوکہ بازی سے کام نہ لو۔ اگر تم اپنے دشمن سے کوئی وعدہ کر لو تو بعد میں اُسے کسی بہانہ سے توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ وَلَا تُمَثِّلُوۡا: اور تم مُثلہ نہ کرو یعنی کفّار اپنی رسم کے مطابق اگر مسلمان مقتولین کے ناک کان بھی کاٹ دیں تو بھی تم ان کے مُردوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرو۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡا وَلِیۡدًا: اور کسی نابالغ بچے کو نہ مارو کیونکہ وہ جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ (مسلم کتاب الجهاد۔ باب تامیر الامام الامراء علی البعوث...)“

پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ ”سیرتِ حلبیہ میں اس کے علاوہ بعض اور نصائح بھی درج ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو جنگ پر جاتے وقت یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ لَا تَقۡتُلُوۡا اِمۡرَءَۃً کسی عورت کو نہیں مارنا، وَلَا کَبِیۡرًا فَانِیًا: اور کسی بُڈّھے شخص کو بھی نہیں مارنا۔ وَلَا مُعۡتَزِلًا بِصَوۡمَعَۃٍ اور عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی نہیں مارنا۔ کیونکہ گو وہ ایک ایسی قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جو تمہاری مخالف ہے مگر وہ خدا کا نام لیتے ہیں۔ پھر فرماتے وَلَا تَقۡرَبُوۡا نَخۡلًا: کیسی کھجور کے درخت کے قریب بھی نہ جانا یعنی کھجور کو نقصان پہنچانے کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ اس سے ان کے رزق پر اثر پڑتا ہے اور تمہارا حملہ ان کے حملے کو دُور رکھنے کی نیّت سے ہے، ان کو مستقل تباہ کرنے کی غرض سے نہیں۔ وَلَا تَقۡطَعُوۡا شَجَرًا: بلکہ کوئی درخت بھی نہ کاٹنا، کیونکہ وہ غریبوں اور مسافروں کو سایہ دینے کے کام آتا ہے اور تم لڑنے کے لیے جا رہے ہو، اس لیے نہیں جا رہے کہ وہ قوم سایہ سے بھی محروم ہو جائے۔ وَلَا تَھۡدِمُوۡا بِنَاءً: اسی طرح عمارتوں کو مت گراؤ۔ قلعہ کا اِنہدام ایک علیحدہ چیز ہے وہ جنگ کے حملے کو روکنے کے لیے ہوتا ہے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ کسی ملک کے

باشندوں کو بے گھر کر دیا جائے اور ان کے مکانوں کو گرادیا جائے یا انہیں آگ لگادی جائے۔ اسی طرح آپؐ کی دوسری ہدایات میں ہے کہ ملک میں ڈر اور ہراس پیدا نہ کیا جائے۔ دُنیوی حکومتیں جب کسی ملک میں داخل ہوتی ہیں تو اندھادُھند مظالم شروع کر دیتی ہیں محض اس لیے کہ حکومت کا رعب قائم ہو جائے۔ مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مفتوحہ ممالک میں جاؤ تو ایسے احکام جاری کرو جن سے لوگوں کو آسانی ہو، تکلیف نہ ہو۔ (السیرۃ الحلبیۃ۔ باب سرایا و بعوثہ) اور فرمایا جب لشکر سڑکوں پر چلے تو اس طرح چلے کہ عام مسافروں کا راستہ نہ رکے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں: ایک دفعہ لشکر اس طرح نکلا کہ لوگوں کے لیے اپنے گھروں سے نکلنا اور راستہ چلنا مشکل ہوگیا، اس پر آپؐ نے منادی کروائی کہ جس نے مکانوں کو بند کیا یا راستہ روکا اس کا جہاد جہاد ہی نہیں رہے گا۔

غرض اسلام کہتا ہے کہ تم کو جنگ میں عورتوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بچوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بُڈھوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بدعہدی کرنے کی اجازت نہیں، تم کو دھوکا دینے کی اجازت نہیں، تم کو مقتولین کے ناک کان کاٹنے کی اجازت نہیں، تم کو پادریوں اور پنڈتوں اور گیانیوں کو مارنے کی اجازت نہیں، تم کو کوئی باغ اور درخت کاٹنے کی اجازت نہیں، تم کو کوئی عمارت گرانے کی یا اُسے آگ لگانے کی اجازت نہیں اور اگر کبھی ان ہدایات کی خلاف ورزی ہوئی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

عرب کے دستور کے مطابق عورتیں بھی لڑائی میں شامل ہوتی تھیں اور چونکہ وہ دوسروں کو قتل کرتی تھیں لازماً وہ خود بھی قتل کی جاتی تھیں مگر ایک موقعہ پر ایک لڑائی کے بعد جب ایک عورت کی لاش آپؐ نے دیکھی تو آپ کے چہرے پر غم اور غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا اسلام اس کو پسند نہیں کرتا، یہ فعل اسلامی تعلیم کے خلاف ہوا ہے۔ (مسلم کتاب الجهاد والسیر۔باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب) اُحد کی جنگ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار پیش کی اور فرمایا یہ تلوار میں اس شخص کو دُوں گا جو اس کا حق ادا کرنے کا وعدہ کرے۔ بہت سے لوگ اس تلوار کو لینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے ابو دُجانہؓ انصاری کو وہ تلوار دی۔ لڑائی میں ایک جگہ مکّہ والوں کے کچھ سپاہی ابو دُجانہؓ پر حملہ آور ہوئے۔ جب آپ ان سے لڑ رہے تھے تو آپؓ نے دیکھا کہ ایک سپاہی سب سے زیادہ جوش کے ساتھ لڑائی میں حصہ لے رہا ہے۔ آپؓ نے تلوار اُٹھائی اور اس کی طرف لپکے۔ لیکن پھر اس کو چھوڑ کر واپس آگئے۔ آپ کے کسی دوست نے پوچھا: آپ نے اُسے کیوں چھوڑ دیا؟ آپؓ نے جواب میں کہا: مَیں جب اس کے پاس گیا تو اس کے منہ سے ایک ایسا فقرہ نکلا جس سے مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہے۔ ان کے ساتھی نے کہا: بہرحال وہ سپاہیوں کی طرح فوج میں لڑ رہی تھی پھر آپؓ نے اسے چھوڑا کیوں؟ ابو دُجانہؓ نے کہا: میرے دل نے برداشت نہ کیا کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تلوار کو ایک کمزور عورت پر چلاؤں۔ (السیرۃ النبویۃ ابن هشّام غزوۃ اُحد)

غرض آپؐ عورتوں کے ادب اور احترام کی ہمیشہ تعلیم دیتے تھے جس کی وجہ سے کفّار کی عورتیں زیادہ دلیری سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تھیں مگر پھر بھی مسلمان ان باتوں کی برداشت کرتے چلے جاتے تھے۔ صرف ایک ہی عورت تھی جس نے شروع سے لے کر آخر تک اسلام کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا اور مسلمان شہداء کے ناک اور کان کاٹ لینے میں بہت مشہور تھی یعنی ہندہ۔ فتحِ مکّہ کے وقت آپؐ نے صرف اس کے قتل کا حکم دیا، مگر وہ باقی عورتوں کے ساتھ آئی اور مسلمان ہوگئی اور پھر آپؐ نے اُسے بھی کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا توبہ نے اس کے سارے گناہوں کو دھو دیا ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ۔باب ذکر مغازیہؐ فتح مکة شرفها الله تعالیٰ)

چوتھی شرط وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ کے الفاظ میں یہ بیان فرمائی کہ باوجود دشمن کے حملہ میں ابتداء کرنے کے لڑائی کو صرف اس حدّ تک محدود رکھنا چاہیے جس حدّ تک دشمن نے محدود رکھا ہے اور اسے وسیع کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ نہ علاقہ کے لحاظ سے اور نہ ذرائع جنگ کے لحاظ سے اور فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدّ سے زیادہ گذر جانے والوں سے محبّت نہیں کرتا یا یوں کہو کہ جو لوگ حدّ سے گذر جانے والے ہوں وہ کبھی خدا تعالیٰ سے محبّت نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص طبعی طور پر اللہ تعالیٰ سے محبّت کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ حقّ کا مطالبہ کرنے میں حدّ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ... اس زمانہ میں بڑی بڑی طاقتیں اس بات کی مدّعی ہیں کہ انہوں نے عدل و انصاف کو کمال تک پہنچا دیا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ لڑائی میں ہرقسم کے جھوٹ اور ظلم اور دھوکا اور فریب سے کام لیتی ہیں اور جب تک دشمن کو پیس نہ لیں ان کے دل کی آگ ہی نہیں بجھتی، کہیں گیسیں استعمال کی جاتی ہیں تو کہیں قیدیوں کو پکڑ کر لڑائی کے وقت اپنے آگے رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اور کئی ظالمانہ طریق اختیار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ بھی اعتداء میں داخل ہے کہ دشمن کا لباس پہن کر یا اس کا نشان دکھا کر حملہ کر دیا جائے یا صلح کے بہانہ سے حملہ کیا جائے، یہ تمام اُمور ناجائز اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔'' (تفسیر کبیر۔ جلد سوم، صفحہ ۲۲۸تا۲۳۱)

اسلام کی نظر میں انسانی جان انتہائی مقدّس ہے، اسی لیے قرآنِ کریم ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔

مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا۔ (المائدہ:۳۳) جس نے بھی کسی ایسے نفس کو قتل کیا، جس نے کسی دوسرے کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

یہ تعلیم اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام جنگ کو بھی انسانی جان کے احترام کے دائرے میں رکھتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جارحانہ جنگ کی ابتدا نہیں کی۔ مکّہ مکرمہ میں تیرہ برس تک مسلمانوں نے بدّترین مظالم برداشت کیے، مگر انہیں قتال کی اجازت نہ دی گئی۔ جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی اور دشمن نے مسلسل حملے کیے، معاہدے توڑے اور مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کی کوشش کی، تو تب اللہ تعالیٰ نے دفاع کی اجازت عطا فرمائی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ (الحج:۴۰) اُن لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جارہا ہے (قتال کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اور یقیناً اللہ اُن کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اسلام میں قتال کی اجازت ظلم کے جواب میں دفاع کے لیے دی گئی، نہ کہ فتوحات، مالِ غنیمت یا قومی برتری اور جبر و استبداد کے لیے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اسی خوبصورت اسلامی تعلیم کی وضاحت میں نام نہاد مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سارا قرآن بار بار کہہ رہا ہے کہ دین میں جبر نہیں اور صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ جن لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لڑائیاں کی گئی تھیں، وہ لڑائیاں دین کو جبراً شائع کرنے کے لیے نہیں تھیں بلکہ یا تو بطورِ سزا تھیں یعنی ان لوگوں کو سزا دینا منظور تھا جنہوں نے ایک گروہِ کثیر مسلمانوں کو قتل کر دیا اور بعض کو وطن سے نکال دیا تھا اور نہایت سخت ظلم کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ یعنی ان مسلمانوں کو جن سے کفّار جنگ کر رہے ہیں بسبب مظلوم ہونے کے مقابلہ کرنے کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے کہ جو ان کی مدد کرے۔ اور یا وہ لڑائیاں ہیں جو بطورِ مدافعت تھیں یعنی جو لوگ اسلام کے نابود کرنے کے لیے پیش قدمی کرتے تھے یا اپنے ملک میں اسلام کو شائع ہونے سے جبراً روکتے تھے ان سے بطور حفاظتِ خود اختیاری یا ملک میں آزادی پیدا کرنے کے لیے لڑائی کی جاتی تھی بجز ان تین صورتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مقدّس خلیفوں نے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ اسلام نے غیر قوموں کے ظلم کی اس قدر برداشت کی ہے جو اس کی دوسری قوموں میں نظیر نہیں ملتی۔'' (کشتیٔ نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹، صفحہ ۷۷)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں بھی اخلاقی اقدار کو کبھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ آپؐ نے اعلان کیا کہ جنگ میں بھی عورت، بچہ، بوڑھا، راہب، کسان اور ہر وہ شخص محفوظ ہے کہ جو عملاً جنگ میں شریک نہیں۔ آپؐ نے درخت کاٹنے، کھیت جلانے، جانوروں کو بلاضرورت ہلاک کرنے، عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے اور لاشوں کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔ اس طرح اسلام نے پہلی مرتبہ جنگ کو اخلاقی حدود کا پابند بنا کر انسانی تاریخ میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ جس کے اثرات آج کے بین الاقوامی انسانی قوانین میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

یہ اسلامی تعلیمات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں کہ اسلام تلوار کا مذہب نہیں اور نہ ہی تلوار کے زور سے پھیلا ہے بلکہ امن، عدل اور رحمت کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ کو بھی اخلاق، تقویٰ اور انسانیت کی درسگاہ بنا دیا اور ثابت فرمایا کہ حقیقی فتح دشمن کو تباہ کرنے میں نہیں بلکہ انسانیت کو ظلم سے بچانے میں ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے جنگ کو ایک ناگزیر دفاعی اقدام تک محدود رکھا ہے اور اس کے لیے ایسے جامع اخلاقی اصول مقرر کیے ہیں کہ جن کی مثال قدیم دنیا میں نہیں ملتی۔ قرآنِ کریم نے جنگ میں عدل، اعتدال، عہد کی پابندی اور صلح کو بنیادی اصول قرار دیا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنگ کا مطلب خونریزی، انتقام، لوٹ مار اور کمزوروں پر ظلم تھا۔ فاتح لشکر اپنی طاقت کے نشے میں ہر اس چیز کو تباہ کر دیتا جو دشمن سے تعلق رکھتی تھی۔ اسلام نے اس تصور کو یکسر بدل دیا اور جنگ کو سخت اخلاقی اصولوں کا پابند بنا دیا۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو یہ تعلیم دی کہ مسلمان کی تلوار ظلم کے لیے نہیں بلکہ ظلم کے خاتمے کے لیے اُٹھتی ہے، اور اگر جنگ ناگزیر ہو جائے تو بھی عدل، رحم اور تقویٰ ہر حال میں مقدّم رہیں۔

اسلام نے سب سے پہلے یہ اصول قائم فرمایا کہ جنگ صرف ان افراد سے ہوگی کہ جو عملاً جنگ میں شریک ہوں۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، مزدور، کسان، سفیر اور عبادت گاہوں میں مصروف عبادت گزار اس دائرۂ جنگ سے باہر ہیں، لہٰذا انہیں کسی بھی صورت میں نقصان پہنچانا جائز نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی رُو کے منافی ہے۔

آج دنیا بین الاقوامی انسانی قانون اور جنیوا کنونشنز کو جنگی اخلاقیات کا معیار سمجھتی ہے۔ ان قوانین میں شہری آبادی کا تحفّظ، قیدیوں کے حقوق، زخمیوں کی دیکھ بھال اور املاک کے تحفّظ جیسے اصول شامل ہیں۔ قابلِ غور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پندرہ صدیاں قبل ہی ان اصولوں سے بھی کہیں زیادہ جامع تعلیمات عطا فرما دی تھیں۔ اسلام نے نہ صرف انسانوں بلکہ درختوں، جانوروں، عبادت گاہوں، کھیتوں اور ماحول تک کے حقوق واضح طور پر متعیّن فرما دیے۔ اسی لیے اسلامی قانونِ جنگ محض ایک فوجی ضابطۂ اخلاق نہیں بلکہ ایک مکمل اخلاقی اور روحانی نظام ہے۔

حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ نہ صرف ہدایت کا کامل سرچشمہ ہیں بلکہ عدل، رحمت اور اخلاقی بلندی کا بے مثال نمونہ بھی پیش کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ جیسے نازک حالات میں بھی انسانی حرمت، انصاف اور اصول پسندی کو ہر حال میں مقدّم رکھا، اور ایسا جامع ضابطۂ اخلاق قائم فرمایا کہ جو رہتی دنیا تک راہنمائی کا روشن مینار ہے۔ اسی عظیم اُسوۂ حسنہ کی عملی تفسیر ہمیں خلافتِ راشدہ کے مقدس دَور میں بھی نظر آتی ہے، جہاں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسی منہجِ نبویؐ کو پوری دیانت، عدل اور استقامت کے ساتھ اپنایا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنۂ ارتداد کے خلاف سخت اقدامات کے باوجود جنگی اخلاقیات کی مکمل پابندی کی گئی اور غیر جنگجو افراد کے تحفّظ کو بنیادی اصول کے طور پر ملحوظ رکھا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحاتِ شام، عراق اور مصر کے دوران لشکروں کو بارہا یہ واضح ہدایات دی گئیں کہ عبادت گاہوں، کھیتیوں، درختوں اور عام شہریوں کو ہرگز نقصان نہ پہنچایا جائے، جیسا کہ ان کے معروف خطوطِ عسکری اور فرامین سے ثابت ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا سلسلہ مختلف محاذوں پر جاری رہا اور اسلامی سلطنت کے بعض دُور دراز علاقوں تک پیش قدمی اور استحکام حاصل ہوا، جن میں شمالی افریقہ، آرمینیا، آذربائیجان اور ایران و خراسان کے بعض حصے شامل تھے، اور بازنطینی قوتوں

کے ساتھ مختلف مواقع پر جھڑپیں بھی پیش آئیں، تاہم اس پورے دَور میں داخلی سطح پر فتنہ و اختلاف کے آثار نمایاں ہونے لگے، مگر اس کے باوجود عدل، امان اور اسلامی اصولوں کی پاسداری کا دامن کسی حال میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا گیا۔

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں، خصوصاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے داخلی فتنوں کے انتہائی نازک مواقع پر، شدید اضطرابی حالات کے باوجود اصولِ اخلاق، ضبطِ نفس اور بے گناہوں کے تحفّظ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا، یہاں تک کہ آپؓ اپنے لشکر کو بارہا اس اَمر کی تاکید فرماتے کہ جنگ کی ابتدا میں کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے اور غیر متعلق افراد کو ہرگز نقصان نہ پہنچایا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق اپنے فرستادہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دین کی تکمیلِ اشاعت کے لیے مبعوث فرمایا، جنہیں تمام اندرونی اور بیرونی اختلافات کے لیے حکم وعدل قرار دیا گیا، آپؑ کی بعثت محض ایک علمی یا اصلاحی تحریک نہ تھی بلکہ ایک ہمہ گیر روحانی انقلاب کی نوید تھی، جس کا سب سے روشن پہلو انسانیت کو جنگ و جدل کے اندھیروں سے نکال کر امن وسلامتی کے نُور میں داخل کرنا بھی تھا۔ آپؑ نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مسیح موعود کا زمانہ تیر و تفنگ کا زمانہ نہیں بلکہ دلوں کی تطہیر، انصاف کے قیام اور باہمی محبّت و اخوت کے فروغ میں ترقی کا زمانہ ہے۔

چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں: ''سو! اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلا دیں۔ آنحضرتؐ کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے جب تک خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کرے۔''

(رسالہ درود شریف۔ صفحہ ۱۱۳، مؤلفہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب حلالپوریؓ)

اسی طرح آپؑ نے ایک اَور جگہ فرمایا: ''اب کوئی مخالف اسلام کا اپنے مذہب کے لیے تلوار نہیں اُٹھاتا اور یہی حکمت ہے کہ مسیح موعود کے لیے یَضَعُ الْحَرْبَ کا حکم آیا یعنی جنگ کی ممانعت ہوگئی اور تلوار کی لڑائیاں موقوف ہوگئیں اور اب قلمی لڑائیوں کا وقت ہے اور چونکہ ہم قلمی لڑائیوں کے لیے آئے ہیں اس لیے بجائے لوہے کی تلوار کے لوہے کی قلمیں ہمیں ملی ہیں۔'' (چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳، صفحہ ۹۳)

پس اسلام کے دورِ اوّل میں لڑی جانے والی جنگیں سراسر دفاعی نوعیت کی تھیں، جنہیں جہادِ اصغر سے تعبیر کیا گیا، لیکن اسلام کے اس دورِ ثانی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کر جہاد کی حقیقی روح کو ازسرنو دنیا پر آشکار فرمایا۔

آپؑ نے تلوار کی جگہ قلم کو اختیار کیا اور قرآنی معارف، توحیدِ باری تعالیٰ اور اُسوۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرحکمت تعلیمات کے ذریعے اسلام کا جھنڈا دنیا بھر میں سربلند کر دیا۔ علم وعرفان کے بے بہا خزانے پر مشتمل آپؑ کی ۹۳؍ عظیم الشّان معرکۃ الآراء تصانیف رہتی دنیا تک حق کے متلاشیوں کے لیے ہدایت کا ایک لازوال سرچشمہ اور معرفت کا ایک بے کراں سمندر ہیں۔ اسی عظیم قلمی جہاد کے طفیل آج اسلام احمدیت کا پُرامن اور حیات بخش پیغام دنیا کے ۲۰۰؍ سے زائد ممالک و خطّوں تک پہنچ چکا ہے، اور لاکھوں سعید روحیں اس چشمۂ زلال سے فیض یاب ہو کر اسلام کی حقیقی اور پُرامن تعلیمات سے آشنا ہو رہی ہیں۔

بعض نادانوں کی جانب سے اسلام کے متعلق یہ اعتراض اکثر کیا جاتا ہے کہ یہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اس الزام کی مکمل نفی کرتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانے میں اسلام پر ہونے والے انہی اعتراضات کا مدلل جواب دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ اسلام نے کبھی کسی انسان کو محض اس کے عقیدہ کی وجہ سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ آپؑ نے متعدد کُتب میں تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں قتال کا مقصد مذہب کی اشاعت نہیں بلکہ ظلم کو روکنا، مذہبی آزادی کا تحفّظ کرنا اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے۔ آپؑ نے اس حقیقت پر زور دیا کہ اگر اسلام تلوار کے ذریعے پھیلایا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکّہ کے موقع پر اپنے تمام مخالفین کو بزورِ شمشیر مسلمان بنا دیتے، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں عام معافی عطا فرمائی۔

اس سے یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے کہ اسلام ایمان کو دل کی باطنی کیفیت اور قلبی اختیار کا معاملہ قرار دیتا ہے، نہ کہ کسی جبر، دباؤ یا زبردستی کا نتیجہ۔

لہٰذا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصرِ حاضر کے حوالے سے بھی ایک نہایت اہم اصول وضع فرما دیا کہ اس زمانے میں اسلام کی خدمت کا ذریعہ تلوار نہیں بلکہ قلم، دعا، تبلیغ، اخلاقِ حسنہ اور علمی استدلال ہے۔ آپؑ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ رسول اللہؐ کے مبارک اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے کردار، عبادت، خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے دنیا کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس کرائیں۔

اسی طرح اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے عظیم مقصد کے متعلق راہنمائی عطا کرتے ہوئے آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: ''مَیں یہ بھی کھول کر کہتا ہوں کہ جو جاہل مسلمان یہ لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا وہ نبیؑ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کرتے ہیں اور اسلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اسلام ہمیشہ اپنی پاک تعلیم اور ہدایت اور اس کے ثمرات انوار و برکات اور معجزات سے پھیلا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشّان نشانات آپؐ کے اخلاق کی پاک تاثیرات نے اسے پھیلایا ہے اور وہ نشانات اور تاثیرات ختم نہیں ہوگئی ہیں بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود رہتی ہیں اور یہی وجہ ہے جو مَیں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں۔ اس لیے کہ آپؐ کی تعلیمات اور ہدایات ہمیشہ اپنے ثمرات دیتی رہتی ہیں۔ اور آئندہ جب اسلام ترقی کرے گا تو اس کی یہی راہ ہوگی نہ کوئی اور۔ پس جب اسلام کی اشاعت کے لیے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی تو اس وقت ایسا خیال بھی کرنا گناہ ہے کیونکہ اب تو سب کے سب امن سے بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے کافی ذریعے اور سامان موجود ہیں۔'' (لیکچر لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰، صفحہ ۲۷۳تا۲۷۴)

پس آپؑ نے اپنی عمرِ مبارک اسی حقیقی جہاد میں صَرف فرما دی۔ آپؑ کی وفات کے بعد قدرتِ ثانیہ کے مظاہر، خلفائے احمدیت نے بھی ہر دَور میں آپؑ کی کامل پیروی میں انہی عظیم الشّان قرآنی تعلیمات اور بے مثال اُسوۂ نبویؐ کو دنیا کے سامنے نہایت مؤثر انداز میں پیش فرمایا، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے تاریخِ اسلام میں جن نئے ابواب کا اضافہ ہوا ان میں ایک اہم سنگِ میل اسلام میں خلافتِ خامسہ کے مبارک دَور کا بھی آغاز ہے۔ آپؑ ہی کی نمائندگی میں اور آپؑ ہی کے اسلوب سے مزیّن حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اقوامِ متحدہ، یورپی پارلیمنٹ، برطانوی پارلیمنٹ، امریکی کانگریس کے اراکین اور دنیا کے مختلف سیاسی و مذہبی راہنماؤں سے اپنے خطابات میں بارہا اس حقیقت کو اُجاگر فرمایا ہے کہ دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن اسی وقت قائم ہوسکتا ہے کہ جب انصاف، دیانت، انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کو عملی طور پر یقینی بنایا جائے۔ آپ نے ہر قسم کی دہشت گردی، مذہبی انتہاپسندی اور بے گناہ انسانوں کے قتلِ ناحق کی واضح الفاظ میں مذمت فرمائی ہے کہ یہ تمام افعال اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔

آج کی دنیا جدید اسلحہ، ایٹمی ہتھیاروں، ڈرون حملوں، کیمیائی جنگ اور وسیع پیمانے پر شہری آبادی کی تباہی جیسے سنگین خطرات سے دوچار ہے۔ ایسے حالات میں اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا ہر پہلو نہ صرف راہنمائی کا مینار ہے بلکہ ہر دَور کے لیے عدل، رحمت اور توازن کا کامل نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ آپؐ نے جنگ کے دوران غیر جنگجو افراد کے تحفّظ، قیدیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، ماحول اور املاک کی حفاظت، معاہدات کی پابندی اور حتّی الامکان صلح کو ترجیح دینے کی تعلیم دی۔ اگر عالمی طاقتیں ان اعلیٰ اخلاقی اور انسانی اصولوں کو اپنی پالیسیوں کا حصہ بنائیں تو دنیا کے بہت سے تنازعات کو پُرامن طریق سے حل کیا جاسکتا ہے اور انسانیت کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بڑی حدّ تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

آپؐ کے عاشقِ صادق اور غلامِ کامل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی انہی اسلامی تعلیمات کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اَزسرِنو اُجاگر کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ موجودہ زمانے میں اسلام کی سربلندی تلوار یا جبر سے نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، دعا، تبلیغ، خدمتِ انسانیت اور مضبوط علمی و عقلی دلائل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ آپؑ نے اسلام کی حقیقی اور پُرامن تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر قسم کی مذہبی انتہاپسندی اور بے جا تشدد کی نفی فرمائی۔ اسی مبارک مشن کو خلفائے احمدیت نے بھی جاری رکھا اور وہ دنیا کے ہر فورم پر امن، انصاف، بین المذاہب احترام، مذہبی آزادی اور انسانی حقوق کے فروغ کا پیغام پیش کرتے ہوئے اسلام کی حقیقی، رحمت و شفقت سے لبریز تعلیمات کو اُجاگر کرنے میں ہمہ وقت مصروفِ عمل نظر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ اسلام امن، عدل، رحمت اور شفقت کا دین ہے۔ اگرچہ اسلام نے مظلوم کے دفاع کے لیے جنگ کی اجازت دی، لیکن اسے اخلاقی حدود، عدل اور رحم کا پابند بنایا۔ آپؐ نے اپنی تعلیم اور عملی نمونے سے ثابت کیا کہ حقیقی قوّت ظلم کرنے میں نہیں بلکہ ظلم کو روکنے، معاف کرنے، عدل قائم کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے میں ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جس کی آج کی دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور یہی پیغام اسلام کو تمام مذاہب میں منفرد اور عالمگیر بناتا ہے۔

آج اکنافِ عالم میں جماعتِ احمدیہ ہی وہ واحد جماعت ہے کہ جو ایک امام کے ہاتھ پر مجتمع ہے، اور یہی وہ خوش نصیب جماعت ہے کہ جسے پاکیزہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جامع تعلیماتِ اسلامیہ کی روشنی میں حقیقی جہاد کی عملی توفیق عطا ہو رہی ہے۔

پس اے غافلو! اگر تمہیں جہاد کی عملی تصویر دیکھنی ہو تو جماعتِ احمدیہ کی تاریخ کا ایک ایک ورق اس کا روشن اور بیّن ثبوت پیش کرتا ہے، جب کہ جس جہاد کے تم راگ اَلاپتے ہو، اس کے بارے میں حکم وعدل کی طرف سے متنبّہ فرمانے کے بعد ہمیشہ تمہیں ناکامی اور نامرادی ہی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور حسرت و یاس ہی تمہارا مقدّر ٹھہرے گا۔

یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

کیا گزشتہ صدی کی تاریخ ایک کھلا نوشتۂ دیوار نہیں کہ اسلام کے نام پر لڑی جانے والی مسلح تحریکیں اور خود ساختہ جہاد کس طرح تباہی، انتشار، ذلت اور ہزیمت کا شکار ہوئے؟ سیاسی جنگوں اور ریاستی تنازعات کا معاملہ اس سے جُدا ہے، لیکن اسلام کے مقدّس نام پر تلوار اُٹھانے والوں نے نہ اسلام کو عزت بخشی اور نہ مسلمانوں کو امن نصیب ہوا۔ ایسے واضح تاریخی شواہد کے بعد اب اس الٰہی آواز پر لبیک کہنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اَے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

چونکہ آج اسلام پر حملے تلوار سے نہیں بلکہ قلم، فکر، میڈیا، ابلاغ اور فکری اعتراضات کے ذریعے کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا یہ قلمی جہاد کا زمانہ ہے، اور جو بھی اس دَور میں اسلام کی خدمت کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرے گا، وہ لازماً ناکام ہوگا۔

الحمد للہ ثمّ الحمد للہ! آج دنیا بھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اُسوۂ حسنہ کی روشنی اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مبارک روحانی قیادت میں غِلمانِ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر میدان میں دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے ہمہ جہت جہاد کی توفیق مل رہی ہے، خواہ وہ قلم و فکر کا جہاد ہو، علم و تحقیق کا جہاد ہو، مال و جان کی قربانی کا جہاد ہو، اسلام کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے کا جہاد ہو، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کا جہاد ہو، قرآنِ کریم کی تعلیمات کے فروغ کا جہاد ہو، سُنّتِ نبویہؐ کے احیاء کا جہاد ہو، تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ حق کا جہاد ہو، یا اخلاقِ حسنہ اور سیرتِ طیّبہ کو اپنے عملی نمونوں کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کرنے کا جہاد ہو۔ حتّٰی کہ امن، رواداری اور انسانیت کی خدمت کے ہر میدان میں یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمایاں کردار ادا کر رہی ہے، اور جہاں کہیں بھی دین کی خاطر قربانی، صبر یا استقامت درکار ہو، وہاں یہ جماعت ہر لمحہ پیش پیش نظر آتی ہے۔

اگر نظر دَوڑائیں تو انسانی تاریخ میں بے شمار فاتح پیدا ہوئے۔ بعض نے وسیع سلطنتیں قائم کیں، بعض نے اپنی عسکری

قوت سے دنیا کو حیران کیا اور بعض نے اپنی تلوار کے زور پر قوموں کو زیرِ نگیں کیا۔ مگر جب تاریخ ان فاتحین کے کردار کا محاسبہ کرتی ہے، تو ان کے قدموں کے نشانوں کے ساتھ خون کی ندیاں، جلتے ہوئے شہر، یتیم بچوں کی آہیں اور مظلوم انسانوں کی چیخیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ ان کی فتوحات زمینوں کی تسخیر تھی، دلوں کی نہیں، ان کی طاقت خوف پیدا کرتی تھی، محبّت نہیں۔ مگر ساتویں صدی عیسوی میں ایک ایسا عظیم فاتح بھی دنیا نے دیکھا کہ جس کے ہاتھ میں تلوار تھی مگر دل میں مجسّم رحمت، جس کے پاس قوّت تو تھی مگر مزاج میں انکسار، جسے دشمن پر غلبہ حاصل تھا، مگر انتقام کی بجائے عفو و درگزر اس کا شعار تھا۔ وہ ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمینؐ بناکر مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے صرف امن کے زمانے میں ہی نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی انسانیت، عدل اور رحم کی ایسی مثالیں قائم کیں، جن کی نظیر تاریخِ عالَم میں بہت کم ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل حیاتِ طیّبہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ آپؐ نے جنگ کو کبھی مقصد نہیں بنایا، بلکہ ہر موقع پر امن، اصلاح، رواداری اور انسانیت کی فلاح کو مقدّم رکھا۔ جب بھی مخالفین نے صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا، آپؐ نے فراخ دلی سے اسے قبول فرمایا۔ اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا ہے: وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ۔ (الانفال: ۶۲) اور اگر وہ صلح کے لیے جُھک جائیں، تو تُو بھی اُس کے لیے جُھک جا اور اللہ پر توکّل کر، یقیناً وہی بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام کی اصل منشاء جنگ کا تسلسل نہیں بلکہ امن کا قیام ہے۔ اگر دشمن بھی جنگ ختم کرنے اور صلح اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائے، تو مسلمانوں کو بھی لڑائی جاری رکھنے کی اجازت نہیں، بلکہ امن کو اختیار کرنا ہی اسلامی تعلیم ہے۔

اسی قرآنی تعلیم کی عملی تفسیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور امن پسندی کا سب سے روشن نمونہ صلح حدیبیہ ہے۔ بظاہر اس معاہدے کی بعض شرائط مسلمانوں کے لیے نہایت کڑی محسوس ہوتی تھیں، حتیٰ کہ بعض جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم بھی ان پر متفکّر تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی جذبات پر مستقبل کی مصلحت، دعوتِ دین اور انسانی جانوں کے تحفّظ کو ترجیح دی۔ تاریخ نے ثابت کیا کہ یہی معاہدہ اسلام کی عظیم فتوحات کا پیش خیمہ بنا۔ امن کے ماحول میں اسلام کا پیغام تیزی سے پھیلا، دلوں کے دروازے کھلے، اور وہ لوگ بھی حلقۂ بگوشِ اسلام ہوئے کہ جن کے بارے میں شاید گمان کرنا بھی ممکن نہ ہوسکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی کی بنیاد جنگ نہیں بلکہ امن، تبلیغ اور حُسنِ اخلاق ہے۔ یہی وہ اصول ہے کہ جس نے ہزاروں دشمنوں کو اسلام کا شیدائی بنادیا اور وہ لوگ بھی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اس عظیم حقیقت کا سب سے درخشاں مظہر فتح مکّہ ہے۔ یہی وہ شہر تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرامؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، آپؐ کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، مسلمانوں کو اذیتیں دی گئیں، اور برسوں تک اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ جب آٹھ ہجری میں مکّہ تقریباً بغیر کسی خونریزی کے فتح ہوا، تو وہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے، جو کل تک آپؐ کے بدّترین دشمن تھے۔ عرب کی قدیم روایت کے مطابق یہ بظاہر انتقام کا دن ہوسکتا تھا۔ فضا میں انتقام کی صدائیں گونج رہی تھیں اور زبانوں پر یہ نعرہ تھا کہ اَلۡيَوۡمُ يَوۡمُ الۡمَلۡحَمَةِ یعنی آج جنگ اور خونریزی کا دن ہے۔

لیکن اسی لمحے رحمتِ عالم، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقام کے ان نعروں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا اور آپؐ کی زبانِ اقدس سے عفّو، رحمت اور درگزر کی ایسی صدا بلند ہوئی کہ جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡهَبُوۡا فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ یعنی تم پر کسی بھی قسم کی کوئی گرفت نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

یہ صرف چند الفاظ ہی نہ تھے، بلکہ انسانیت کے لیے ایک دائمی منشور تھا، جس نے انتقام کی صدیوں پُرانی روایت کو ختم کر کے یہ اعلان کر دیا کہ حقیقی فاتح وہ نہیں جو دشمن کو زیر کر دے، بلکہ وہ ہے جو اقتدار اور غلبہ حاصل ہونے کے باوجود معاف کر دے۔

رحمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور بے مثال منظر حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ پیش آیا۔ ابوسفیان بن حرب وہ شخص تھا، جو غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق سمیت متعدد معرکوں میں قریش کی قیادت کرتا رہا۔ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں اس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کیں اور ہر مرحلے پر اسلام کے بدّترین دشمن کے طور پر سامنے آیا۔

لیکن جب فتحِ مکّہ کے موقع پر وہ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کی معیّت میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو اس کی گذشتہ زندگی کے تمام جرائم گویا اس کے خلاف گواہی دے رہے تھے اور بظاہر وہ سخت سزا کا مستحق تھا۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت انتقام سے نہیں بلکہ عفو و درگزر سے عبارت تھی۔ آپؐ نے نہ صرف اسے معاف فرمایا، بلکہ اس کے اعزاز میں عام اعلانِ امان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مَنۡ دَخَلَ دَارَ اَبِيۡ سُفۡيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَمَنۡ اَلۡقَى السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَمَنۡ اَغۡلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ۔ (صحیح المسلم۔ کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکّہ)

یعنی جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے، جو ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی امن میں ہے۔

اسلام سے قبل جنگی قیدیوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں غلام بناکر بازاروں میں بیچا جاتا، طویل عرصے تک بھوک اور پیاس کی اذیت میں رکھا جاتا، یا معمولی سی مصلحت پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ انسانی وقار اور رحم و انصاف کا کوئی تصور موجود نہ تھا، اور قیدی مکمل طور پر فاتح کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالمانہ رواج کا بھی خاتمہ فرمایا اور جنگی قیدیوں کے لیے واضح اور باوقار حقوق متعیّن کیے۔ آپؐ نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک، خوراک و لباس کی فراہمی، اور حتّٰی کہ ان کی آزادی کے مختلف باعزت طریقے مقرر فرمائے۔ اس طرح قیدی کو محض شکست خوردہ دشمن کے بجائے ایک قابلِ احترام انسان کی حیثیت دی گئی، اور پہلی مرتبہ تاریخ میں جنگی قیدیوں کے حقوق ایک منظّم اخلاقی و قانونی اصول کے طور پر دنیا کے سامنے آئے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے بدری صحابہؓ کی سیرتِ مبارکہ پر ایک نہایت مفصل اور بصیرت افروز خطباتی سلسلہ ارشاد فرمایا۔ بعدازاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں غزوات و سرایا کے موضوع پر بھی خطباتِ مبارکہ ارشاد فرمائے، جن میں دورانِ جنگ اسلامی تعلیمات کے اعلیٰ اصول مثلاً عدل و انصاف، رحم و شفقت، عہد کی پاسداری، انسانی جان و مال کا احترام اور اخلاقی پاکیزگی کو نہایت جامع، مدلل اور مؤثر انداز میں اُجاگر فرمایا۔

اسی تناظر میں حضورِ انور نے فرمایا کہ ''جنگِ بدر کے حوالے سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح آپؐ نے قیدیوں کو سہولتیں مہیا فرمائیں۔ قیدی خود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کہ قیدیوں سے بہتر سلوک کرو۔ صحابہؓ اپنی خوراک سے بہتر خوراک ہمیں دیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب ان قیدیوں کی رہائی کا معاملہ آیا تو بڑی آسان شرائط پر ان کو رِہا کر دیا۔ بعض کا فدیہ تو صرف اتنا تھا کہ جن کو لکھنا پڑھنا آتا ہے وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

یہ سب اس لیے تھا کہ آپؐ کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں تھی، یعنی آپؐ کے دل میں ان کے لیے کسی ذاتی دشمنی کے جذبات نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے والوں کے خلاف جنگ تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانا چاہتے تھے ان کے خلاف جنگ تھی۔ بعض لوگ دشمن کی طرف سے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے شامل ہوتے تھے۔ ایسی بھی کئی مثالیں ہیں۔ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے لڑیں لیکن مجبوری تھی۔ ان کو آپؐ نے بہت سی سہولتیں مہیا فرمائیں۔ بعد میں ان میں سے بہت سے مسلمان بھی ہو گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے اصول و قواعد مقرر فرمائے۔ معاہدوں کا بھی پاس کیا اور ان چیزوں پر انتہائی درجہ تک عمل بھی کیا۔ آجکل کی دنیا کی طرح نہیں کہ اصول و ضوابط تو بے شمار بنائے ہیں لیکن عمل کوئی نہیں بلکہ دُہرے معیار ہیں۔ آپؐ کی زندگی تو قرآنِ کریم کے احکام کی عملی تفسیر تھی، جہاں عدل و انصاف اور امن کا قیام بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ یکم ؍دسمبر ۲۰۲۳ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۲؍دسمبر ۲۰۲۳ء)

زمانۂ جاہلیت میں مقتولین کی نعشوں کا مُثلہ کرنا، ناک، کان یا دیگر اعضا کاٹ لینا انتقام اور فخر کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ غزوۂ اُحد کے بعد جب حضرت حمزہؓ کی شہادت کا دلخراش واقعہ پیش آیا اور آپؐ نے اپنے محبوب چچا کی مسخ شدہ لاش دیکھی تو وہ منظر یقیناً جذبات کو ہلا دینے والا تھا۔ اس شدید غم اور اضطراب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کسی بھی قسم کے انتقامی عمل یا مُثلہ کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی۔ یہ فیصلہ ایسے وقت میں صادر ہوا جب دل غم و غصے سے لبریز تھے، مگر اس کے باوجود اخلاقی حدود کو مقدم رکھا گیا۔ یہی وہ لمحہ ہے جو یہ حقیقت پوری قوت سے واضح کرتا ہے کہ اسلام محض نظریہ نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی اخلاق کی بالادستی قائم کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارک یہ درس دیتا ہے کہ جنگ کے سب سے سخت ترین حالات میں بھی عدل، رحم اور انسانی وقار کو ترک نہیں کیا جا سکتا، اور یہی وہ اعلیٰ ترین اخلاقی معیار ہے کہ جو اسلام نے انسانیت کے سامنے پیش کیا۔

حالاتِ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی جان کے احترام اور عدل و انصاف کے بھی ایسے اعلیٰ نمونے قائم فرمائے کہ جو قیامت تک کے لیے راہنما ہیں۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک سریہ میں قبیلہ حرقہ کی طرف روانہ فرمایا۔ دورانِ جنگ جب ایک شخص نے گرفت میں آنے کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، تو انصاری صحابی نے اسے چھوڑ دیا، لیکن آپؓ نے اسے قتل کر دیا۔ جب یہ واقعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تو آپؐ نے شدتِ ناراضگی کے ساتھ فرمایا! اَے اُسامہ! تم نے اسے اس کے بعد قتل کر دیا کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا؟ آپؓ نے اپنی صفائی میں عرض کیا کہ وہ محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی جملہ دُہراتے رہے، یہاں تک کہ حضرت اُسامہؓ شدتِ ندامت سے یہ تمنّا کرنے لگے کہ کاش! وہ اس سے پہلے اسلام ہی نہ لائے ہوتے۔ (صحیح البخاری۔ کتاب المغازی ؍باب بعث النبیؐ اسامہ...)

بمطابق ایک اَور روایت آپؐ نے فرمایا: اَفَلَا شَقَقۡتَ عَنۡ قَلۡبِهٖ حَتّٰى تَعۡلَمَ اَقَالَهَا اَمۡ لَا۔ یعنی تم نے کیوں نہ اس کا دل چیرا تا کہ تم جان لیتے کہ اس نے یہ دل سے کہا تھا یا نہیں؟ (صحیح المسلم۔ کتاب الایمان)

یہ واقعہ اسلامی قانونِ جنگ کے اس بنیادی اصول کو واضح کرتا ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی ظاہری ایمان کے اظہار اور انسانی جان کے احترام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کسی شخص کے باطن کے فیصلے کا اختیار انسانوں کو نہیں دیتا، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے، اور مسلمانوں کو عدل، احتیاط اور ظاہر کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جنگی حالات میں بھی رواداری اور انسانی جان کے احترام کا یہ معیار تاریخِ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے، جس کی نظیر اسلامی تعلیمات کے علاوہ کہیں اور ملنا مشکل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل طرزِ عمل یہ تھا کہ اگر دورانِ جنگ کسی بے گناہ کا خون ناحق بہہ جاتا یا کسی مسلمان سے اجتہادی خطا سرزد ہو جاتی تو آپؐ نہ صرف اس ناحق اقدام سے براءت کا اظہار فرماتے بلکہ متاثرین کے حقوق کی فوری بحالی، مظلوموں کی دلجوئی، ان کے نقصانات کے ازالے اور جہاں شرعاً لازم ہوتا وہاں دیّت کی ادائیگی کا بھی کامل اہتمام فرماتے۔ اس سلسلے میں بنو جذیمہ کا واقعہ آپؐ کے اس عظیم الشّان اخلاقی شعار کی ایک روشن، مستند اور نمایاں مثال ہے۔

معاندینِ اسلام کی طرف سے یہ بھی الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اسلامی جنگوں کے دوران مالِ غنیمت کا حصول بھی ایک محرّکِ جنگ تھا، اور اس ضمن میں بالخصوص غزوۂ خیبر کا ذکر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ ایک سراسر بے بنیاد اور حقائق کے منافی دعویٰ ہے۔ اسی حوالے سے اگر اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے لیے مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے ہی آپؐ نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو مالِ غنیمت کی اُمیّد یا طمع لے کر شامل ہونا چاہے، وہ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد۔ جلد پنجم، صفحہ ۱۱۵؍ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اسی تناظر میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حالاتِ جنگ میں اُسوۂ حسنہ کا ایک نہایت

خوبصورت عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ ”وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جنگیں کیں۔ اور خاص طور پر خیبر کے حوالے سے بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہود کے اَموال پر ناجائز قابض ہونے کے لیے یہ ظلم کیے گئے تھے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو عین جنگ کی حالت میں دشمن کی بکریوں کا ایک ریوڑ اور خیبر میں صحابہؓ کی بھوک سے جو حالت تھی کہ بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے، کھانے کو کچھ نہیں تھا تو یہ بکریاں تو مفت کا مالِ غنیمت تھا، استعمال کر سکتے تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی حالت میں بھی امانت کا حق ادا کرتے ہوئے بکریاں واپس کرنے کا ارشاد فرمایا۔“ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍اپریل ۲۰۲۵ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵؍اپریل ۲۰۲۵ء)

اسی غزوہ کے ضمن میں اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں مالِ غنیمت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی نہایت واضح اور عملی تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے، جو اس حقیقت کو بخوبی عیاں کرتی ہے کہ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی خیانت یا ناجائز تصرف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خیبر فتح کیا، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادی القریٰ میں آئے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کا ایک غلام تھا، جسے مِدْعَم کہا جاتا تھا، جسے بنو ضِبَاب میں سے کسی نے آپؐ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اس اثنا میں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اُتار رہا تھا، اس کی طرف ایک نامعلوم شخص کا تیر آیا اور وہ اس غلام کو جالگا، یہاں تک کہ وہ فوت ہوگیا۔ لوگ کہنے لگے کہ اسے شہادت مبارک ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! اس ذات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے، جو اس نے خیبر کے دن غنیمت کے مال سے لے لی تھی، جبکہ ابھی وہ تقسیم بھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے اور اس چادر کے سبب وہ آگ میں جا رہا ہے، تو وہ ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور عرض کیا کہ یہ وہ چیز ہے کہ جو مَیں نے بھی لے لی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک یا دو تسمے بھی آگ میں لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی۔ باب غزوۃ خیبر)

یہ واقعہ نہ صرف عدل و دیانت کے اعلیٰ معیار کو واضح کرتا ہے، بلکہ اس بات کو بھی ثابت کرتا ہے کہ مالِ غنیمت کے معاملے میں معمولی سی بے احتیاطی بھی سخت باز پرس کا موجب بن سکتی ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کس قدر باریک بینی اور سخت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

حالاتِ جنگ میں پاکیزہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اَور نمایاں جوہر بھی فقید المثال ہے کہ جب بھی آپؐ کسی قوم کے پاس رات کو تشریف لاتے، تو جب تک صبح نہ ہو لیتی، تو ان پر حملہ نہ کرتے۔ جبکہ آج کی جدید جنگوں میں بعض اوقات رات کی تاریکی میں اچانک حملوں اور فوری عسکری کارروائیوں کو حکمتِ عملی کا حصہ سمجھا جاتا ہے، جہاں انسانی جانوں اور اخلاقی حدود کے احترام سے زیادہ عسکری برتری اور سُرعت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ حتیٰ کہ حالتِ جنگ میں بھی اخلاقی اصول، اطمینان، اور انسانی جان کے احترام کو مقدّم رکھا جائے، اور کسی بھی ایسی کارروائی سے اجتناب کیا جائے جو بے خبری یا ناانصافی کا سبب بنے۔ یہی وہ امتیاز ہے جو اسلامی جنگی ضابطۂ اخلاقیات کو دنیا کے دیگر نظاموں سے ممتاز اور منفرد بناتا ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ یہی وہ شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنہوں نے سنگ دل سے سنگ دل دشمنوں کے دلوں کو مسخر کرلیا، نفرتوں کو محبتوں میں بدل ڈالا، بدّترین مخالفوں کو بھی جاں نثاروں میں تبدیل کر دیا، اور فتح و ظفر کو تاریخِ انسانیت میں رحمت و شفقت، عفو و درگزر اور اخلاقِ کریمانہ کا ایسا ابدی استعارہ بنا دیا کہ جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالَم قاصر ہے۔ یہی اسلام کا حقیقی اور تابندہ چہرہ ہے، یعنی ایک ایسا دین کہ جو قوت کو ظلم و جبر کے لیے نہیں، بلکہ عدل و انصاف کے قیام کے لیے بروئے کار لاتا ہے۔ اور فتح کو انتقام، خونریزی اور غلبۂ نفس کا ذریعہ نہیں بلکہ رحمت، امن، عفو، مصالحت اور بنی نوعِ انسان کی عزت و سربلندی کا پیامبر بناتا ہے۔

مختلف غیر مسلم مؤرخین اور مستند مصنفین بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ اور آپؐ کے غزوات و جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انداز میں قابلِ ذکر اعترافات کرتے ہیں، جو اس اَمر کی روشن دلیل ہیں کہ سیرتِ نبویؐ کی عظمت محض اہلِ ایمان تک ہی محدود نہیں بلکہ غیر مسلم اہلِ علم بھی اس کی صداقت، عدل اور اخلاقی برتری کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ایک امریکی مصنفہ اور صحافی Ruth Cranston (روتھ کرینسٹن) اپنی ۱۹۴۹ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب World Faith (ورلڈ فیتھ) میں رقمطراز ہوئیں کہ ”محمدِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ ہر جنگ جو انہوں نے لڑی، مدافعانہ تھی۔ وہ اگر لڑے تو اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لیے اور ایسے اسلحے اور طریق سے لڑے جو اُس زمانے کا رواج تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ چودہ کروڑ عیسائیوں میں سے، جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انسانوں کو ایک بم سے ہلاک کر دیا ہو، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں، جو ایک ایسے لیڈر پر شک کی نظر ڈال سکے، جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سو افراد کو تہ تیغ کیا ہو۔ عرب کے نبی کے ہاتھوں ساتویں صدی کے تاریکی کے دَور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہوں، ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس بیان کی تو حاجت ہی نہیں جو قتل inquisition اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے، جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں پھر رہے تھے۔“ (World Faith by Ruth Cranston, Haper and Row Publishers, New York, 1949, page 155)

پس اَمر واقعہ یہ ہے کہ جب دنیا جنگ کو غلبہ اور تسلط کا ذریعہ سمجھتی تھی، قرآنِ کریم نے اسے ظلم کے ازالے اور عدل کے قیام کا ذریعہ قرار دیا۔ جب دنیا اپنے دشمن کو مٹانے کے درپے تھی، اسلام نے مظلوم کے تحفّظ اور انسانی جان کے احترام کا درس دیا۔ اور جب دنیا نے طاقت کو ہی قانون سمجھ لیا تھا، اسلام نے قانون کو طاقت پر غالب کر دیا۔ یہی وہ الٰہی تعلیم ہے جس نے میدانِ جنگ کو بھی عبادتِ الٰہی، خدمتِ انسانیت اور قیامِ عدل کا وسیلہ بنا دیا، اور یہی وہ نورِ ہدایت ہے جس کی روشنی آج بھی بارود سے بھری اس دنیا کو امن، انصاف اور سلامتی کی منزل دکھانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

الغرض آپؐ کی بعثت محض عقائد و عبادات کی اصلاح تک محدود نہ تھی بلکہ انسان کی اجتماعی زندگی، معاشرت، سیاست اور حتیٰ کہ جنگ جیسے نہایت حساس معاملات کو بھی الٰہی ہدایت کے تابع کرنا اس کا بنیادی مقصد تھا۔ آپؐ نے ابتدا ہی میں یہ حقیقت واضح فرما دی کہ اسلام جنگ کا خواہش مند نہیں بلکہ امن و سلامتی کا داعی ہے۔ جنگ کی اجازت بھی محض اس وقت دی گئی کہ جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور امن و مصالحت کے تمام راستے عملاً مسدود ہو جائیں۔

لہٰذا یہی وہ آفاقی پیغام ہے کہ جو پندرہ صدیوں قبل صحرائے عرب سے طلوع ہوا، مگر آج بھی اپنی تازگی، صداقت اور انسان دوستی کے ساتھ دنیا کے زخمی ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ آج بھی جب دنیا کے اُفق پر جنگ کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں، جب طاقت کو حق اور اسلحے کو انصاف سمجھ لیا گیا ہے، اور جب معصوم بچے، خواتین اور بزرگ جنگوں کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، تو تاریخ کے شور و غوغا میں ایک آواز پہلے سے کہیں زیادہ واضح سنائی دیتی ہے اور وہ آواز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازِ حقّ ہے، جو یہ اعلان کرتی ہے کہ جنگ میں بھی انسانیت زندہ رہنی چاہیے، فتح میں بھی رحم باقی رہنا چاہیے، اور طاقت کا حقیقی حُسن انتقام میں نہیں بلکہ عفو و درگزر میں مضمر ہے۔ یہی وہ پیغام ہے کہ جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دنیا کے ضمیر کو بیدار کر گیا، اور یہی وہ چراغ ہے کہ جو آج بھی انسانیت کو امن، عدل اور محبت کی روشن منزلوں کی طرف راہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

☆...☆...☆

نعتِ رسولِ رحمت ﷺ

رسولِ رحمتِ ربّی ﷺ، سراپا چاہ بھی تھے
رہے جو معرکہ آرا، وہی پناہ بھی تھے

اُٹھایا وقتِ جہاد اُن کے دستِ حق نے عَلَم
تو شفقتوں کی، دلوں کے لیے نگاہ بھی تھے

نہ تیغِ ظلم کی خواہش، نہ خون ریزی کی
وہ عدل تھے کہ سراپا خدا کی راہ بھی تھے

نہ طفل، پیر، نہ عورت پہ ہاتھ اُٹھنے دیا
شجر بھی اُن کی نظر میں، سبھی سپاہ بھی تھے

اسیر جنگ کو بخشا، گلے لگایا بھی
کہ سب سے بڑھ کے اسی کے وہ خیر خواہ بھی تھے

ملی جو فتح، نہ لہجے میں انتقام آیا
وہ محوِ حمدِ خدا بھی، دلوں کی چاہ بھی تھے

کسی نے سنگ اُچھالے، دعائیں لب پہ رہیں
وہ دشمنوں کے لیے اک چراغِ راہ بھی تھے

جہاں میں جنگ کو اخلاق کی زباں بخشی
وہ دیں کے بادشہ، دنیا کے سربراہ بھی تھے

خدا گواہ! یہی معجزہ تھا حسن ان کا
جلال میں بھی سراپا جمالِ شاہ بھی تھے

درود ان پہ پڑی ہے نظر جہاں طارقؔ
ہماری زیست کی معراج، سجدہ گاہ بھی تھے

(ڈاکٹر طارقؔ انور باجوہ۔ لندن)

الفضل ڈائجسٹ

(مرتبہ: محمود احمد ملک)

اس کالم میں ان اخبارات و رسائل سے اہم و دلچسپ مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو دنیا کے کسی بھی حصے میں جماعت احمدیہ یا ذیلی تنظیموں کے زیرِ انتظام شائع کیے جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی جانوروں پر شفقت

آنحضور ﷺ کے جانوروں پر احسانات کے چند واقعات رسالہ ’’انصارالدین‘‘ جولائی اگست ۲۰۱۴ء میں مکرم طارق حیات صاحب کے قلم سے شامل اشاعت ہیں۔

ہمارے محسن، نبیٔ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے وقت صورت حال یہ تھی ایک طرف تو انسان کو ہی انسان نہیں سمجھا جارہا تھا وہاں کسی جانور پر شفقت تو محض ایک نادر عمل تھا۔ مختلف معاشروں میں کسی بے زبان جانور کو باندھ کر اس پر چاند ماری کرنا شجاعت اور مردانگی کا وصف شمار کیا جاتا تھا، اہل عرب زندہ جانور کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لینا برا نہ سمجھتے تھے۔ ظلم کا ایک نقشہ یہ تھا کہ (ملک عرب کے) بعض قبائل میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی آدمی مرجاتا تھا تو اس کی قبر کے پاس اس کے اونٹ کو باندھ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ بھوک پیاس سے مرجاتا تھا۔ اور دوسری طرف دنیا میں جانوروں کی عبادت کرنے والے بھی موجود تھے مثلاً برصغیر ہندوستان میں جانوروں اور پودوں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ ناگ اور بندر قبیلے کے اراکین کا خصوصی احترام کیا جاتا۔ زیادہ خطرناک جانوروں بالخصوص کوبرا سانپ کی پرستش عام تھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں بیل کو آج بھی مقدس مانا جاتا ہے۔ عظیم دیوتاؤں کے جانوروں والے رتھ بذات خود خصوصی معروض پرستش ہیں۔ چنانچہ برہما کی مقدس مرغابی، گروڑ، وشنو کا افسانوی عقاب یا گدھ، نندن یا شیو کا بیل، اس کی بیوی درگا کا شیر، گنیش کا چوہا اور دیوتائے محبت کام دیو کا طوطا اپنے سے منسوب دیوتاؤں کی تعظیم میں حصہ دار ہیں۔ خطرناک درندوں سے بچنے کے لیے انہیں پرستش کے ذریعہ خوش کیا گیا۔ مگر کچھ جانوروں کی مفید خدمات نے انہیں احترام دلایا۔

آنحضور ﷺ کو رحمۃٌ للعالمین کا عظیم خطاب دے کر بھیجا گیا اس ناتے آپؐ کی رحمت کا دائرہ ذی روح، اشرف المخلوقات سے بڑھ کر جانوروں کو بھی سمیٹے ہوئے ہے بلکہ بہت زیادہ وسعت پذیر ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی اُمّت کو انذار و تبشیر کے رنگ میں درس دیا کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا جس نے اس کو قید کر دیا تھا۔ نہ تو خود اس بلی کو کچھ کھانے پینے کو دیا اور نہ ہی اُسے آزادی دی کہ وہ زمین سے ہی کوئی چیز کھالیتی۔ اس سبب سے وہ عورت آگ میں ڈالی گئی۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص سفر پر جارہا تھا اس نے پیاس محسوس کی۔ کنواں دیکھ پانی پیا۔ دیکھا کہ پاس ہی ایک کتا پیاس کی شدت کے باعث گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ وہ آدمی دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھر کر باہر آیا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آئی اور اسے بخش دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں سے حسن سلوک کا بھی اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہر ذی روح اور جاندار چیز کے ساتھ نیکی اور احسان کا بدلہ ملتا ہے۔

آپ ﷺ نے جانور کو لعنت ملامت کرنے اور اسے گالیاں دینے سے روکا۔ پھر ایک دفعہ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ جانور کو بطور آرام کرسی نہ استعمال کرو۔ بعد سفر جانور کو بھی آرام و راحت کے لیے کھلا چھوڑ دیا کرو۔

دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح عرب بھی اپنے ملکیتی جانوروں پر نشان لگانے کے لیے ان کے جسم پر گرم لوہے سے داغ لگایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بعض جانوروں کے چہرے وغیرہ پر داغ کا نشان دیکھا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ان جانوروں کو آگ کی اذیت سے بچانا چاہیے اور ان کے منہ اور نرم گوشت والے حصوں پر گرم لوہے سے نشان نہیں لگانا چاہیے۔ دُم کے قریب پیٹھ کی ہڈی پر نشان لگانے سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جہاں شرف انسانیت کی خاطر کسی کے چہرے پر مارنے سے منع کیا وہاں جانوروں پر بھی رحم کرتے ہوئے اور ان کے چہرے کی عزت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ جانوروں کے چہرے پر نہ مارا کرو کیونکہ ہر چیز منہ سے تسبیح کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا اور ایک انصاری کے باغ میں لے گئے۔ وہاں پر ایک اونٹ نبی کریمؐ کو دیکھ کر بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہ نکلا۔ حضورؐ اس کے پاس آئے اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہوگیا۔ نبی کریمؐ نے پوچھا: یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان آگے بڑھا اور کہا کہ میرا اونٹ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اس جانور کے بارے میں تم اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتے جس کا خدا نے تجھے مالک بنایا ہے! اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے۔

دور حاضر میں ماہر حیاتیات John Ray (وفات ۱۷۰۵ء) نے بطور خاص بڑی جدوجہد اور دیگر سائنسدانوں کی برس ہابرس کی محنت و تحقیق کے بعد جانوروں میں آٹھ اقسام یعنی Eight Phylems کا سراغ لگایا تھا جبکہ بانی اسلام حضرت محمد ﷺ پر چودہ سو سال قبل نازل ہونے والے قرآن کریم کی سورۃ الزمر کی آیت 7 میں یوں بیان ہے: ’’وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ‘‘۔ (ترجمہ: اور اس نے تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے نازل کئے۔)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سفر کے دوران ایک جگہ رُکے تو ایک شخص چڑیا کے گھونسلے سے انڈے نکال لایا۔ وہ چڑیا آکر حضورؐ اور صحابہؓ کے سر پر منڈلانے لگی۔ آپؐ کی نظر اس ننھی چڑیا پر پڑی تو فرمایا کہ اس پرندے کو کس نے دُکھ دیا ہے؟ اس آدمی نے بتایا کہ مَیں نے اس کے انڈے اُٹھائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے انڈے واپس گھونسلے میں رکھ دو۔

آپؐ زمین پر رینگنے والی چیونٹیوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ ایک دفعہ چیونٹیوں کی بل کو آتشزدگی کا شکار دیکھ کر فرمایا: مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا ہرگز مناسب نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے بھی منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ وہ قریش کے کچھ نوجوانوں کے پاس سے گزرے، جو ایک پرندے کو باندھ کر اس کے نشانے لے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ آپؐ نے کہا کس نے پرندے کو باندھ کر نشانے بنانے کا سلسلہ شروع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو اس طرح جانداروں کو نشانہ بناتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شکاری پرندوں بلکہ چیونٹی، شہد کی مکھی اور ہدہد کو مارنے سے بھی روکا ہے۔ دراصل پیغام یہ دیا گیا ہے کہ بلامقصد کسی جانور کی جان لینا منع ہے نیز بعض پرندوں کا حسن ماحول میں خوبصورتی کا موجب ہوا کرتا ہے اور یہ بھی کہ ایسا کرنے سے قدرتی نظام میں خلل آنے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔

انہی اخلاق عالیہ کا اعادہ اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا جب ایک دفعہ آپؑ نے گھر میں کھڑکیاں دروازے بند کرکے پرندے پکڑنے والے برخوردار کو منع فرمایا۔ اور طوطا شکار کرکے لانے والے بچے کو یہ کہہ کر حسین نصیحت فرمائی کہ ہر پرندہ شکار کھیلنے اور بطور خوراک استعمال کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔

آنحضور ﷺ کو جانور کے جسم کے اعضاء پر کسی بھی قسم کی تکلیف گوارا نہ تھی حتّٰی کہ آپ کسی جانور کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹنے سے بھی بے چین ہوجایا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر (ذی روح) چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ جب تم کوئی جانور ذبح کرو تو احسان کا دامن نہ چھوڑو۔ اور ذبح کرنے میں احسان یہ ہے کہ چھری تیز کرلو اور ذبح ہونے والے جانور کو اس کے ذریعے آرام پہنچاؤ۔ (یعنی کند چھری کی وجہ سے جانور کی جان دیر سے نکلے گی اور اُسے تکلیف ہوگی۔)

عیسائی راہبہ پروفیسر کیرن آرمسٹرانگ نے نبی کریم ﷺ کی جانوروں سے محبت کے ذکر میں لکھا: مغرب میں صدیوں تک ہم محمدؐ کو ناپسندیدہ شخصیت خیال کرتے رہے ہیں۔ ایک ظالم جنگجو اور ایک بے رحم سیاستدان۔ لیکن آپؐ ایک عظیم ہمدرد اور دوسروں کا احساس رکھنے والے انسان تھے۔ آپؐ جانوروں سے بھی محبت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر آپؐ نے ایک بلی کو اپنے کپڑے پر سوئے ہوئے پایا تو اسے وہاں سے اُٹھانا پسند نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی معاشرے کا ایک امتحان جانوروں کے ساتھ لوگوں کا رویہ ہوتا ہے۔ تمام مذاہب محبت کے رویے کی حوصلہ افزائی کرتے اور عالم قدرت کی عزت کرتے ہیں۔ محمد ﷺ مسلمانوں کو یہی سبق دینا چاہتے تھے۔ جاہلیت میں عرب جانوروں سے بہت برا سلوک کرتے تھے۔ وہ زندہ جانوروں سے کھانے کے لیے گوشت کاٹ لینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ وہ اونٹوں کی گردنوں میں تکلیف دہ حلقے ڈال دیتے تھے۔ محمد ﷺ نے جانوروں کو داغنے کے ظالمانہ طریق اور جانوروں کی لڑائیوں سے روک دیا۔

بعض مسلمان محققین نے جانوروں کے حوالے سے گرانقدر تحقیق کی توفیق پائی ہے۔ مثلاً عباسی دَور میں بصرہ (عراق) میں جنم لینے والے مسلم نابغہ الجاحظؒ (ولادت ۷۷۶ء وفات ۸۶۹ء) نے بعد تحقیقات و مشاہدات ’’کتاب الحیوان‘‘

روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ ۱۰؍مارچ ۲۰۱۴ء میں مکرم مولانا ظفر محمد ظفر صاحب کا طویل نعتیہ کلام شامل اشاعت ہے جس میں اُس ایمان افروز دعوے کی تکرار ہے جب غزوۂ حنین کے موقع پر کفّار کے تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کی سواریاں بھاگ اُٹھیں اور آنحضور ﷺ بجز چند صحابہؓ کے میدان میں تنہا رہ گئے۔ حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا: مجھے مت روکو۔ اَنَاالنَّبِیُّ لَاکَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔

اس خوبصورت نعت میں سے انتخاب ہدیۂ قارئین ہے:

یا حبیبَ اللہ ، اللہ کے محبّ
جانتا تھا مسمریزم تُو نہ طبّ
صدیوں کے بیمار اچھے کر دیے
تُو ہے عیسیٰ یا ابن عبدالمطّلب
لَاکَذِبْ اَنْتَ النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

موسوی اعجاز اِنشقّ الحجر
آپؐ کا اعجاز و انشقّ القمر
دونوں میں ہے قدرتِ حق جلوہ گر
تُو ہے موسیٰ یا ابن عبدالمطّلب
لَاکَذِبْ اَنْتَ النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

کعبۃُاللہ میں جو رکھے تھے صنم
جن کے آگے گردنیں تھیں سب کی خَم
کر دیے اُن سب کے تُو نے سر قَلم
تُو ہے ابراہیم یا ابن عبدالمطّلب
لَاکَذِبْ اَنْتَ النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

تُو ہے سرّ ابتدائے زندگی
تیری ہستی منتہائے زندگی
تجھ سے وابستہ بقائے زندگی
تُو ہے آدمؑ یا ابن عبدالمطّلب
لَاکَذِبْ اَنْتَ النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

الغرض جتنے ہوئے پیغامبر
تھے وہ جن جن خوبیوں سے بہرہ وَر
تُو ہے جامع سب کا قصّہ مختصر
یا محمدؐ یا ابن عبدالمطّلب
لَاکَذِبْ اَنْتَ النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

تحریر کی۔اس مسلم سکالر نے Food Chain کا نظریہ درج کیا، نیز Animal Evolution and Natural Selection نیز Environmental determinism کے موضوعات پر بحث کی ہوئی ہے۔ الغرض یہ سات جلدوں پر مشتمل کتاب جانوروں کی ۳۵۰؍اقسام کے متعلق تحقیقات، نظم ونثر اور محاورات سے بھرپور ہے جسے انسائیکلو پیڈیا کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اہل مصر میں سے علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری (ولادت: ۱۳۴۴ء۔ وفات ۱۴۰۵ء) نے ’’کتاب الحیوان الکبریٰ‘‘ تصنیف فرمائی جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ۹۳۱ حیوانات کا ذکر کیا جن کے اسماء مصنف کو قرآن کریم، احادیث اور اہل عرب کی شاعری و محاورات میں میسر آئے۔ اس کتاب میں پانچ سو ادباء اور دو سو شعراء کے کلام سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ہر مذکور جانور کے نام کے درست ہجے، تلفظ اور معانی کا بیان ہے۔ الغرض جانوروں کے متعلق علوم اور مشاہدات سے پُر یہ کتاب متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور اہل اسلام کے جانوروں پر شفقت و احسانات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس زمانہ کے حَکَم وعَدَل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے جب ایک احمدی سائنسدان Dr Clement Lindley Wragge نے ۱۸؍مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں حاضر ہوکر حیوانات کے متعلق علمی دنیا میں گردش کرنے والے متفرق سوالات پیش کیے۔سوالات یہ تھے:

☆…جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔تو کیا وجہ کہ نظام دنیا میں اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھاجائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں؟

☆…خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے؟

☆… کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟

☆… تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں؟

ان سوالات کے پُرمعارف جواب ’’ملفوظات جلد پنجم‘‘ (پانچ جلدوں والے ایڈیشن) میں پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

………☆………☆………☆………

حضرت کعب بن زہیرؓ اور قصیدہ بردہ

دربارِ نبوی ﷺ کے شاعر حضرت کعب بن زہیرؓ کے بارے میں ایک مضمون لجنہ اماءاللہ جرمنی کے رسالہ ’’خدیجہ‘‘ (جلد ۲۰۱۴ء) میں محترم صوفی محمد اسحٰق صاحب کی کتاب ’’عربی ادب کے شہ پارے‘‘ سے منقول ہے۔

حضرت کعبؓ کے والد بھی شاعر تھے اور بھائی بھی بلکہ یہ کہنا بعید از حقیقت نہ ہوگا کہ یہ سارا گھرانہ ہی شاعروں کا تھا۔ چنانچہ اُن کا ذکر بھی کتب سیئر و تواریخ میں موجود ہے۔کعبؓ کے والد زمانہ جاہلیت ہی میں فوت ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے بیٹے بجیر کو بتلادیا تھا کہ نبی آخرالزماں کی بعثت کا زمانہ قریب ہے لیکن پھر بھی یہ دونوں بھائی آنحضرت ﷺ کے قیامِ مکہ کے دوران اور بعد میں بھی مسلمان نہ ہوئے بلکہ جب فتحِ مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکومت کے باغیوں بالخصوص باغی شعراء کے قتل کا اعلان کردیا تو پھر ان دونوں کو فکر لاحق ہوئی اور یہ روپوش ہوگئے۔

آخر ایک دن دونوں نے باہم مشورہ کیا اور بجیر نے اپنے بھائی کعبؓ سے کہا کہ تُو ذرا ٹھہر میں اس آدمی کا (یعنی آنحضرت ﷺ) کا پتہ کرکے آتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کس وجہ سے لوگ اُس کے گرویدہ ہورہے ہیں۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ کا کلام سنتے ہی مسلمان ہوگیا اور پھر کعب کو لکھا کہ آپؐ کی دعوت سچی ہے اور میں ایمان لے آیا ہوں، تُو بھی آکر اسلام قبول کرلے اور خط میں شعر بھی لکھے جن کا ترجمہ یہ تھا: ’’… کون میری طرف سے کعبؓ کو یہ پیغام پہنچائے گا کہ کیا تُو کلمہ شہادت (جس پر تو مجھے ملامت کرتا ہے) پڑھنا چاہتا ہے یا نہیں؟ عقل مندی اسے قبول کرنے میں ہے اگر تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت ہے تو تُولات وعزیٰ کو چھوڑ کر صرف خدائے واحد کی طرف لَوٹ آ۔ ہمارے باپ ابوسلمیٰ (زہیر کی کنیت) کا دین بالکل لایعنی چیز ہے اس لیے اب وہ مجھ پر حرام ہے۔‘‘

ان اشعار کے ساتھ بجیر نے کعب کو لکھا کہ تمہارا خون بھی مباح قرار دیا جاچکا ہے اس لیے تم جلد یہاں آکر توبہ کرلو کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی توبہ کرنے والے کی توبہ ردّ نہیں کرتے بلکہ اسے معاف کردیتے ہیں اور اگر تمہیں یہ صورت حال منظور نہ ہو تو پھر اپنے بچاؤ کی کوئی اَور صورت کرلو۔ بجیر کی تحریر دیکھتے ہی کعب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور زمین باوجود اپنی فراخی کے اُسے تنگ نظر آنے لگی۔ اُس نے بہت سوچا لیکن سوائے اسلام قبول کرنے کے اُسے بچاؤ کی کوئی اَور صورت نظر نہ آئی۔ اس لیے وہ ناچار مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑا۔ مدینہ پہنچ کر کعب جہینہ قبیلہ کے ایک فرد کے ہاں قیام پذیر ہوا اور اُسے اپنی کہانی سنائی۔ وہ شخص دوسرے دن صبح کی نماز میں کعب کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اس جہینی نے کعب سے کہا ’’آگے بڑھ کر رسول مقبولؐ سے امان طلب کرو‘‘ کعبؓ فوراً حضور ﷺ کے روبرو جابیٹھے اور اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے دست مبارک پر رکھ کر عرض کی کہ ’’یارسول اللہ ﷺ! کعب بن زہیر آپؐ کی خدمت میں امان مانگنے آیا ہے اگر مَیں اُس کو لے آؤں تو حضورؐ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے؟ آنحضرت ﷺ تو مجسم عفو و رحمت تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر کعب کہنے لگا: یارسول اللہ! مَیں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

پھر کعب نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جو اُس نے اپنی معافی سے قبل ہی تیار کر رکھا تھا اور جو اسلامی اور عربی ادب (دونوں) کی تاریخ میں آج بھی محفوظ ہے اس کے چند اشعار کا ترجمہ یوں ہے: مجھے بتادیا گیا کہ رسولؐ خدا نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ رسول خدا سے توعفو کی امید کی جاتی ہے اور مَیں رسولِ خدا کے پاس عذرخواہ ہوکر آیا ہوں اور رسولِ خدا کی شان یہ ہے کہ وہ عذر قبول فرماتے ہیں۔ مجھے مہلت عطا ہو کہ مَیں اپنا حال بیان کروں۔ وہ خدا جس نے اَور علوم کے علاوہ آپؐ کو قرآن کریم جیسا عطیہ دیا ہے جو وعظ و نصیحت سے معمور ہے وہ میری عفو کے لیے راہنمائی کرے۔ چغل خوروں اور غمازوں کی باتوں پر اعتبار کرکے مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمائیے کیونکہ انہوں نے بےحقیقت باتیں کی ہیں۔ میں ان گناہوں کا ہرگز مرتکب نہیں ہوا جو وہ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔

جب کعب اپنا قصیدہ سناتے سناتے اس شعر پر پہنچا کہ

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ الْھِنْدِ مَسْلُوْلَ

یعنی رسول خدا ایک ایسی چمکتی تلوار ہیں کہ جس سے راہِ حق کے لیے روشنی طلب کی جاتی ہے اور ایک عمدہ برہنہ شمشیر ہندی ہیں۔

تو آنحضرت ﷺ نے بطور ’صلہ‘ کعب کی طرف اپنی ردائے مبارک پھینکتے ہوئے اس شعر کی اصلاح یوں فرمائی کہ ’’سُیُوْفِ الْھِنْدِ مَسْلُوْلَ‘‘ مسلول کی بجائے ’’سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلَ‘‘ کہو۔ چنانچہ مطبوعہ قصائد میں یہ شعر اسی طرح مرقوم چلا آرہا ہے۔

کعب کو جو ردائے مبارک آنحضرتؐ نے عطا فرمائی تھی اس چادر کے باعث ہی اس قصیدہ کا نام ’’قصیدۃ البردَۃِ‘‘ مشہور ہوگیا یعنی ’’قصیدہ چادر‘‘۔ یہ چادر تاعمر اس کے پاس رہی۔ امیر معاویہ نے کعب سے دس ہزار درہم کے عوض یہ چادر خریدنا چاہی مگر کعب نے کہا کہ مَیں اپنی زندگی میں کسی کو اس چادر کے لیے اپنے آپ پر ترجیح نہیں دوں گا۔

کعب کی موت کے بعد امیر معاویہ نے اس چادر کو اس کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا جسے خلفائے بنی امیہ یکے بعد دیگرے عیدین کے موقع پر اوڑھتے رہے۔ بعد ازاں یہ چادر بنوعباس کے قبضے میں آئی اور اُس کے بعد سلاطین آل عثمانؒ کے توشہ خانے میں پہنچی اور اغلباً اب یہ ترکی میں موجود ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ تاتاریوں کے حملے کے وقت ضائع ہوگئی تھی۔

بعض لوگ ناواقفیت کے باعث ’’بوصیری‘‘ کے قصیدہ کو ’’قصیدہ بردہ‘‘ کا نام دیتے ہیں لیکن اس کا نام ’’قصیدۃ البرأۃ‘‘ ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بوصیری کو فالج ہوگیا تھا اور اطباء وحکماء اُس کا علاج کرنے میں ناکام رہے تھے اس پر علامہ موصوف نے اپنا یہ مشہور قصیدہ لکھا جس کے بارے میں ادباء و محققین کی متفقہ رائے ہے کہ کعب کے قصیدہ کے بعد بوصیری کا قصیدہ آنحضرت ﷺ کی بہترین مدح ہے۔ جب بوصیری نے آنحضرتؐ کے عشق میں ڈوب کر علیل ہونے کے باوجود یہ قصیدہ کہا تو خواب میں انہیں آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔حضورؐ نے خوش ہوکر آپ کے جسم پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ پھر جب بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو کاملاً صحت یاب پایا جس پر انہوں نے اپنے اس قصیدے کا نام ’’قصیدۃ البرأۃ‘‘ یعنی ’’قصیدہ شفاء‘‘ رکھ دیا اور بعض لوگوں نے اس پس منظر سے ناآگہی کے باعث ’ء‘ کو ’د‘ سمجھ کر اسے ہی قصیدہ بردہ سمجھ لیا۔

فن شعر کے اعتبار سے کعبؓ کا مقام بہت بلند ہے لیکن آپ کے اشعار میں غیرمعروف الفاظ اور پیچیدہ تراکیب بہت آتی ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ یقیناً اپنے والد زہیر کے ہم پلّہ سمجھے جاتے لیکن کعب کے لیے یہ فخر کیا کم ہے کہ حطیہ جیسے مشہور معروف شاعر نے ان سے یہ درخواست کی کہ اپنے شعروں میں اس کا ذکر کریں۔ جسے کعب نے قبول کرلیا اور پھر کئی اشعار میں ذکر کیا۔

حضرت کعبؓ نے ۹ہجری میں اسلام قبول کیا اور امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

………☆………☆………☆………

رسول اللہ ﷺ کا عظیم حوصلہ

آنحضور ﷺ نے جب دعویٰ نبوت فرمایا تو آپؐ کو کذاب، جادوگر، دیوانہ اور نہ جانے کیا کیا نام دیا گیا اور مخالفت میں شدید جسمانی اذیتیں دینے کا لامتناہی سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ لیکن ایسے میں بھی آپؐ اپنے مولا سے یہی عرض کرتے: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ یہ سب کچھ لاعلمی میں کررہے ہیں۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ کے عظیم الشان حوصلے اور فقید المثال قوّت برداشت کی چند جھلکیاں روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ ۱۰؍جنوری ۲۰۱۴ء میں مکرم عبدالقدیر قمر صاحب کے قلم سے شامل اشاعت ہیں۔

آنحضور ﷺ اپنے مقام سے آشنا ہونے کے باوجود غیرقوموں کی دلداری کا خاص خیال رکھتے۔ چنانچہ جب کسی شخص نے آپؐ کو خَیْرُالْبَرِیَّۃ (مخلوق میں سے بہترین وجود) کہا تو آپؐ نے فوراً فرمایا: ذَاکَ اِبْرَاھِیْم (وہ تو ابراہیمؑ تھے)۔ اسی طرح ایک مسلمان نے کسی یہودی کو اُس وقت تھپڑ مار دیا جب اُس نے خرید وفروخت کے دوران یوں قسم کھائی کہ وہ جس نے موسیٰؑ کو سب انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ یہودی نے آنحضور ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے واقعہ معلوم ہونے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ’’اللہ کے انبیاء کے مابین فضیلتوں کی بات نہ کیا کرو‘‘۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا: ’’مجھے موسیٰؑ پر فضیلت مت دو۔‘‘ (مسلم)

ایک موقع پر آپؐ نے مسلمانوں کو یہ کہنے سے منع فرمایا کہ آنحضرت ﷺ حضرت یونسؑ سے افضل ہیں۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنی اہانت یا اذیّت کا بدلہ نہیں لیا بلکہ اپنا معاملہ ہمیشہ خدا پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ ایک بار جب آپؐ خانہ کعبہ کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل

جماعت احمدیہ امریکہ کے ماہنامہ ’’النور‘‘ دسمبر ۲۰۱۴ء میں مکرمہ امۃالباری ناصر صاحبہ کی ایک نظم شائع ہوئی ہے جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے نعتیہ کلام سے متأثر ہوکر کہی گئی ہے۔

نور سیرت کی چمک تابندگی کیا بات ہے
حُسنِ صورت کی دمک اور روشنی کیا بات ہے
وہ شہِ کَون و مکاںؐ اور بوریے کا تخت و تاج
عجز کہتے ہیں کسے اور سادگی کیا بات ہے
حضرت اقدسؑ کی نعتیں پڑھ کے یہ کھلنے لگا
عشق کہتے ہیں کسے اور عاشقی کیا بات ہے
وہ سراپا نُور ہے نظروں میں ہم کو علم ہے
چاند کہتے ہیں کسے اور چاندنی کیا بات ہے
نیم شب کی گریہ و زاری سکھاتی ہے ہمیں
عبد کہتے ہیں کسے اور بندگی کیا بات ہے
دل میں ہے شوقِ شہادت کاش وہ چُن لے مجھے
کام آئے دین کے یہ زندگی کیا بات ہے

نے کسی سے ایک ذبح شدہ اونٹنی کی اوجھڑی منگوائی اور اُس وقت آپؐ کی پشت پر رکھوادی جب آپؐ سجدہ کی حالت میں تھے۔ جب آپؐ اُس کے بوجھ تلے سر نہ اٹھا سکے تو بد بخت قہقہے لگانے اور ٹھٹھہ اڑانے لگے۔ ایسے میں حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی تو وہ آئیں اور آپؐ کی پشت سے اس اوجھڑی کو اُتارا۔ آپؐ نے نماز ختم کرکے صرف اپنے ربّ سے یہ عرض کیا کہ اے اللہ! ان قریش سے تُو ہی نپٹ سکتا ہے۔ اے اللہ! تُو ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور ولید اور امیہ اور عقبہ بن ابی معیط پر گرفت کر اور ان کا مواخذہ کر۔ چنانچہ یہ سب غزوہ بدر میں قتل ہوکر ایک کنوئیں میں ڈال دیے گئے۔ (بخاری)

آنحضور ﷺ کی بد دعا کے نتیجے میں جب اہل مکہ کو شدید قحط نے جکڑ لیا اور وہ چمڑا، ہڈیاں وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے تو ایسے میں اپنے دکھوں کا مداوا، اُنہیں آپؐ کی ذات میں نظر آیا۔ چنانچہ ابوسفیان نے خدمتِ رسالتؐ میں حاضر ہوکر باران رحمت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ تب آپؐ نے دعا کی تو سات دن مسلسل بارش ہوتی رہی اور اہل مکہ کی خشک سالی ختم ہوگئی۔

ایک غزوے سے واپسی پر دوپہر کے وقت جب سارا لشکر درختوں کے سائے تلے آرام کر رہا تھا تو اچانک صحابہؓ نے آنحضور ﷺ کی آواز سنی تو وہ تیزی سے اُدھر لپکے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدوی آپؐ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مَیں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور اس نے میری تلوار درخت سے اتاری اور میرے پر سونت لی اور مجھے کہنے لگا کہ تمہیں اب میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ مَیں نے اللہ کا نام لیا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ پھر مَیں نے تلوار پکڑ کر پوچھا کہ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپؐ ہی مہربانی فرمائیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے اور مَیں اللہ کا رسول ہوں۔ اُس نے کہا: نہیں۔ لیکن مَیں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ آپؐ کے خلاف لڑائی میں حصہ نہ لوں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ آپؐ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زیدؓ بیٹھے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سرِ راہ ایک مجلس کے پاس سے ہمارا گزر ہوا جس میں عبداللہ بن سلول بھی تھا جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی اس مجلس میں تھے۔ جب گدھے کی گرد اُڑی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک اپنی چادر سے ڈھانپ کر کہا: ہم پر گرد نہ اُڑاؤ۔ ... نبی کریم ﷺ سواری سے نیچے اُترے۔ السلام علیکم کہا اور انہیں اللہ کی طرف بلایا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے شخص! تم بڑی اچھی باتیں کرتے ہو لیکن ہماری مجالس میں آکر ہمیں تکلیف کیوں دیتے ہو، اپنے ٹھکانے پر واپس جاؤ اور جو تمہارے پاس آئے اُسے تبلیغ کرو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ضرور ہماری مجالس میں تشریف لاکر ہمیں یہ باتیں سنایا کریں کیونکہ ہمیں یہ باتیں سننا اچھا لگتا ہے۔ اس پر مسلمان، یہودی اور مشرک باہم جھگڑنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے بار بار منع کرنے پر وہ رُک گئے تو آپؐ اپنی سواری پر روانہ ہوگئے۔

عبداللہ بن ابی نے ہر نازک موقع پر انتشار پیدا کرنا چاہا اور آنحضور ﷺ کی ذات کو بھی نشانہ بنانے سے باز نہیں رہا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوے میں مہاجرین میں سے ایک آدمی نے انصار میں سے کسی کی کمر پر ہاتھ مارا تو اُس انصاری نے انصار کو اپنی مدد کے لیے پکارا۔ مہاجر نے بھی مہاجرین کو آواز دی۔ آنحضور ﷺ نے یہ آوازیں سنیں تو پوچھا کہ یہ جاہلیت کی طرح کیوں پکارا جارہا ہے؟ جب وجہ بتائی گئی تو آپؐ کے سمجھانے پر بات ختم ہوگئی۔ لیکن عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ ہمیں مدینہ واپس جا لینے دو تو وہاں کا معزز ترین شخص وہاں کے بدترین شخص کو نکال باہر کرے گا۔ یہ سن کر ایک صحابیؓ نے آنحضور ﷺ سے عبداللہ بن ابی کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: مَیں لوگوں کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ کہیں کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔

ان زیادتیوں کے باوجود جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا تو اُس کے بیٹے کی درخواست پر آنحضور ﷺ نے نہ صرف اُس کا جنازہ پڑھایا بلکہ کفن کے لیے اپنا قمیض بھی عطا فرمایا۔

ایک بار کچھ یہود نے آپؐ کو کہا: اَلسَّامُ عَلَیْكَ یعنی تجھ پر ہلاکت ہو۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات سنی تو فرمایا: تم پر لعنت ہو، تم پر ہلاکت ہو۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی پسند فرماتا ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ آپؐ نے اُن کی بات نہیں سنی؟ فرمایا: مَیں نے انہیں عَلَیْکُمْ کہا ہے یعنی جو تم کہہ رہے ہو وہ تم پر ہو۔

ایک بار آپؐ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپؐ کھڑے ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: کیا یہودی انسان نہیں ہیں!

ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپؐ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اُسے فرمایا کہ اسلام قبول کرلے۔ اُس نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ والد نے کہا: ابوالقاسم کی بات مان لو۔ چنانچہ اُس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا۔ جب آنحضور ﷺ اُس کے پاس سے اُٹھے تو فرمایا: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا ہے۔

ایک دن ایک دیہاتی نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ مَیں نے فلاں قبیلے کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر غیرمعمولی فضل نازل کرے گا۔ وہ مسلمان تو ہوگئے لیکن ابتلا یہ آیا کہ بارشیں نہ ہونے سے قحط ہونے لگا ہے۔ مجھے اُن کے ارتداد کا ڈر ہے۔ آپؐ اُن کی دلداری کے لیے کچھ مدد فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے جو مَیں اُن کی طرف بھجواؤں۔ ایک مالدار یہودی زید بن سعنہ یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھ سے کھجوریں لے کر اُنہیں بھجوادیں اور اتنی مدت میں مجھے کھجوریں واپس کردیں۔ چنانچہ آپؐ نے معاہدہ کرلیا۔ لیکن ابھی مقررہ مدّت میں دو تین دن باقی تھے کہ زید نے آکر بڑے غصّے سے کہا کہ اے محمد! میرا حق مجھے کیوں نہیں دیتے؟ خدا کی قسم! تم بنوعبدالمطلب قرض کی ادائیگی کے معاملے میں بہت بُرے ہو اور تمہاری اس عادت کو مَیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ اُس کی گستاخانہ گفتگو کو برداشت نہ کرسکے اور سخت جواب دیا۔ اس پر آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو روکا اور فرمایا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو مجھے حُسنِ ادائیگی کے لیے کہو اور اُسے حُسنِ تقاضا کے لیے۔ اب اسے لے جاؤ اور بیس صاع کھجوریں اس کے حق سے زیادہ دے دو۔ جب حضرت عمرؓ نے اُس کو زاید کھجوریں دیں تو اُس نے پوچھا: یہ کس لیے؟ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ جو سختی مَیں نے کی تھی اُس کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دی ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ دراصل مَیں یہود کا عالم ہوں۔ جتنی بھی علاماتِ نبوت تھیں اُن کا مَیں آپؐ کی ذات میں مشاہدہ کرچکا تھا۔ صرف یہ علامت رہتی تھی کہ اس نبیؐ کا حلم اس کے غصے پر غالب رہے گا۔ اس کی آزمائش مَیں نے آج کرلی ہے۔ عمر! گواہ رہنا مَیں مسلمان ہوتا ہوں۔ پھر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر زید بن سعنہ نے اسلام قبول کرلیا۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ ایسا بغض آنحضور ﷺ کی ذات سے رکھتا تھا کہ فتح کے بعد مکہ چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس کے مظالم کی وجہ سے اُس کے قتل کرنے کا حکم جاری ہوچکا تھا کہ اُس کی بیوی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اُس کی معافی کے لیے یوں درخواست گزار ہوئی کہ کیا یہ بہتر ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک میں ذلیل ہوکر رہے یا یہ بہتر ہے کہ آپؐ کے ملک میں آپؐ کی رعایا بن رہے اور آپؐ کا عفو اُس کے سر کو نیچا رکھے۔ آپؐ کو یہ بات پسند آئی اور آپؐ نے عکرمہ کو معاف کردیا۔ چنانچہ عکرمہ کی بیوی اُس کی تلاش میں نکلی اور اُسے حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھتے ہوئے پایا۔ بیوی نے اُسے ساری بات بتائی تو عکرمہ نے حیرت کا اظہار کیا کہ اُس کے مظالم کیسے معاف کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن پھر بیوی کے ساتھ آنحضور ﷺ کے حضور چلا آیا اور عرض کیا کہ کیا آپؐ نے مجھے معاف فرمادیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہم نے تمہیں سچے دل سے معاف کردیا ہے۔ اُس نے عرض کی: کیا مَیں کافر ہونے کی حالت میں مکہ میں رہ سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ اس پر اُس نے کلمہ پڑھ لیا اور بعد میں حضرت عمرؓ کے دَور میں میدان جہاد میں شہادت پائی۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک بدوی نے آنحضور ﷺ کی چادر کو اس زور سے کھینچا کہ آپؐ کی گردن پر نشان پڑ گئے۔ پھر وہ بولا کہ اے محمد! اللہ کے مال میں سے میرے دو اونٹوں پر لاد دو کیونکہ آپ اپنے یا اپنے والد کے مال میں سے مجھے کچھ نہیں دیں گے۔ پہلے تو نبی کریم ﷺ خاموش رہے اور پھر فرمایا: مال تو اللہ ہی کا ہے مگر مَیں اُس کا بندہ ہوں۔ جو تکلیف تم نے پہنچائی ہے اس کا بدلہ تم سے لیا جائے گا۔ وہ بولا: نہیں، کیونکہ آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے۔ اس پر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے ایک اونٹ پر جَو اور دوسرے پر کھجور لاد دو۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”مَیں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہوچکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اِس لیے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اُس کی مرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۸)

☆ ☆ ☆

آنحضور ﷺ کا مصائب میں صبر

صبر و استقامت کے حوالے آنحضور ﷺ کی سیرت روزنامہ ”الفضل“ ربوہ ۲۴؍جنوری ۲۰۱۴ء میں مکرم نصیر احمد شریف صاحب کے قلم سے پیش کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے بچے کی قبر پر رو رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ وہ آپؐ کو پہچانتی نہ تھی اس لیے کہنے لگی کہ آپ کو میری مصیبت کی کیا پرواہ۔ حضورؐ جب چلے گئے تو اُس عورت کو بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے (جن کے کئی بچے وفات پاچکے ہیں)۔ اس پر وہ پریشانی میں آپؐ کے پاس پہنچی اور عرض کیا کہ آپؐ کو پہچان نہ پائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ صبر تو وہی ہے جو صدمے کی ابتداء میں ہو۔

فقر و فاقہ بہت بڑا ابتلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فقر و فاقہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو اُس کا فقر و فاقہ دُور نہ ہوگا اور جس نے اسے اللہ تعالیٰ کے آگے ہی بیان کیا تو جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ اُسے رزق عطا فرمادے گا۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خدا کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کسی اَور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور مجھے خدا کی راہ میں اتنی اذیتیں دی گئیں کہ کسی اَور کو اتنی نہیں دی گئیں۔ مجھ پر تیس راتیں اور تیس دن اس طرح گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے اتنا کھانا نہیں تھا جسے کوئی جاندار کھائے سوائے اس تھوڑی سی شے کے جسے بلال کی بغل چھپا لیتی تھی۔

آنحضور ﷺ نے جسمانی بیماری کو خطائیں معاف ہوجانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپؐ کے سامنے ایک بار کسی نے بخار کو گالی دی تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے گالی نہ دو، بے شک یہ گناہوں کو اس طرح صاف کردیتا ہے جیسے آگ لوہے کی

ماہنامہ ”احمدیہ گزٹ کینیڈا“ جنوری ۲۰۱۴ء میں مکرم مولانا مرزا محمد افضل صاحب کا نعتیہ کلام شامل اشاعت ہے۔ اس نعت میں سے انتخاب پیش ہے:

اُترا ہے تیری ذات میں نوروں کا انقلاب
ہر دَور کے لیے تیری ہستی ہے آفتاب
لکھی گئی حرا میں جو اُلفت کی داستان
سارے جہاں میں اس کا نہیں کوئی بھی جواب
کمزوروں ، بےنواؤں کو آواز مل گئی
بنجر دلوں میں کھِلنے لگے پھر نئے گلاب
سب کو خدا سے منسلک کرنے کے واسطے
محبوبِ کائناتؐ کو دے دی نئی کتاب
مُردوں کو زندگی کے قرینے سکھا دیے
لمحوں میں دُور ہونے لگے جو بھی تھے حجاب
مجھ پہ رسول پاکؐ کا سایہ رہے مدام
مجھ سے بھی روزِ حشر نہ ہو کوئی بھی حساب

میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے۔

آنحضور ﷺ طبعاً بہت صابر و شاکر تھے۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی تھیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کی آخری بیماری میں آپؐ کی تکلیف سے زیادہ کسی کی تکلیف نہیں دیکھی۔

رسول کریم ﷺ کی آخری بیماری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خدمتِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو ہاتھ لگا کر عرض کیا کہ آپؐ کو تو بخار ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ مجھ اکیلے کو تمہارے دو آدمیوں کے برابر سخت بخار کی تکلیف ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ پھر آپؐ کو اجر بھی دُہرا ملے گا؟ فرمایا: ہاں۔ پھر فرمانے لگے کہ ایک مسلمان کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی خطائیں اس طرح معاف کر دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے اپنے گیارہ بچوں کی وفات کا صدمہ یوں برداشت کیا کہ خود کفن دفن میں شامل ہوئے، آنکھیں نم تھیں لیکن کوئی شکوہ شکایت زباں پر نہیں تھی۔ایک بیٹے کی پیدائش پر آپؐ نے اسے اپنے باپ ابراہیم کا نام دیا۔یہ بچہ پرورش کے لیے ایک لوہار ابوسیف کی بیوی کے سپرد کیا۔آپؐ کبھی کبھی اُس کے ہاں جاتے اور بچے کو منگوا کر گلے لگاتے، پیار کرتے اور دعائیں دیتے۔جب ابراہیم پر جان کندنی کی حالت طاری ہوئی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔آپؐ نے فرمایا: آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل غمگین ہے مگر ہم وہی کہیں گے کہ جس پر ہمارا ربّ راضی ہے۔اے ابراہیم! ہم تیرے جانے کی وجہ سے غمگین ہیں۔

آنحضور ﷺ نے زندگی کے آغاز سے ہی اپنوں کی جدائی پر بےانتہا صبر کا نمونہ دکھایا۔والدہ کی وفات، دادا کی وفات، پرورش کرنے والے چچا کی وفات، عزیز بیوی خدیجہؓ کی جدائی۔حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کی نرینہ اولاد قاسمؓ، طاہرؓ اور طیبؓ کمسنی میں وفات پاگئے۔ایک روایت کے مطابق گیارہ بچوں کا صدمہ آپؐ نے برداشت کیا۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ کی دو بیٹیوں کے جنازوں میں شرکت کا موقع ملا۔آپؐ قبر کے پاس تشریف فرما تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

جب حضور ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ فوت ہوئیں تو عورتیں رونے لگیں۔تب آپؐ نے عورتوں کو نصیحت فرمائی کہ شیطانی آوازوں (یعنی چیخ و پکار) سے اجتناب کرو۔پھر فرمایا کہ بے شک ایسے صدمے میں آنکھ کا اشکبار ہوجانا اور دل کا غمگین ہونا تو اللہ کی طرف سے ہے جو دل کی نرمی اور طبعی محبت کا نتیجہ ہے۔لیکن ہاتھ اور زبان سے ماتم شیطانی فعل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی حضرت زینبؓ جب ہجرت کرکے مدینہ روانہ ہونے لگیں تو ایک بدبخت ھبار بن اسود نے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر آپؓ کے اونٹ پر نیزے سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں آپؓ کھڑے اونٹ سے گر گئیں اور شدید اندرونی چوٹ کی وجہ سے چند سال بیمار رہ کر وفات پاگئیں۔ اُن کی وفات پر آنحضور ﷺ نے افسردگی سے فرمایا: یہ میری سب سے اچھی بچی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: اہل اللہ کے دو ہی کام ہوتے ہیں۔جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں تو دعا کرتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضاء و قدر اس طرح پر ہے تو صبر کرتے ہیں۔

تبلیغ سے روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو ازحد اذیت دی گئی۔ہر حربہ اپنایا گیا۔حتّٰی کہ بیٹیوں کو طلاق تک دلوائی گئی۔چنانچہ ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے حضرت رقیہؓ اور حضرت امّ کلثومؓ کا نکاح بالترتیب ہو چکا تھا جنہیں اُن دونوں نے طلاق دے دی۔

تبلیغ کے جرم میں ایک بدبخت نے آنحضور ﷺ کے گلے کی چادر کو بل دے کر آپؐ کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔حضرت ابوبکرؓ نے آخر اُس کو پرے ہٹایا اور روتے ہوئے کہا کہ تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔اسی طرح خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے سجدے کی حالت میں آپ کے کندھوں پر ایک اونٹنی کی بچہ دانی ڈال دی گئی کہ آپؐ سر بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔حضرت فاطمہؓ نے آکر یہ گند ہٹایا تو آپؐ سر اٹھا سکے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ کیا آپؐ کو کبھی جنگ اُحد والے دن سے بھی زیادہ تکلیف پہنچی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ! تیری قوم کی طرف سے مجھے بڑی بڑی سخت گھڑیاں دیکھنی پڑی ہیں۔ پھر آپؐ نے طائف کے حالات سنائے جب طائف کے رئیس عبدیالیل کے کہنے پر وہاں کے آوارہ لڑکوں نے آنحضور ﷺ اور زید بن حارثہؓ کو پتھر مار مار کر شدید زخمی کر دیا گیا۔لیکن ایسے میں بھی آپؐ میں عفو اور رحم موجزن تھا۔فرمایا: اس سفر سے واپسی پر میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا ہے کہ ارشاد ہو تو مَیں پہلو کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر پیوست کرکے اس بستی کا خاتمہ کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، نہیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں میں خدائے واحد کی پرستش کرنے والے پیدا کردے گا۔

☆...☆...☆

''سوانح عمری حضرت محمد صاحب''

روزنامہ ''الفضل'' ربوہ ۲۲؍مئی ۲۰۱۴ء میں ایک منصف مزاج آریہ پرکاش دیوجی کی کتاب ''سوانح عمری حضرت محمد صاحب'' سے متعلق ایک مختصر مضمون مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔

مذکورہ کتاب کا تذکرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف ''چشمۂ معرفت'' میں کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس پُرآشوب زمانہ میں کہ ہر ایک فرقہ خواہ آریہ ہیں خواہ پادری صاحبان دیدہ دانستہ کئی طور کے افتراء کرکے ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی توہین اور اسلام کی تحقیر کو بڑا ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں۔ایسے وقت میں آریہ قوم میں سے ایسا منصف مزاج پیدا ہونا جو برہمو مذہب رکھتے ہیں نہایت عجیب بات ہے۔مؤلف کتاب نے اپنی دیانت داری اور انصاف پسندی اور حق گوئی اور بےتعصّبی کا عمدہ نمونہ دکھلایا ہے۔''

پرکاش دیوجی کی تحریر سے اخذ کردہ چند اقتباسات ذیل میں ہدیۂ قارئین ہیں:

☆... حضرت محمد صاحب بانیٔ مذہب اسلام منجملہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں جنہوں نے قانونِ قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانے میں پیدا ہو کر دنیا میں بہت کچھ صداقت کی روشنی کو پھیلایا اور لوگوں کو روحانی و دنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا ہے۔جس طرح ہندوستان کو شاکیہ منی گوتم عرف بدھ اور راجہ رام موہن رائے اور فارس کو زرتشت اور چین کو کنفیوشس اور یہودیہ کو حضرت عیسیٰ کے وجود پر فخر ہے ویسے ہی ریگستانِ عرب کے لیے محمد صاحب کا وجود اس کی عزت و عظمت کا باعث ہے بلکہ آنحضرت کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لیے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکرگزار ہونا مناسب ہے۔

☆... محمد صاحب سے پہلے دنیا میں بہت سے نبی گزر چکے تھے اور ان میں سے بعض جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے لیکن اُن کی رسالت اور آنحضرت کی رسالت میں یہ بڑا فرق تھا کہ وہ نبی صرف اپنے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔حضرت موسیٰ کی نبوت اور ان کی کُل زندگی بنی اسرائیل اور ان کے ہی معاملات میں صرف ہوئی۔حضرت مسیح بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ مَیں بنی اسرائیل کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو راستہ دکھانے آیا ہوں۔چنانچہ انہی کی ہدایت میں لگے رہے۔لیکن آنحضرت نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مَیں بنی اسماعیل کی ہدایت کے لیے آیا ہوں۔انہوں نے تمام دنیا کو اپنا بھائی جانا اور سب کو یکساں محبت اور دردمندی سے پیغامِ الٰہی سنایا۔بادشاہوں کے شان وشکوہ کا رعب بھی انہیں پیغامِ الٰہی کے پہنچانے سے مانع نہیں ہوتا تھا۔وہ جس آزادی سے ایک ادنیٰ غریب آدمی کو صداقت کی طرف بلاتے تھے اسی آزادی سے بےدھڑک عظیم الشان بادشاہوں اور شہنشاہوں کو پیغامِ حق بھیجتے تھے۔

☆... حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا واقعہ بھی تفصیل کے ساتھ کتاب میں بیان کیا گیا ہے جو ابوجہل اور دیگر مشرک سرداروں کی طرف سے ایک سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آکر گھر سے تلوار لےکر آنحضور ﷺ کے قتل کے لیے نکلے لیکن راستے میں کسی کے یہ بتانے پر کہ اُن کی بہن اور بہنوئی بھی ایمان لاچکے ہیں، اپنی بہن کے گھر پہنچے۔پہلے اُن کو دھمکایا لیکن اُن کے اصرار پر حضرت خبابؓ سے قرآن کریم سننے کی خواہش کی جنہوں نے سورۃ طٰہٰ کی چند آیات سنائیں۔(ان آیات کا ترجمہ مصنف نے تحریر کیا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ) عمر جنہیں ہم آئندہ حضرت عمر کہیں گے، یہ کلام سن کر بےخود ہوگئے اور اُن کو بےاختیار ہوکر کہنا پڑا کہ یہ انسانی کلام نہیں، یہ کچھ اَور چیز ہے۔پھر درخواست کی گئی کہ مجھے آنحضرتؐ کی خدمت میں لے چلو۔چنانچہ خباب کے ہمراہ ارقم کے گھر پہنچے جہاں مسلمان کفار کی طرف سے قتل کے انعام کا اعلان سُن کر خوف زدہ ہوئے بیٹھے تھے۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ دروازہ کھولیں لیکن آنحضرتؐ نے خود اُٹھ کر دروازہ کھولا۔شجاع عمر کی کیفیت یہ تھی کہ تلوار اُن کے گلے میں اس طرح پڑی تھی جس طرح بےہتھیار ہارے دشمن کی، آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔چاہا کہ قدموں پر گر پڑیں۔حضرت نے گلے سے لگالیا اور اس قدر جوشِ محبت سے بغلگیر ہوکر ملے اور اس محبت سے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا جس طرح کوئی مدتوں کے بچھڑے ہوئے سگے بھائی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔تمام مسلمانوں میں یہ خوشی کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔

☆...۱۱ہجری میں محمد صاحب کو معلوم ہوگیا کہ جس مطلب کے لیے خدا نے مجھ کو پیدا کیا تھا وہ ہوچکا۔اور یقین کرلیا کہ اب میری موت کے دن قریب ہیں۔تب انہوں نے ایک الوداعی حج کرنے کی ٹھانی اور قافلہ مکہ روانہ ہوا۔ آمنہ کا وہی یتیم بچہ جیسے دائی حلیمہ پرورش کے لیے لینے میں بھی تامل کرتی تھی وہی شخص جسے مکہ میں کوئی پناہ نہ دیتا تھا اور جسے بھاگتے وقت صرف دو جاں نثار رفیق ملے کہ ایک بستر پر لیٹا اور ایک نے اُن کے ساتھ جان جوکھوں میں ڈال کر پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لی۔کچھ خیال کرسکتے ہو کہ آج اس کے جھنڈے کے نیچے کتنے آدمی ہیں؟ آج اس کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار خدا پرست (تعداد بیان کرنے میں مصنف سے غلطی ہوئی ہے) میدانِ عرفات میں خدائے واحد کے حضور سر ننگے کھڑے، بن سلے کپڑے کفن کی طرح پہنے، امیری غریبی کا فرق دُور کیے، میدانِ حشر کو نمونہ بنائے کھڑے ہیں۔اللہ اکبر صداقت کی کامیابی! کیسا عالیشان نظارہ ہے!!

اس کے بعد مصنف نے خطبہ حجۃالوداع کے چند اقتباسات بھی بیان کیے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام برہمو صاحب کی بعض عبارتیں خلاصۃً بیان کرکے تحریر فرماتے ہیں:

''برہمو صاحب کی کتاب میں ایک دو جگہ خفیف غلطی پائی گئی ہے۔یہ بشریت ہے۔مگر یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ایک مسلمان کی طرح اُن کی تقریر ہوتی۔ایسی صورت میں شبہات پیدا ہوتے اور کچھ اثر نہ ہوتا۔''

آخر میں حضور علیہ السلام نے کتاب کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی رقم فرمایا:

''آپ کی کتاب ... کے دیکھنے سے آپ کی انصاف پسندی اور حُسنِ اخلاق اور خداترسی اور وسعتِ معلومات ثابت ہوتی ہے۔...درحقیقت دوسری قوموں میں اس طبیعت اور سلامت روش اور حق گوئی کی عادت کے لوگ بہت کم ہیں۔ مَیں آپ کی کتاب دیکھنے سے بہت خوش ہوا۔''

☆...☆...☆

جماعت احمدیہ امریکہ کے ماہنامہ ''النور'' اکتوبر و نومبر ۲۰۱۴ء میں مکرم طارق احمد مرزا صاحب کا نعتیہ کلام شامل اشاعت ہے۔اس نعت میں سے انتخاب پیش ہے:

وہ تشریف لائے عجب ہی سماں تھا
'زمیں پر سے اِک نُور تا آسماں تھا'
حریمِ تقدّس میں جوہرِ عالَم
حضورِ خدا آج رطب اللّساں تھا
تھے مسرور قدّوسیانِ فلک بھی
کہ دنیا پہ پھر سے خدا مہرباں تھا
وجودِ بشر میں ظہورِ خدائی
زمانے کو اپنی نظر پہ گماں تھا
وہ احسنِ تقویم ، معراجِ آدم
وہ باعثِ تخلیقِ کَون و مکاں تھا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ
وہ منجّی وہ محیی ، شہِ دو جہاں تھا
دکھا دی نگاہوں کو دیدار کی رہ
ہٹایا 'وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا'
یہ اعزاز بھی اُس کی امت نے پایا
غلامِ محمدؐ مسیح الزّماں تھا

Muslim Television Ahmadiyya - Weekly Programme Guide
20 July - 26 July 2026

Please note that programme and timings may change without prior notice. All times are given in Greenwich Mean Time.

For more information, please phone on +44 20 3875 6040

Monday 20 July 2026

00:00 World News & Tilawat & Dars-e-Tehreerat
00:45 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** An address delivered by Huzoor (aba) to Lajna, from Islamabad, Tilford, UK, on the occasion of Jalsa Salana Germany. Recorded on August 24, 2024.
01:25 Kya, Kyun, Kaise & Sakardu & Open Forum
02:20 **This Week With Huzoor (aba):** A programme featuring the highlights of the activities of Huzoor (aba) from the last week.
02:55 Inside Ahmadiyya & Villages Of Africa & Paradise's Pathway
04:55 **Address At Ansarullah Ijtema UK:** Concluding session of the Majlis Ansarullah UK Ijtema including an address delivered by Huzoor (aba). Recorded on September 29, 2024.
05:40 Hayat-e-Javidaan & Tilawat & Dars-e-Hadith
06:35 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 26, 2024 by Huzoor (aba)
07:15 Nazm & ReUSEful Resin Art & World News
08:20 Nabiyon Ke Qisse & Kudak
08:55 **Jamia Convocation Address:** Convocation Shahid of Jamia Ahmadiyya UK and various countries including an address delivered by Huzoor (aba). Recorded on May 2, 2026 in Haslemere, UK.
09:35 Waqt Tha Waqt-e-Masiha & Rah-e-Huda
11:00 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 26, 2024 by Huzoor (aba)
11:45 Tilawat & Dars-e-Hadith & Villages Of Africa & Nabiyon Ke Qisse
12:50 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad, Tilford, UK, on the occasion of Jalsa Salana Germany. Recorded on August 25, 2024.
13:40 Waqt Tha Waqt-e-Masiha & ReUSEful Resin Art
14:35 **Huzoor Ke Saath Nashist:** A class with Huzoor (aba) and students of Jamia Ahmadiyya Bangladesh. Recorded on February 13, 2021.
15:40 Kudak & InfoMate & Villages Of Africa & Ahmadiyyat 101
17:10 **Jamia Convocation Address:** Convocation Shahid of Jamia Ahmadiyya UK and various countries including an address delivered by Huzoor (aba). Recorded on May 2, 2026 in Haslemere, UK.
17:45 Nazm & World News & Tilawat
18:35 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 26, 2024 by Huzoor (aba)
19:20 Waqt Tha Waqt-e-Masiha & ReUSEful Resin Art & Intikhab-e-Sukhan
21:20 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad, Tilford, UK, on the occasion of Jalsa Salana Germany. Recorded on August 25, 2024.
22:10 Sawalnama
22:55 **Huzoor Ke Saath Nashist:** A class with Huzoor (aba) and students of Jamia Ahmadiyya Bangladesh. Recorded on February 13, 2021.

Tuesday 21 July 2026

00:00 World News & Tilawat & Dars-e-Hadith
00:50 Ahmadiyyat 101 & InfoMate
01:30 **Jamia Convocation Address:** Convocation Shahid of Jamia Ahmadiyya UK and various countries including an address delivered by Huzoor (aba). Recorded on May 2, 2026 in Haslemere, UK.
02:10 Science Online & Ahd-e-Rafta & Villages Of Africa
03:00 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 26, 2024 by Huzoor (aba)
03:45 Sawalnama & Mental Health And It's Causes
05:00 **Huzoor Ke Saath Nashist:** A class with Huzoor (aba) and students of Jamia Ahmadiyya Bangladesh. Recorded on February 13, 2021.
06:00 Tilawat & Dars-e-Malfoozat
06:30 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad in Tilford, UK on the occasion of Jalsa Salana Ghana. Recorded on February 24, 2024.
07:30 Sakardu & Braheen-e-Ahmadiyya & International Jama'at News
08:50 **Huzoor's Mulaqat With Students:** A mulaqat with Huzoor (aba) and Khuddam students of the Waqfe Nau scheme. Recorded on February 28, 2021.
09:40 Intikhab-e-Sukhan
10:45 **Huzoor's (aba) Address At Majlis-e-Shura:** An address delivered by Huzoor (aba) on the occasion of Majlis-e-Shura UK 2025. Recorded on May 24, 2025.
12:00 Tilawat & Dars-e-Malfoozat
12:25 Hayat-e-Javidaan & 30 Years Of MTA Bangladesh
13:00 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
13:55 Nazm & Braheen-e-Ahmadiyya & Sakardu
14:40 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad in Tilford, UK on the occasion of Jalsa Salana Ghana. Recorded on February 24, 2024.
15:40 Insight & Jalsa Salana Speeches
16:40 **Huzoor And Jalsa Salana:** A documentary narrated by the Private Secretary of Huzoor (aba), giving an account of Huzoor's activities during Jalsa Salana UK 2016.
17:10 **Huzoor's Mulaqat With Students:** A mulaqat with Huzoor (aba) and Khuddam students of the Waqfe Nau scheme. Recorded on February 28, 2021.
18:00 World News & Tilawat
18:30 **Huzoor's (aba) Address At Majlis-e-Shura:** An address delivered by Huzoor (aba) on the occasion of Majlis-e-Shura UK 2025. Recorded on May 24, 2025.
19:45 Hiqayat-e-Sidqo Wafa & Insight
20:30 **This Week With Huzoor (aba):** A programme featuring the highlights of the activities of Huzoor (aba) from the last week.
21:05 Hiqayat-e-Sidqo Wafa
21:30 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
22:25 Nazm & Hayat-e-Javidaan & Intikhab-e-Sukhan

Wednesday 22 July 2026

00:00 World News & Tilawat & Dars-e-Malfoozat & Hiqayat-e-Sidqo Wafa
01:10 **Rencontre Avec Les Francophones:** A studio sitting of French speaking friends with Hazrat Mirza Tahir Ahmad, Khalifatul-Masih IV (ra) in French and English.
02:15 Islamic Jurisprudence
02:50 **This Week With Huzoor (aba):** A programme featuring the highlights of the activities of Huzoor (aba) from the last week.
03:20 United In Advocacy & Hiqayat-e-Sidqo Wafa
05:05 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad in Tilford, UK on the occasion of Jalsa Salana Ghana. Recorded on February 24, 2024.
06:00 Tilawat & Dars-e-Tehreerat
06:30 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
07:25 Nazm & Destination Next & The Ghandus Lake Of Baltistan
08:00 World News & Open Forum
08:45 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad, Tilford, UK, on the occasion of Jalsa Salana Germany. Recorded on August 31, 2025.
09:50 Nabiyon Ke Qisse & Friday Sermon 4 Kids & Kudak & Tazkiratul Awliya
11:05 **Huzoor's (aba) Mulaqat With Khuddam:** A mulaqat with Huzoor (aba) and Khuddam students from London Region, UK. Recorded on September 4, 2021.
12:05 Tilawat & Dars-e-Tehreerat & Ashabi Kan-Nujoom
13:05 **National Waqifat-e-Nau Ijtema 2026:** An address delivered by Huzoor (aba) to Lajna and Nasirat, on the occasion of National Waqifat-e-Nau Ijtema UK. Recorded on April 25, 2026.
13:45 The Experts & Roots To Branches
14:35 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
15:30 Nazm & Ahmadiyyat 101 & Science Online & Kudak
16:20 Friday Sermon 4 Kids & Nabiyon Ke Qisse & Mahasin-e-Islam
16:55 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Huzoor (aba) from Islamabad, Tilford, UK, on the occasion of Jalsa Salana Germany. Recorded on August 31, 2025.
18:00 World News & Tilawat
18:40 **Huzoor's (aba) Mulaqat With Khuddam:** A mulaqat with Huzoor (aba) and Khuddam students from London Region, UK. Recorded on September 4, 2021.
19:40 Rah-e-Huda & Villages Of Africa
21:05 **National Waqifat-e-Nau Ijtema 2026:** An address delivered by Huzoor (aba) to Lajna and Nasirat, on the occasion of National Waqifat-e-Nau Ijtema UK. Recorded on April 25, 2026.
21:50 Inside Ahmadiyya
22:55 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
23:50 Nazm: 'Har Taraf Fikr Ko'. An Urdu poem written by the Promised Messiah (as), with the voice of Murshid Ahmad Dar.

Thursday 23 July 2026

00:00 World News & Tilawat & Dars-e-Tehreerat
00:45 Ashabi Kan-Nujoom & Ahmadiyyat 101
01:30 **This Week With Huzoor:** A programme featuring the highlights of the activities of Huzoor (aba) from the last week.
02:05 Roots To Branches & Open Forum & The Ghandus Lake Of Baltistan
03:10 **Huzoor's Mulaqat With Khuddam:** A mulaqat with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) and Khuddam students from London Region, UK. Recorded on September 4, 2021.
04:10 Tazkiratul Awliya & Villages Of Africa
04:45 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
05:40 MTA Explore & Ahmadiyyat 101 & Tilawat & Dars-e-Hadith
06:30 **Peace Symposium 2026:** An interfaith peace symposium sharing messages of peace with various communities including an address by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper). Recorded on May 16, 2026.
07:10 Tehrik-e-Jadid & Virtues Of Ahmad & Ahd-e-Rafta
08:00 World News & Paradise's Pathway
08:50 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
09:45 Nazm & InfoMate & Friday Sermon 4 Kids & Nazm
10:55 **Question And Answer Session:** Part 2 of a question and answer session with Hazrat Mirza Tahir Ahmad, Khalifatul-Masih IV (ra) and English speaking guests in USA. Recorded on October 23, 1994.
12:05 Tilawat & Dars-e-Hadith & ReUSEful
13:05 **Bustan-e-Waqf-e-Nau:** An educational class with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) and children of the Waqfe Nau scheme. Recorded on March 13, 2011.
14:10 Paradise's Pathway & Friday Sermon 4 Kids & Nazm
15:05 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) from Islamabad in Tilford, UK on the occasion of Jalsa Salana Qadian. Recorded on December 28, 2025.
15:55 Intikhab-e-Sukhan
17:00 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 17, 2026 by Huzoor (aba)
17:55 Qaseedah & World News & Tilawat & Beacon Of Guidance
19:10 Friday Sermon 4 Kids & ReUSEful & Paradise's Pathway
20:30 **Bustan-e-Waqf-e-Nau:** An educational class with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) and children of the Waqfe Nau scheme. Recorded on March 13, 2011.
21:35 Hayat-e-Javidaan & Intikhab-e-Sukhan
23:00 **Peace Symposium 2026:** An interfaith peace symposium sharing messages of peace with various communities including an address by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper). Recorded on May 16, 2026.
23:40 Tehrik-e-Jadid: A Divine Movement - An English documentary about Tehrik-e-Jadid, a movement initiated by Hazrat Musleh Ma'ood (ra) for the propagation of Islam.

Friday 24 July 2026

00:00 World News & Tilawat & Dars-e-Hadith
00:45 InfoMate & Ahd-e-Rafta
01:30 **Question And Answer Session:** Part 2 of a question and answer session with Hazrat Mirza Tahir Ahmad, Khalifatul-Masih IV (ra) and English speaking guests in USA. Recorded on October 23, 1994.
02:40 ReUSEful:
03:10 **Huzoor's (aba) Jalsa Salana Address:** Concluding address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) from Islamabad in Tilford, UK on the occasion of Jalsa Salana Qadian. Recorded on December 28, 2025.
04:00 Virtues Of Ahmad & Nazm & Hayat-e-Javidaan
04:45 **Peace Symposium 2026:** An interfaith peace symposium sharing messages of peace with various communities including an address by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper). Recorded on May 16, 2026.
05:25 Tehrik-e-Jadid & Art Break & Tilawat & Dars-e-Hadith
06:30 **Gulshan-e-Waqfe Nau:** An educational class with Huzoor (aba) and Nasirat members of the Waqfe Nau scheme. Recorded on April 25, 2015.
07:30 The Martyrs Of Promised Messiah & World News & Apnay Des Mein
09:30 **National Waqfeen-e-Nau Ijtema 2026:** An address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) to Khuddam and Atfal, on the occasion of National Waqfeen-e-Nau Ijtema UK and Canada. Recorded on April 26, 2026.
10:10 Ahd-e-Rafta & Villages Of Africa
10:50 The History Of Liwa-e-Ahmadiyyat: A short English documentary focusing on the history and protocols of Liwa-e-Ahmadiyyat.
11:00 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 1 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
12:00 **Live Friday Sermon:** Live Friday sermon delivered by Huzoor (aba), from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
13:00 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 1 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
15:25 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live flag hoisting ceremony by Huzoor (aba), followed by the first session and the inaugural address.**
17:25 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 1 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.**
19:00 Tilawat & Dars-e-Hadith & MTA In The Making
19:50 The History Of Liwa-e-Ahmadiyyat & Jalsa Salana UK 2026
21:00 **Friday Sermon:** Repeat of the Friday sermon delivered earlier today by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper), from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
22:00 Jalsa Salana UK 2026

Saturday 25 July 2026

00:25 Jalsa Salana UK 2026
04:00 The Martyrs Of Promised Messiah
04:30 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 24, 2026 by Huzoor (aba), from Hadeeqa-tul-Mahdi in Alton, UK.
05:25 Nazm & Villages Of Africa & Tilawat & Dars-e-Malfoozat
06:25 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 24, 2026 by Huzoor (aba)
07:20 Nazm & Model Farm At Hadeeqatul Mahdi & Tabarukat
08:00 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including various interviews and sessions from the studio at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.**
09:00 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including the men's morning session featuring various speeches from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.**
11:00 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including an address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) from the Ladies Jalsa Gah.**
13:00 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including various interviews and studio sessions from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.**
14:30 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including speeches by distinguished guests and an address by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper).**
17:00 **Live Jalsa Salana UK 2026: Live proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.**
18:35 Tilawat & Dars-e-Malfoozat
19:00 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including various interviews and sessions from the studio at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK. Recorded earlier today.
20:00 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including the men's morning session featuring various speeches from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK. Recorded earlier today.
22:00 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including an address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) from the Ladies Jalsa Gah. Recorded earlier today.

Sunday 26 July 2026

00:00 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including various interviews and studio sessions from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK. Recorded on July 25, 2026.
01:30 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including speeches by distinguished guests and an address by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper). Recorded on July 25, 2026.
04:00 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 2 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK. Recorded on July 25, 2026.
05:35 Model Farm At Hadeeqatul Mahdi & Tabarukat
06:00 Tilawat & Dars-e-Tehreerat
06:30 **Mulaqat With Huzoor (aba):** A mulaqat with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper) and Lajna and Nasirat members from Denmark. Recorded on February 19, 2023.
07:30 Aag Hai Par Aag Se & The Miracle Of Prayer
08:00 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
09:00 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
11:30 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including the International Bai'at ceremony with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper).
12:30 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
14:30 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
15:00 **Live Jalsa Salana UK 2026:** Live proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including the concluding address delivered by Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper).
17:35 Tilawat & Dars-e-Tehreerat
18:00 **Friday Sermon:** Friday sermon delivered on July 24, 2026 by Huzoor (aba)
18:55 Nazm
19:00 Jalsa Salana UK 2026: Repeat of day 3 proceedings of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
20:00 Jalsa Salana UK 2026: Repeat of day 3 proceedings of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK.
22:30 Jalsa Salana UK 2026: Repeat of day 3 proceedings of Jalsa Salana UK 2026 including the International Bai'at ceremony with Hazrat Mirza Masroor Ahmad (may Allah be his Helper).
23:30 Jalsa Salana UK 2026: Proceedings of day 3 of Jalsa Salana UK 2026 including an array of programmes from the Jalsa Gah at Hadeeqa-tul-Mahdi, Alton, UK. Recorded on July 26, 2026.

Al-Fazl International, London daily

Tahir House - 22 Deer Park Rd, London SW19 3TL ISSN: 1352 9587 Tel: +44 20 8544 7603 Fax: +44 20 8544 7611 +44 7566 234466

Vol 33 Monday 20 July - Sunday 26 July 2026 Issue No. 172 - 177

پروگرام جلسہ سالانہ یوکے (۲۴تا۲۶؍جولائی ۲۰۲۶ء)

(لندن وقت۔ GMT+1)

جمعۃ المبارک ۲۴؍جولائی

11:30 دوپہر کا کھانا اور تیاری نمازِ جمعہ

13:00 نمازِ جمعہ وعصر

16:25 پرچم کشائی (لوائے احمدیت)

16:30 **افتتاحی اجلاس:** تلاوت قرآن کریم، اردو ترجمہ، اردو نظم، فارسی نظم اور اردو ترجمہ

افتتاحی خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

19:30 کھانا

21:15 نمازِ مغرب وعشاء

ہفتہ ۲۵؍جولائی

3:15 نمازِ تہجد | 03:48 اذان نمازِ فجر | 04:15 نمازِ فجر

04:30 درس الحدیث | 08:00 ناشتہ

دوسرا اجلاس

10:00 تلاوتِ قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم

10:20 **عالمی امن کا قیام انصاف کے قیام کے بغیر ممکن نہیں** (اردو)
مکرم مروان سرور گل صاحب۔ صدر ومشنری انچارج۔ جماعت احمدیہ ارجنٹائن

10:50 **خدا کی تلاش میں عاجزی ایک بنیادی شرط** (انگریزی)
مکرم ایاز محمود خان صاحب۔ مربی سلسلہ ایڈیشنل وکالت تصنیف۔ یوکے

11:20 اردو نظم

11:30 **امام الزمان اور محبت الٰہی** (اردو)
مکرم عطاالمؤمن زاہد صاحب۔ استاذ جامعہ احمدیہ برطانیہ

12:00 **حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زنانہ جلسہ گاہ میں تشریف آوری**

تلاوتِ قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم

تعلیمی اعزازات کا اعلان

خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

13:30 نمازِ ظہر وعصر

14:00 کھانا

تیسرا اجلاس

15:15 معزز مہمانوں کے مختصر خطابات

16:00 تلاوتِ قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم

خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

19:30 کھانا

21:15 نمازِ مغرب وعشاء

اتوار ۲۶؍جولائی

3:15 نمازِ تہجد | 03:50 اذان نمازِ فجر | 04:15 نمازِ فجر

04:30 درس القرآن | 08:00 ناشتہ

چوتھا اجلاس

10:00 تلاوتِ قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم

10:20 **شرائط بیعت کے ادراک اور ان پر ثبات قدم میں ہی خلیفۂ وقت سے محبت اور ان کی اطاعت کا دارومدار ہے** (اردو)
مکرم سہیل مبارک احمد شرما صاحب۔ مشنری انچارج۔ جماعت احمدیہ کینیڈا

10:50 **الٰہی کتب میں خدا کا تصور اور اسلام کے ساتھ اس کا تقابل** (انگریزی)
مکرم ڈاکٹر زاہد احمد خان صاحب۔ صدر قضاء بورڈ برطانیہ

11:20 اردو نظم

11:30 **قرآن کریم جواہرات کی تھیلی** (اردو)
مکرم نصیر احمد قمر صاحب۔ ایڈیشنل وکیل الاشاعت لندن

12:00 **آنحضرت ﷺ کی انسانیت سے محبت** (انگریزی)
مکرم رفیق احمد حیات صاحب۔ امیر جماعت احمدیہ برطانیہ

12:30 -13:00 اعلانات وتیاری عالمی بیعت وعالمی بیعت کی تقریب

13:30 نمازِ ظہر اور عصر | 14:00 کھانا

اختتامی اجلاس

15:15 معزز مہمانوں کے مختصر خطابات

16:00 تلاوت قرآن کریم، اردو ترجمہ، عربی قصیدہ، اردو ترجمہ اور اردو نظم
تعلیمی اعزازات کا اعلان۔ احمدیہ امن انعام 2025ء کا اعلان

اختتامی خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اختتامی دعا

پروگرام جلسہ گاہ مستورات (ہفتہ ۲۵؍جولائی)

10:00 تلاوت قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم

10:20 **آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ۔ محبت الٰہی کا زندہ ثبوت** (انگریزی)
مکرمہ ڈاکٹر ملیحہ منصور صاحبہ۔ معاونہ صدر واقفاتِ نو۔ لجنہ اماء اللہ برطانیہ

10:45 **رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ذریعہ محبت الٰہی کا حصول** (اردو)
مکرمہ ڈاکٹر فریحہ خان صاحبہ۔ سابقہ صدر۔ لجنہ اماء اللہ برطانیہ

11:10 اردو نظم

11:20 **نور خلافت۔ حقیقی اسلام کی طرف راہنمائی کا ذریعہ** (انگریزی) مکرمہ فرزین قریشی صاحبہ۔ سیکرٹری نومبائعات۔ ھیورنگ۔ برطانیہ

11:45 ضروری اعلانات

12:00 **حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زنانہ جلسہ گاہ میں تشریف آوری**

تلاوتِ قرآن کریم، اردو ترجمہ اور اردو نظم، تعلیمی اعزازات کا اعلان

خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز